العلماء ورثة الانبیاء

سیاست شیخ الاسلام

۱۳۶۶ھ — ۱۹۴۷ء

یعنی

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند صدر جمعیۃ علماء ہند دامت برکاتہم
کے حالاتِ زندگی

مرتبہ
مولانا سید محمد میاں
ناظم جمعیۃ علماء ہند

ناشر
اسلامی کتب گھر
دیوبند۔ ضلع سہارنپور

مطبوعہ قیومی پریس کانپور

علماء ہند کا شاندار ماضی - علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے۔ انقلاب مشرق - اسلام کا اقتصادی نظام - اقسام حکومت اور انواع الدول - السیاستہ اعلیہ - قصص القرآن - تاریخ الاسلام سیرت سید احمد شہید

اور

اس قسم کی جملہ گرانقدر

سیاسی - تاریخی - مذہبی - عربی - فارسی - اردو

کتابیں

ملنے کا پتہ

اسلامی کتاب گھر

دیوبند - ضلع سہارنپور

سید احمد میاں - منیجر "اسلامی کتاب گھر" دیوبند

پیشِ لفظ

علماء حق حصہ اول و دوم میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے کارنامے شائع ہو چکے ہیں۔ مگر چونکہ ایک مخصوص سلسلہ کے مجاہدانہ کارنامے اس کتاب کا موضوع ہیں لہٰذا حضرت مدظلہ العالی کے باقی حالات اس کتاب میں نہیں آ سکے۔ نیز اس کتاب کی ضخامت اور ضخامت کے بموجب اس کی قیمت اتنی ہو گئی ہے کہ ہر شخص کے لئے اس کا مطالعہ آسان نہیں رہا۔ اس لئے ایک مختصر رسالہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ رسالہ مجاہد جلیل[1] کے مطالعہ سے اگرچہ حضرت کی زندگی پر ایک نظر پڑ جاتی ہے۔ مگر "حیات شیخ الاسلام" کے تمام پہلوؤں کو یہ رسالہ روشن نہیں کر سکتا۔

اس وقت اس مسرت بخش اعلان کا یہی موقع ہے کہ حضرت ممدوح خود بھی اپنے حالات[2] قلمبند فرما رہے ہیں۔ ان کی کتابت شروع ہو گئی ہے اور عنقریب یہ "تصنیف مبارک" حلیہ طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر جلوہ فرما ہو جائے گی۔ مگر حضرت کی طبعی انکسار اور فطری تواضع سے جو حضرات

---

[1] یہ رسالہ۔ اسلامی کتاب گھر دیوبند ضلع سہارنپور سے ۵ کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ کیا جا سکتا ہے۔

[2] یہ مبارک تصنیف بھی اسلامی کتاب گھر۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور سے مل سکے گی قیمت کا ابھی اندازہ نہیں۔ پہلے آرڈر بک کرانے پر محصول ڈاک معاف ہوگا۔ "منیجر اسلامی کتاب گھر"

واقف ہیں وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس تصنیف میں حضرت کے عظیم الشان
حالاتِ زندگی کے علاوہ اور سب کچھ ہوگا۔

چنانچہ وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز
اور سلسلہ کے دیگر اکابر کے حالات۔ سیاسی اور تاریخی معلومات۔ علمی جواہر پاروں
اور دین و دانش کے درہار ناسفتہ کا بیش بہا ذخیرہ ہے جس کی بنا پر اس کو سفینۂ علم
و حکمت اور گنجینۂ تاریخ و سیاست کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس رسالہ کی ضرورت
سے وہ بھی مستغنی نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ رسالہ پیشِ خدمت ہے اور دعا ہے کہ
خداوند عالم اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور اس رسالہ کو مصنف اور تمام
مسلمانوں کے لئے نافع فرمائے۔ آمین۔

خاکپار آستانہ بوسان حضرت مدنی
محمد میاں عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سخن اولین

ان اوراق میں ایسے بزرگ کے حالات زندگی پیش کئے جارہے ہیں جس سے ہندوستان اور بیرون ہند کے لاکھوں مسلمان بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق تلمذ رکھتے ہیں یا رابطۂ ارادت وعقیدت۔

ان لاکھوں ارادتمندوں کے جذبات عقیدت ومحبت صرف اسی صورت میں سکون پذیر ہوسکتے ہیں کہ اس بزرگ محترم کو "شیخ الاسلام" کے خطاب سے یاد کیا جائے۔

ممکن ہے اُن کا ولولہ ارادت "قطب العالم" یا "مُجددِ ملت" کے موزوں لقب سے بھی مطمئن ہو جائے لیکن اس سے کم کوئی خطاب ان کو مسرور نہیں کرسکتا لیکن زمانہ کی یہ بوالعجبی بھی مورخ کو نظرانداز نہ کرنی چاہئے کہ چند سال سے ابناء دنیا کے ایک طبقہ کے دلوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ اس قطب عالم کی زیادہ سے زیادہ توہین کی جائے۔ اور تنقیص شان کی ہرایک صورت پر پوری طرح عمل کیا جائے۔

بیشمار رسائل اور پمفلٹ اس مقصد کے لئے شائع کئے جا چکے ہیں اور بے شمار اخبارات کے کالم اس خدمت کے لئے وقف ہیں۔

لیکن کیا ابنار دنیا کی یہ خواہش اور ان کی یہ جد وجہد۔ شان قطبیت کے منافی ہے۔ اور کیا ابنار زمانہ کی اس حرکت سے دامن مجددیت پر دھبہ لگتا ہے یا شیخ الاسلام کی عظمت وجلالت کی روشن پیشانی اس سے داغدار ہو جاتی ہے نہیں۔ ہر گز نہیں۔ ہمیشہ سے ابنار دنیا کا یہی دستور رہا ہے۔ ان کی کوتاہ بیں نگاہیں وقت پر صحیح بصیرت سے خیرہ ہوتی رہی ہیں۔ اور وقت گذرنے کے بعد کف افسوس ملتی رہی ہیں۔

کسی مجدد یا قطب کی تو حقیقت کیا اولوالعزم انبیار اور جلیل القدر مرسلین (علیہم السلام) کے ساتھ ان کا یہی طرز عمل رہا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ

جب انکے سامنے (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش فرمودہ) حق آیا تو کہنے لگے جیسا (معجزہ) موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ ایسا ہی معجزہ خاتم الانبیا علیہم السلام کو کیوں نہیں دیا گیا۔

أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ۔

(سورۂ قصص)

کیا جو معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اسکا انکار نہیں کیا تھا (ان دنیا پرستوں نے اس وقت کہا تھا کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) دونوں جادوگر ہیں۔ ان دونوں نے آپس میں ملی بھگت کرلی ہے۔ اور بڑے زور سے کہا ہم کسی کو نہیں مانتے۔

وائے ناکامی۔ آفتاب رشد وہدی بار بار طلوع ہو رہا ہے مگر خیر گی

چشم ہر ایک نور کو ظلمت.. سمجھتی ہے۔ اور بعد میں کف افسوس ملتی ہے۔

فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

کس قدر خائب و خاسر اور کس قدر حرمان نصیب ہے۔ تشنہ کاموں کی وہ جماعت جو موج دریا کو سراب سمجھتی ہے۔ اور جب سیلاب ختم ہو جاتا ہے تو ہر سراب کو موج دریا سمجھکر اس کی طرف دوڑتی ہے۔

ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شك مما جاءکم به حتی اذا هلك قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا۔ (سورۂ مومن)

تمہارے سامنے یوسف (علیہ السلام) اس سے پیشتر روشن دلائل لا چکے ہیں۔ مگر اس وقت تم شک ہی کرتے رہے۔ اور جب یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو یہ فیصلہ کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ اب کبھی بھی کوئی رسول نہ بھیجے گا۔

جب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ طرز عمل رہا تو دنیا کا کونسا اصول جانشینان انبیاء علیہم السلام کو اس سے مستثنیٰ کر سکتا ہے۔

آج جو لوگ بہر حال سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے سینہ کوبی کرتے ہیں کیا یہی لوگ نہ تھے جنھوں نے حسین اور آل حسین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تواضع خنجر آبدار سے کی تھی۔

وہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جس کی امامت اور جس کے تفقہ اور اجتہاد

پر آج دو تہائی دنیا ر اسلام متفق ہے۔ اپنے زمانہ میں نہ صرف یہ کہ قید و بند کی اذیتوں سے محفوظ ہوتا رہا۔ بلکہ دُرّے اور کوڑے بھی روزانہ اس کے جسم مبارک کو بوسے دیتے رہے۔

فن حدیث کا جلیل القدر امام۔ فتنہ خلق قرآن کا یکتا ہادی اور مصلح مجدد ملت، امام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ) نہ صرف یہ کہ اس کے مبارک قدموں کو زنجیروں اور بیڑیوں سے آشنا کیا گیا۔ بلکہ بھاری بھاری بیڑیاں پیروں میں ڈال کر جابرانہ حکم صادر ہوتا تھا کہ اونٹ پر سوار ہوں۔ اس قاہرانہ حکم کی جبری اور قہری تعمیل میں بارہا ایسا ہوا کہ سوار ہوتے ہوئے اونٹ پر سے گر پڑے ہیں۔ اور جسم نحیف خون سے تر ہو گیا ہے۔

تاریخ کے صفحات میں جس نام کے ساتھ شیخ الاسلام، مجدد ملت، قطب العالم جیسے جلیل الشان خطابات دیکھو گے۔ اگر تحقیق و تفتیش کی جائے تو ان کی زندگیاں ابنار زمانہ کی ستم آفرینیوں کا مرقع نظر آئیں گی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے۔

قرآن حکیم الفاظ ذیل میں اس کے فلسفہ اس کی لِمْ کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

الٓمٓ۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم۔ فلیعلمن اللہ الذین صدقوا	الم۔ کیا لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ اس پر چھوٹے جائیں گے کہ یہ کہدیں کہ ہم ایمان لے آئے اور اُن کو آزمایا نہ جائیگا۔ حالانکہ ہم ان سے پہلوں کو آزما چکے ہیں اس امتحان و آزمائش سے ان کی حقیقت بھی روشن

ولیعلمن الکاذبین۔	ہوجائیگی جو اپنے دعوے میں سچے ہیں اور ان کی حقیقت
(عنکبوت)	بھی واضح ہوجائیگی۔ جو اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

جب ابناء دنیا کی طرف سے اس توہین و تعذیب کی علت۔ ابتلا امتحان ہے۔ تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ

۵ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اشد الناس بلاءً الانبیاء	سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء
ثم الامثل فالامثل۔	علیہم السلام کی ہوتی ہے۔ پھر درجہ بدرجہ
(ترمذی شریف وغیرہ)	جو افضل ہوں۔

ایک شخص خلوص صداقت اور پوری جگر سوزی کے ساتھ آپ کی حمایت کرے۔ اور آپ اس کو خود غرض۔ غدار۔ مردود و ملعون کہیں۔ اور پھر اس کا خلوص اور اسکی سچی ہمدردی اس کو آپ کی حمایت پر مجبور کرے۔ اور آپ اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔

ایک طرف سے متواتر جگر سوزی۔ اور دوسری جانب سے پیہم انکار اور توہین اور تذلیل۔ درحقیقت بہت سخت امتحان اور آزمائش ہے۔ اور جس قدر خلوص و صداقت، جذبہ ہمدردی اور غمخواری میں اضافہ ہوگا۔ اتنا ہی ابتلا اور امتحان بھی سخت ہوتا رہیگا۔ نوع انسان کے سب سے بڑے مخلص اور ہمدرد کا یہی سوز و گداز تھا کہ حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا۔

فلعلک باخع نفسک ان لا	آپ تو شاید اپنے آپ کو مار ڈالیں گے اس

یکونوا مومنین ۔ غم ہے کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔

آخر عوام کو کیا ہو جاتا ہے. کہ وہ خود غرضوں کے غلط پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں. نفسیاتی طور پر اس کا سبب فطرت انسانی کا وہ اصول ہے جس کی طرف عربی کا یہ مشہور مقولہ اشارہ کرتا ہے ۔

المرء یقیس علی نفسہ ۔ انسان اپنے اوپر دوسروں کو بھی قیاس کیا کرتا ہے

خود غرض خواص ۔ اور اغراض پرست عوام میں چونکہ خود اخلاقی کمزوریاں بہت کافی ہوتی ہیں ۔ لہذا وہ پاکباز اور مقدس نفوس کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں ۔ اور ہر اس پروپیگنڈے کو باور کر لیتے ہیں جو ان کے قیاس کی تائید و موافقت کرتا ہو۔

وہ طبقہ جو رشوت ۔ جھوٹی شہادت ۔ جھوٹے مقدمہ بازی ۔ بلیک مارکیٹ اور خیانت کا عادی ہو ۔ اور معمولی سے معمولی کام بھی اپنے غرض کے بغیر نہ کرتا ہو ۔ وہ کب باور کر سکتا ہے کہ کوئی پاکباز محض خلوص اور صداقت کی بنا پر ہر ایک مصیبت کے لئے تیار ہو جائیگا اور اس جفاکشی کے عوض میں کسی انسان سے کسی معاوضہ کی خواہش تو درکنار اس کا تصور بھی اس کے دماغ کو پریشان کر دے گا ۔

درحقیقت یہ قیاس ۔ قیاس مع الفارق ہے ۔ اور اسی لئے اس کی ممانعت کی گئی ہے ۔

کار پاکان را قیاس از خود مگیر ⁂ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

معیار | سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف پروپیگنڈے میں جب پوری طاقت صرف کی جا رہی تھی تو کلام اللہ کے الفاظ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک معیار پیش فرمایا تھا۔

لقد لبثت فیکم عمرًا افلا تعقلون	ساری عمر میں تمہارے بیچ میں رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ساری عمر کی سیرت کو پیش کرتے ہوئے ان منکرین اور مخالفین کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ ساری عمر تم آزما چکے ہو۔ برت چکے ہو۔ ہر موقع پر خدا ترس۔ صادق اور امین پا چکے ہو کیا وہ دعوت اسلام کے بارے میں جھوٹا ہوگا؟

درحقیقت مدح وستائش۔ یا خدمت کا معیار۔ عادات واطوار۔ خصائل واخلاق۔ اپنوں اور پرائیوں کے ساتھ اس کے تعلقات۔ ایثار وخلوص اور ملکی وملی خدمات ہیں۔

بلا وجہ لعنت و مذمت کو تو اسلام کسی وقت بھی پسند نہیں کرتا۔ لعنت گو نہیں ہے لو یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعّانًا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم البتہ بوقت ضرورت اس کی مذمت کی جا سکتی ہے جو مذکورہ بالا معیار کے بموجب مستحق مذمت ہو لیکن اس معیار کو نظر انداز کر کے محض سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر لعن وطعن۔ یا توہین وتذلیل۔ ایک ایسا جرم ہے جس کو قرآن حکیم "اثم مبین" قرار دیتا ہے۔

والذین یوذون المومنین و المومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا و اثما مبینا + (احزاب)	جو لوگ ایمان دار مردوں اور عورتوں کو کسی ایسی بات کا الزام لگا کر جسکے وہ مرتکب نہیں ہوئے ایذا دیتے ہیں وہ بہتان اور "اثم مبین" کا بار گردن پر لے رہے ہیں۔

ہم نے آج سے تقریباً ۸ سال پیشتر "شاندار ماضی" کے حصہ پنجم میں حضرت موصوف مدظلہ العالی کے حالات قلمبند کرتے ہوئے کچھ الفاظ بطور تمہید لکھے تھے۔

حسن اتفاق سے اس عرصہ میں احقر کو حضرت مدظلہ العالی سے قریب کا تعلق رہا۔ اور بہت نزدیک سے حضرت کے تمام حالات کے مطالعہ کا موقع ملا۔

اس عرصہ میں جیل کی زندگی میں رفاقت کا موقع بھی ملا۔ جہاں ۲۴ گھنٹہ کی معیت اخلاق کی تمام نمائشوں کو ختم کر دیتی ہے۔ ظاہری زیبائش کا ہر ایک غازہ انسانی عادات کے چہرہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نکھری ہوئی پوست کندہ زندگی سامنے آجاتی ہے۔

اس کے بعد تقریباً تین سال سے حضرت موصوف کی زیر صدارت احقر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کی نظامت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ یہ تعلق ملکی اور ملی جذبات کے سلسلہ میں صدر کے مخلصانہ یا غرض پرستانہ جذبات و احساسات کی مکمل طور پر غماضی کر سکتا ہے۔ اور پھر اس حرص و طمع یا ایثار و خلوص کی نقاب کشائی کر سکتا ہے جو نہاں خانہ دل میں روپوش ہو

لیکن خدا کا شکر ہے کہ آٹھ سالہ تجربات نے تمہیدی عبارت کے کسی ایک حرف کی تبدیلی کا واہمہ بھی پیدا نہیں کیا۔ البتہ اس اعتراف میں اضافہ ہو رہا ہے کہ یہ الفاظ حضرت موصوف کے شایان شان تعارف سے قاصر ہیں۔

تمہیدی الفاظ یہ ہیں۔

تعارف شیخ الاسلام

سیاسیات ہندی کا نشاں ہے ذات سی تیری	یہ کشتی اس بحیرہ میں رواں ہے ذات سے تیری
اسیر مالٹا کی جانشینی تجھکو حاصل ہے	سحاب حریت گوہر فشاں ہے ذات سی تیری

غلاموں کو سکھایا تو نے آئین جہاں بانی

کیا ہے فخر الدین رازی کی نکتہ سنجی، بو علی سینا اور فارابی کی منطق۔ ابن حزم اور ابن رشد کی حکمت، صرف ایک نتیجہ ہے۔ ذکی الطبع افراد کی بہ غایت کتب بینی کا۔

کیا ہے ترک دنیا اور متقشفانہ تصوف، ایک خوشگوار جذبہ ہے دنیاوی جھگڑوں سے فارغ البالی کا بہت آسان ہے۔ سالہا سال اعتکاف کے مکاشفات اور مراقبات کی لطف اندوزی، بہت سہل ہے۔ برسہا برس مطالعہ کتب کرکے تبحر علمی کے ملکات کی فراہمی بہت سہل ہے۔ کسی خانقاہ کی کنج عزلت۔ بہت سہل ہے یا کسی دار العلوم کی مسند تدریس۔

تم پوچھو۔ مشکل کیا ہے؟

میں بتاؤں گا بہت مشکل ہے۔ رجوع الی اللہ زہد و تقویٰ کے ساتھ خدمت

خلق اور نوعِ انسانی کی ہمدردی۔ یعنی وہ سوز۔ وہ گداز۔ وہ تڑپ، وہ بے چینی جو کبھی مسجد میں لے جائے۔ کبھی حلقہ درس میں کبھی ممبر پر وعظ و تلقین کے لئے کھڑا کر دے۔ کبھی سیاسی پلیٹ فارم پر ترقیِ ملّت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے۔ پھر کبھی اپنوں کی گالیاں سنوائے اور کبھی پا بزنجیر جیل خانوں کی سلاخوں میں بند کرائے۔ دن کے وقت خدمتِ خلق میں مصروف اور پریشان رکھے تو رات کی تاریکی میں محبوبِ حقیقی کے سامنے راہبِ شب بیدار بنا کر کھڑا کر دے بلاشبہ بہت مشکل ہے۔ ہمدردیٔ خلق۔ اور غمخواریٔ مسلم کی وہ خلش جو رات کی میٹھی نیند حرام کر دے۔ مجلس احباب کو مجلس سوز و گداز بنا دے۔

افق پر صبح صادق کی کرن چمکے تو وہ توبہ و استغفار میں مشغول ہو۔ آفتاب کی پہلی کرنیں اس کو تسبیح و تہلیل میں مشغول دیکھیں۔ پھر اس کے تبلیغی تعلیمی۔ مذہبی اور سیاسی مشاغل کو دیکھتے دیکھتے حیرت و استعجاب کے مغرب میں روپوش ہو جائیں۔ عالم پر تاریکی کی سیاہ چادر تانی جائے۔ تھکے ماندے انسان اپنی آرامگاہوں کی طرف دوڑیں۔ اہل و عیال کی پُر لطف چہل و پہل سے دن بھر کی کوفت دور کریں۔ لیکن یہ مبتلائے سوزِ خلق اب بھی یا دور دراز سفر طے کر رہا ہو۔ یا عالی اور عمیق مضامین کے حل کرنے میں دماغ سوزی کر رہا ہو یا مخلوق خدا کی تلقین میں مشغول ہو۔ یا اپنے پروردگار کے سامنے سر بسجود۔ گریہ و بکا۔ عجز و نیاز۔ مناجات و تلاوت۔ طویل قیام، طویل رکوع و سجود سے زاہدانِ خشک کے خلوت خانوں کو شرما رہا ہو۔

بیشک یہی ہے مشکل ترین سنت۔ یہی ہے انبیاء علیہم السلام کی سچی

وراثت یہی ہے مضمون حدیث کے بموجب انبیاء سابقین علیہم السلام سے مشابہت، یہی شخص ہے رحمۃ للعالمین[1] صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب۔ اسوۂ صحابہ کا سچا پیرو یہی ہے مصلح خلق۔ یہی ہے شیخ وقت۔ یہی ہے مرشد صادق۔ یہی ہے قطب عالم۔ اسی کی زندگی درس عبرت ہے۔ قابلِ اتباع بلکہ واجب الاتباع ہے۔

اچھا بتاؤ۔ دور حاضر میں کون ہے اس مقدس زندگی کا مالک اور اس مبارک سنت کا حامل و ماہر، وہی شیخ وقت قطب عالم۔ مرشد خلائق جس کا

---

[1] شمائل ترمذی میں ارشاد ہے۔ افضلھم عندہ اعمّھم نصیحۃً واعظمھم عندہ منزلۃً احسنھم مواساۃً ومؤازرۃً (شمائل ترمذی شریف ص۲۲)

یعنی سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر قدسی اثر میں وہ صحابی افضل ہوتے تھے جنکی خیرخواہی مخلوق کے لئے زیادہ عام ہو۔ اور بارگاہ رسالت میں اس کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہوتا تھا۔ جس کی جفاکشی اور تحمل و برداشت۔ خدمت خلق اور ہمدردی نوع انسان کے بارہ میں سب سے بہتر ہو۔ (حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہما ص۲۲ شمائل ترمذی)

نیز سید الکونین رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انّ المسلم اذا کان یخالط النّاس ویصبرُ علٰی اذاھم خیرٌ من المسلم الّذین لا یخالط النّاس ولا یصبر علٰی اذاھُم (ترمذی شریف ج ۲ ص۷۲)

یعنی وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا رہتا ہے اور ان کی اذیت پر صبر کرتا ہے اس مسلمان سے بہتر ہے جو نہ کسی سے ملتا ہے نہ کسی کی اذیت برداشت کرتا ہے۔

جس کا نام نامی اس تمہید کا مبارک عنوان ہے۔ یعنی
سیدنا و مرشدنا شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام
حضرت علامہ مولانا سید حسین احمد صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مدظلہ العالی و دامت برکاتہ۔

دارالعلوم دیوبند۔ اپنی قسمت پر جس قدر ناز کرے کم ہے
کہ ہر زمانہ میں اس کی صدارت کے لئے قدرت کے ہاتھوں نے مخلوق
کا بہترین فرد منتخب فرمایا۔ آج بھی مجدد وقت دارالعلوم دیوبند کا
شیخ الحدیث ہے۔

گرمئ ہنگامہ تیری آج حسین احمد سے ہے
جس سے ہے پرچم روایات سلف کا سربلند

اس تمہید کے بعد اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وباللہ
التوفیق۔

مختصر حالات زندگی

ولادت باسعادت | ۱۹؍شوال ۱۲۹۶ھ ۱۱ بجے شب (درمیانی دوشنبہ وسہ شنبہ) مطابق ۱۸۷۹ء (برج قمر) بمقام قصبہ بانگر مئو۔ ضلع اناؤ
تاریخی نام چراغ محمد۔

آبائی وطن | موضع الہ داد پور تحصیل ٹانڈہ۔ ضلع فیض آباد۔

سلسلہ نسب | آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کا خاندان اُنیس (۱۹) پشت پیشتر ہندوستان میں آیا۔ والد ماجد حضرت سید حبیب اللہ صاحب سیدنا حضرت مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے خلیفہ راشد تھے۔ پاکباز۔ باخدا۔ ذاکر و شاغل۔ والدہ محترمہ بھی پابند شریعت۔ صابر و قانع۔ ذاکر و شاغل خاتون تھیں۔

برادران محترم | اسم بامسمے حضرت محترم سید حبیب اللہ صاحب اور خاتون محترم قدس اللہ سرہما کی خوش نصیبی قابل رشک ہے کہ خداوند عالم نے پانچ فرزند مرحمت فرمائے اور پانچوں فرزند آسمان سعادت کے آفتاب و ماہتاب۔ (۱) مولانا محمد صدیق صاحب سال ولادت سنہ ایکہزار دوسو نوے (۱۲۹۰)

لہ ولادت باسعادت کے سال قصبہ بانگر مئو میں تپ لرزہ کی بہت شدت تھی جس میں اموات ہو رہی تھیں پورے قصبہ میں صرف حضرت مولانا کی والدہ اور ایک دوسری عورت مع بچہ کے سالم بچی تھیں (ماخوذ از سوانح خودنوشت)

سب سے پہلے آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے ۱۳۱۳ھ میں سند تکمیل حاصل کرکے ریاضت و مجاہدۂ نفس میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۱۸ھ میں دوبارہ ہندوستان تشریف لاکر گنگوہ حاضر ہوئے۔ اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پھر مدینہ طیبہ واپس ہوکر ملی اور مذہبی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ جنگ جرمنی ۱۴ء تا ۱۸ء میں ترکی حکومت کی زیر حراست ایڈریانوپل میں مقیم تھے۔ وہیں آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا وحید احمد صاحب اس زمانہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے ہمراہ "مالٹا" میں اسیر تھے۔ رہائی کے بعد ہندوستان تشریف لائے افسوس ۱۹۳۵ء میں جبکہ آپ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں خدمت درس انجام دے رہے تھے آپ نے وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادے عزیز محترم مولوی فرید احمد صاحب و مولوی سعید احمد صاحب دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پا رہے ہیں۔

اسعد ہما اللہ و ادخلہما فی عبادہ الصالحین۔

(۲) حضرت مولانا سید احمد صاحب سال ولادت ۱۲۹۴ھ (ایک ہزار دو سو چورانوے) آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ پھر مدینہ طیبہ میں قیام فرما کر مراحل سلوک طے کئے۔ مدینہ طیبہ کے حرم اطہر میں "مدرسۃ الایتام" قائم کیا۔

جس میں شرعیات و دینیات کی تعلیم کے ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ حجاز مقدس میں آپ کی ذات بہت غنیمت تھی۔ اہلِ حجاز آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی اہل حجاز کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ افسوس سنہ ۱۳۶۰ھ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ آپ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی آپ کی وارث ہیں جو مولانا اسعد صاحب (خلف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی) سے منسوب ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمود احمد صاحب ہیں جو حجاز میں مقیم ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر جدہ میں قاضی (جج) تھے۔ اُن کے صاحبزادے مولانا سید حبیب احمد صاحب مدرسۃ الایتام کے مہتمم و منیجر ہیں۔

پانچویں بھائی سید جمیل احمد صاحب تھے جو حضرت سے چھوٹے تھے عرصہ ہوا وفات پا گئے۔

طفولیت اور ابتدائی تعلیم | تین سال کی عمر تک والد صاحب کے ساتھ قصبہ بانگرمئو میں مقیم رہے۔ جہاں آپ کے والد ماجد سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ جب آپ کی عمر ۳ سال تھی والد صاحب پینشن لیکر اپنے وطن ٹانڈہ تشریف لے آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب کی زیر نگرانی ٹانڈہ میں حاصل کی۔ آپ کے یہاں ایک بکری بھی تھی جس کے چرانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوا کرتی تھی۔ اور اس طرح رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کی سعادت قدرتی طور پر آپکو حاصل ہوتی رہی۔

دار العلوم میں داخلہ | ۱۳۰۹ھ میں جبکہ عمر مبارک ۱۳ سال تھی۔ آپ کو دیو بند۔ سیدنا شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیج دیا گیا یعنی ایک شفاف آئینہ کو آفتاب جہاں تاب کے سپرد کیا گیا۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی فراست کاملہ نے اس سعادت عظمیٰ کو پہچان لیا جس کے آثار بشرۂ مبارک سے نمایاں تھے۔

مخصوص شفقت کے ساتھ اپنی اولاد کی طرح تربیت شروع فرمائی اپنی نگرانی میں رکھا۔ اور باوجودیکہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے مشاغل بڑی جماعتوں کو بھی خارج اوقات میں کسی کتاب کے درس کا موقع نہ دیتے تھے۔ مگر حضرت مولانا حسین احمد صاحب کو ابتدائی کتابیں بھی خود ہی پڑھائیں۔

نیاز مندی — سعادت اور ایثار کی بھی یہ شان تھی کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند کے یہاں سے کسی نے فرمائش کی کہ بھنگی سے نالی صاف کرا دو۔ بھنگی نہیں ملا مگر نالی صاف ہو کر دھل بھی گئی معلوم ہوا کہ حسین احمد نے اپنے ہاتھوں سے کیچڑ صاف کیا تھا۔ (بروایت مولانا محمد جلیل احمد صاحب کیرانوی خادم حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ واستاذ دار العلوم دیوبند)

تکمیل۔ بیعت اور سفر حجاز | صرف سات سال کے عرصہ میں جملہ علوم متداولہ سے فارغ ہو کر قطب العالم امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت بھی ہو گئے۔ ۱۳۱۶ھ میں والد ماجد قدس اللہ سرہٗ العزیز نے جملہ اہل وعیال سمیت بغرض ہجرت۔ بیت اللہ

شریف کا قصد فرمایا تو آپ بھی اُن کی رفاقت میں حجاز مقدس تشریف لیگئے۔

امام ربانی مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مراحل سلوک طے کرنے کے لئے اپنے شیخ مرشد یعنی سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مہاجر مکی کی خدمت میں حاضری کا ایما فرمایا۔ چنانچہ مکہ معظمہ پہنچ کر مراحل سلوک حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی زیر تربیت طے کئے۔

حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں چند ماہ حاضر رہ کر دار ہجرت یعنی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ جس سے چند ماہ بعد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے رحلت فرمائی۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے جوار رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر وہ تمام فیوض حاصل کئے جو ایک باخدا انسان اس مجمع الجود والکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جوار مبارک سے حاصل کرسکتا ہے۔

قیام مدینہ۔ کسب معاش دور امتحان حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے اپنی خود نوشت سوانح میں تحریر فرمایا ہے۔

حضرت والد صاحب مرحوم نے مدینہ منورہ پہونچکر باقی ماندہ رقم کو شرعی حصص کے بموجب ہم لوگوں پر تقسیم کر دیا۔ اور فرمایا۔ میں نے تو ہجرت کی نیت کی ہے۔ اس لئے میں تا زیست یہیں رہوں گا۔ لہٰذا تم لوگوں کو اختیار ہے کہ

ؔ حضرت مدظلہ العالی کی خود نوشت سوانح زیر طبع ہے۔ عنقریب انشاء اللہ منصۂ اشاعت پر جلوہ فرما ہوگی۔

یہاں رہو یا ہندوستان چلے جاؤ۔ یہ روپیہ واپسی کے لئے کافی ہے۔

ہم لوگوں نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی۔ کیونکہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز اور پھر حضرت قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے ہجرت کی نیت کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور یہ فرمایا تھا کہ ہجرت کرنے والوں کے امتحانات سخت ہوتے ہیں ان میں اکثر لوگ پھسل جاتے ہیں۔ اور ہجرت توڑ کر اپنے وطن واپس چلے جاتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں۔ صرف قیام کی نیت کرنا۔ اگر حالات سازگار ہوئے قیام کرنا ورنہ جب جی چاہے واپس ہوجانا۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے تو یہ بھی فرمایا تھا کہ میں نے بھی ہجرت کی نیت اس وقت کی تھی جب میں ایک مرتبہ بیمار ہوکر زندگی سے مایوس ہوگیا تھا۔ اور فرمایا کہ جس کو صرف دنیا مقصود ہو وہ "جدہ" میں رہے اور جس کو دین و دنیا مقصود ہو وہ مکہ معظمہ میں رہے۔ اور جس کو صرف دین مقصود ہو وہ مدینہ منورہ میں رہے۔

کیونکہ اسباب معیشت ہندوستانیوں کے لئے خصوصاً اور دوسروں کے لئے عموماً جدہ میں بہت سہل اور آسان ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں اس سے زیادہ سہل تھے۔ نیز مکہ معظمہ میں بہت سے ہندوستانی آباد بھی ہیں۔ مگر مدینہ طیبہ میں اسباب معیشت بہت کم اور گرانی بہت زیادہ ہے۔ بہر حال ہم میں سے کسی نے بھی سوائے حضرت والد صاحب مرحوم کے ہجرت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ صرف قیام کا ارادہ تھا۔ مگر والد صاحب

مرحوم کو اکیلا چھوڑ کر چلا آنا نہ والدہ ماجدہ مرحومہ کو گوارہ ہوا نہ کسی اور کو۔ لہذا ہم سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ جب تک آپ زندہ ہیں ہم یہاں ہی رہیں گے

والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ یہ نقد ہمیشہ کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ کوئی آمدنی ہندوستان سے ہمیشہ جاری رہنے والی نہیں۔ عموماً اہل مدینہ کا گذر اُن وظائف اور تنخواہوں پر ہے جو ان کو ترکی حکومت یا دوسری ممالک سے ملتی ہیں اس لئے کوئی ذریعہ معیشت عمل میں لانا چاہئے۔ چونکہ ملازمت یا دستکاری کی کوئی صورت ممکن نہ تھی لہذا قرار پایا کہ تجارت کی جائے۔ چنانچہ باب الرحمۃ اور باب السلام کے درمیان ایک دوکان کرایہ پر لی گئی۔ جس میں پرچونی سامان۔ چاول شکر۔ چاول۔ دال وغیرہ رکھا گیا۔ نیز قرار پایا کہ کھجوروں کی موسم میں کھجور بھر لئے جائیں۔ جو ایام حج میں حجاج کے ہاتھ فروخت کئے جائیں۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ آمدنی۔ مصارف کو پورا نہیں کر سکتی۔

لہذا میں نے اجرت پر کتابیں نقل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ عربی خط نسخ میں کتابیں نقل کرتا تھا اور اجرت حاصل کرتا تھا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت دو کتب خانے باقاعدہ منظم اور مرتب تھے۔ ایک کتب خانہ۔ شیخ الاسلام۔ دوسرا محمودیہ۔ ان دونوں میں قلمی نایاب کتابیں بکثرت تھیں۔ مدینہ کے نیز باہر کے آنے والے اہل علم قلمی کتابیں نقل کراتے تھے۔ ان دونوں کتب خانوں میں باہر کتاب لیجانے کی اجازت نہیں تھی۔

لہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا عربی اور فارسی خط نہایت پاکیزہ ہے اور آپ جسقدر تیز بھی تحریر فرماویں خط کی پاکیزگی بدستور باقی رہتی۔ . . غالباً اسی مشق کا ثمرہ ہے۔

۳ بجے[1] حجازی (مطابق ۹ بجے ہندوستانی) سے ۱۰ بجے حجازی (مطابق ۴ بجے شام) تک یہ کتب خانے کھلے رہتے ہیں۔ لہذا ان کتبخانوں میں بیٹھکر کتابیں نقل کرتا تھا۔ چونکہ نقل کا وقت کم ملتا تھا۔ علاوہ ازیں دوسرے لوگ بھی یہ کام کرتے تھے۔ لہذا آمدنی تھوڑی ہوتی تھی۔ اور بہت وقت خالی رہتا تھا۔ لہذا میں نے باقی اوقات میں مشاغل سلوک اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری کردیا تھا۔ چونکہ ادبیات میں بعض کتابیں باقی رہ گئی تھیں۔ اسلئے مدینہ طیبہ کے مشہور اور معمر ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس شام کو کچھ ادب عربی کی کتابیں پڑھنی شروع کردی تھیں۔ اور اخر شعبان ۱۳۱۶ھ میں جب ہم تینوں[2] بھائی دیوبند سے آخری طور پر روانہ ہو رہے تھے تو منجملہ دوسرے رخصت کرنے والوں کے خود حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز ساتھ ساتھ اسٹیشن دیوبند تک پیدل تشریف لائے تھے، راستہ میں پرزور طریقہ پر ہدایت فرمائی کہ پڑھانا مت چھوڑنا چاہے ایک دو ہی طالب علم ہوں۔

ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ میں حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ارشاد کے موافق گنگوہ شریف کا سفر کیا اور ۱۳۲۰ھ ماہ محرم میں واپس

---

[1] حجاز شریف میں طلوع آفتاب سے گھنٹوں کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی ہندوستانی اوقات کے لحاظ سے صبح کے ۶ بجے حجاز میں ایک بجتا ہے۔ دوپہر کے بارہ بجے ۷ بجتے ہیں اور شام کے ۶ بجے عربی قاعدہ سے بارہ بجتے ہیں۔ [2] مولانا محمد صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ۔ حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب دامت برکاتہم۔

مدینہ منورہ پہونچا۔ اس وقت سے سلسلہ تعلیم بڑے پیمانہ پر جاری ہوا۔
(ماخوذ از مسودہ سوانح خود نوشت)

پابندی اصول لیکن زمانہ تدریس میں خودداری کا یہ عالم تھا کہ تمام خانگی پریشانیوں کے باوجود ٹیوشن کی صورت کو کبھی بھی گوارا نہیں کیا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا (جو آجکل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے مدیر ہیں) بیان ہے کہ ان کے والد ماجد نے

ے آپ کا آبائی وطن دیوبند ہے آپ عثمانی شیخ ہیں۔ آپ کے والد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب برطانوی فوج میں ڈاکٹر ہو کر افریقہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے بتقاضائے غیرت اسلام و بشوق زیارت دربار حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) فوج کی ملازمت چھوڑ کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ترکی فوج میں ڈاکٹر ہو گئے۔ اور ساری زندگی رفاہیت اور خوش حالی سے بسر کی۔ مولانا عبدالحق صاحب مدنی کی ولادت مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ وہیں آپ نے تعلیم پائی اور تعلیمی خدمات میں مصروف رہے۔ شعر و سخن کا خاص ذوق ہے۔ حجاز مقدس کے بلند پایہ شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۳۳۲ھ کی جنگ جرمنی کے زمانہ میں جب عربوں نے ترکوں سے بغاوت کی تو آپ ترکوں کی پناہ میں رہے۔ ترکی حکومت کے خاتمہ پر بے پناہ مصائب برداشت کئے جن کے تذکرہ سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں آپ ہندوستان تشریف لے آئے۔ ابتدا میں چند سال کراچی میں قیام فرمایا مدرسہ عربیہ واقع محلہ کھڈہ میں درس حدیث و تفسیر کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ کو مسلمانان مراد آباد نے مراد آباد طلب کر لیا تقریباً ۲۳ سے

(جو مدینہ طیبہ کے کامیاب ڈاکٹر اور ترکی فوج میں فوجی ڈاکٹر تھے) حد درجہ اصرار کیا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی مولانا عبدالحق صاحب کو بطور ٹیوشن تعلیم دیں لیکن عین اس زمانہ میں کہ جب فاقہ کی یہ حالت تھی کہ گھر کے تیرہ آدمی تین پاؤ مسورکے پانی پر قناعت کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے ٹیوشن گوارا نہیں فرمایا۔ البتہ اس کے لئے آمادہ تھے کہ بلا کسی معاوضہ حسبتہً للہ جیسا کہ حرم اطہر میں اور طلبہ کو درس دیتے ہیں۔ مولانا عبدالحق صاحب مدنی کو بھی درس دیتے رہیں۔ طرفین سے یہ اصرار عجیب تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے آپ مراد آباد میں قیام فرما ہیں۔ ۳۲ء سے آپ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا اعزازی صدر مہتمم بنا دیا گیا۔ آپ کی توجہات سے مدرسہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ آپ روزانہ نماز صبح کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ بیان فرماتے ہیں۔ جس میں شہر مراد آباد کے تقریباً تمام محلوں کے مسلمان سیکڑوں کی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ رمضان شریف میں سینکڑوں مسلمان اپنے اپنے محلوں سے آکر آپ کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں۔ زہد۔ تقویٰ اور شب بیداری میں آپ نمایاں شان کے مالک ہیں۔ رسوم قبیحہ کے سخت مخالف ہیں۔ صاف گوئی آپ کا مخصوص شیوہ ہے۔ بارک اللہ فی علمہ وعملہ۔

۵۳ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ اس گھرانے پر چند ماہ متواتر اس حالت میں گذرے کہ ایک وقت میں تھوڑی سی مسور میسر آتی تھی جس کو پکا کر گھر کے سب آدمی تھوڑی تھوڑی پی لیتے تھے۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔

اور اسی میں تقریباً ۶ ماہ گذر گئے۔ آخرکار ڈاکٹر صاحب نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی خود داری اور پابندی اصول کے سامنے سپر ڈالدیا۔ چنانچہ حضرت مدظلہ العالی نے مولانا عبدالحق صاحب کو حسبۃً للہ بلا کسی معاوضہ ابتدائی کتابیں شروع کرائیں۔ لطف یہ ہے کہ باوجودیکہ ڈاکٹر صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے والد ماجد کے تعلقات بہت زیادہ وسیع تھے۔ مگر اندرونی فاقہ اور خانگی پریشانی کی خبر ڈاکٹر صاحب کو بھی اسوقت ہوئی جب کہ وہ دور ابتلا، فراخی اور خوش حالی سے بدل چکا تھا۔

نوجوان علماء کے لئے یہ حقیقت درس آموز ہے کہ حضرت مدظلہ العالی کی عمر مبارک ہنوز تقریباً پچیس سال ہے۔ یعنی خاص دور شباب و نشاط ہے جس میں یہ اصول کی پابندی۔ یہ خود داری۔ یہ صبر و شکر۔ یہ زہد و تقویٰ۔ اور مجاہدات و ریاضات کی یہ شان ہے۔

سنہ ۱۳۲۰ھ میں جب مدینہ طیبہ دوبارہ تشریف لے گئے اور سلسلہ درس نے وسعت اختیار کی تو حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ کی چودہ پندرہ کتابوں کا درس دیتے تھے۔ یہ سلسلہ درس تہجد کے بعد سے شروع ہوکر نماز عشا تک جاری رہتا تھا۔

تعمیر مکان میں سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اتباع

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ جب یہ خاندان مدینہ طیبہ پہونچا تو ایک مدنی صاحب نے ایک مکان رہائش کے لئے دیدیا تھا لیکن جب مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کا ارادہ ہوا تو شہر سے باہر ایک قطعہ زمین لے لیا گیا۔ عورتوں

بچوں اور مردوں نے ملکر اپنے ہاتھ سے اینٹیں پاتھیں اور چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تعمیر کی گئیں جن کی چھت اتنی نیچی تھی کہ چارپائی پر کھڑے ہونے سے سر میں لگتی تھی۔ اس طرح رہائش کے سلسلہ میں بھی سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر عمل کی سعادت میسر آئی

این سعادت بزور بازو نیست ؛ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ اس ابتلاء کے بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی اور آپ کے بھائیوں نے ایک عالی شان مکان مدینہ طیبہ میں حرم اقدس کے قریب تعمیر کرایا۔

اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے کچھ حالات تذکرۃ الرشید جلد دوم۔ مصنفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ؒ کے الفاظ میں پیش کردیں۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریک جمعیۃ علماء کے شدید مخالف تھے اس بنا پر آپ کی شہادت بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں

حضرت مولانا الحاج المولوی حسین احمد صاحب مدنی مدت فیوضہ نے ۱۳۱۶ھ میں حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب سے بیعت ہوکر والد اور برادران کے ہمراہ جد امجد کے بلدہ طیبہ (مدینہ منورہ) میں اقامت اختیار کی۔ مکہ معظمہ پہنچکر حسب اجازت امام ربانی قدس سرہٗ۔ اعلیحضرت حاجی صاحب سے رجوع کیا اور اذکار تعلیم فرمودہ قطب العالم پر بھی بہمت تمام کاربند رہے اس زمانہ میں جو کچھ واردات عجیبہ وکیفیات غریبہ ظاہر ہوئیں

ان کی اطلاع گنگوہ میں آستانِ علیہ پر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳۱۵ھ
میں حضرت کا والانامہ پہنچا کہ چند روز کے واسطے گنگوہ آکر مجھ سے مل جاتے
تو بہتر ہوتا۔ اس فرمانِ والاشان پر مطلوب بن کر باوجود تنگدستی و بے سروسامانی
کے مراجعت ہندوستان کا تہیہ کرلیا۔ باپ کا باقتضائے محبت جی چاہا کہ بھائیوں
میں سے کوئی ایک رفیق سفر ہوتا تو اچھا تھا۔ چھوٹے[۱] بھائی مولوی سید احمد صاحب
جوان کے دو چار مہینے آگے پیچھے سلسلہ خدام میں داخل ہوئے تھے۔ غلبہ
شوق کے سبب فرضی ضروریات ذاتی و خانگی قائم کر کے باپ سے ہمراہی
برادر کی اجازت بھی لے چکے تھے۔ مگر قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا۔ بڑے
بھائی مولانا محمد صدیق صاحب در پردہ خفیہ انتظام کر کے چھپکر چند روز پہلے
روانہ بھی ہولئے۔ جس کی اطلاع بارہ گھنٹے بعد قریب مغرب ہوئی۔ مجبوراً
مولانا سید احمد صاحب کو ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ اور مولانا حسین احمد صاحب تنہا
روانہ ہوئے۔ جدہ میں دونوں بھائی مل گئے۔ اور حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر
گنگوہ پہنچے۔ چند روز گذرے تھے کہ امام ربانی نے ایک ایک جوڑا
یعنی ملبوس کرتہ اور پائجامہ دونوں بھائیوں کو عطا فرمایا۔ چونکہ اس میں ٹوپی
یا عمامہ نہ تھا۔ اس لئے دونوں میں سے کسی صاحب نے دبی زبان سے
عرض کیا کہ ارشاد ہو تو ہم خدام اپنا اپنا عمامہ حاضر کریں۔ اپنے دستِ مبارک
سے عطا فرما دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت نے سکوت فرمایا اور بمقتضائے ادب
دونوں بھائی عطیہ قطب العالم کو سر آنکھوں پر رکھکر شکریہ ادا کرتے ہوئے

---

[۱] چھوٹا بھائی لکھنا مسامحت ہے۔ مولانا سید احمد صاحب حضرت سے ۲ سال بڑے تھے۔ رحمہ اللہ

اُٹھ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد دونوں صاحب بُلائے گئے۔ اور حکم ہوا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ۔ اور جب دونوں صاحبوں نے اپنے عمامے حاضر کئے تو حضرت امام ربانی نے اپنے دستِ مبارک سے دونوں کے سروں پر باندھ کر ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے۔

مولانا محمد صدیق صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "دستار فضیلت" ارشاد ہوا "دستار خلافت" امام ربانی قدس سرہٗ کی قولی و فعلی خلافت کے مجموعہ کے مثال میں آپ کے خلفائے کے اندر صرف یہی دو حضرات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جن کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ اسی سے ظاہر ہیں کہ مدنی مہاجر اور بطحائی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔

مولانا حسین احمد صاحب کا درس بحمد اللہ حرم نبوی میں بہت عروج پر ہے اور عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علما کو کیا معنی یمنی اور شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں۔ ذالک فضل اللہ یوئتیہ من یشاء۔

آپ سر تا پا خلق۔ مہمان نواز۔ غیور۔ باحیا اور بعض ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں جن پر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ ص ۱۵۱ و ص ۱۵۹ تذکرۃ الرشید

مختصر یہ کہ زائد سے زائد ۲۲ سال کی عمر ہے کہ چشمہ رشد و ہدایت خود سے ساقی کو بلا کر خلافت صادقہ کا خلعت عنایت فرما دیتا ہے۔ زہے قسمت۔

اس سفر سے واپسی کے بعد ۱۳۲۶ھ تک مسلسل جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام رہا۔ حرم پاک میں حلقہ درس روز افزوں ترقی کر رہا تھا

اور آپ صحاح ستہ اور تفسیر و فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کے تقریباً
۱۴۔ ۱۵ ابسق روزانہ پڑھاتے تھے۔ نماز صبح کے بعد سے سلسلہ درس
شروع ہوکر عشا تک رہتا۔

آپ کی شہرت عرب سے تجاوز کرکے دیگر ممالک تک پہنچ چکی تھی
اور شیخ الحرم کے خطاب سے آپ معروف ہو گئے تھے۔

سنہ ۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے جمعیۃ الانصار
موتمر الانصار اور دارالعلوم کا جلسہ دستاربندی آپ کی جد و جہد کے
رہین منت تھے۔

تین سال بعد آپ دوبارہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اگلے سال
یعنی سنہ ۱۳۳۰ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے اور چند ماہ قیام
فرماکر واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اس موقع پر یہ تنبیہ کردینی مناسب
ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ انقلاب کی تجاویز ہندوستان میں شد و مد
سے جاری ہیں۔ اور جنگ یورپ کا آغاز ہو رہا ہے۔

سنہ ۱۳۳۳ھ میں سیدنا حضرت شیخ الہندؒ بھی ہندوستان سے حجاز تشریف
لے گئے۔ فراغت حج کے بعد سنہ ۱۳۳۴ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسی سال
جمال پاشا[۱]، انور پاشا مرحوم دربار رسالت میں (مدینہ طیبہ) حاضر ہوئے۔

---

[۱] حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے علماء بنگال کانفرنس منعقدہ
۹، ۱۰، ۱۱ فروری سنہ ۱۹۴۶ھ بمقام کملا سوا گنج میں ارشاد فرمایا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں جنگ طرابلس
بلقان شروع ہوئی تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند
(بقیہ صفحہ آئندہ)

کچھ عرصہ بعد "شریف حسین" نے ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز جو ہندوستانی سی۔ آئی۔ ڈی۔ اور ہندوستانی پولیس کی دوادوش سے بچکر حرم اطہر مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے تھے۔ اب برطانیہ کے نئے وفادار اور ترکوں کے "باغی نمکخوار" کے قبضہ میں تھے۔ بہانہ کے لئے ترکوں کے فسق وکفر کا فتویٰ بھی سامنے آگیا تھا۔ جو شریف کے ایماء سے شریف پرست علماء نے مرتب کیا تھا۔ اور حضرت شیخ الہند رحمہ نے اس کو حقارت اور نفرت کے ساتھ مسترد فرما دیا تھا۔

جنرل میکموہن اور کرنل لارنس کے افسوں سے فریب خوردہ شریف حسین کب برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے جدید ولی نعمت (برطانیہ) کا باغی برطانوی ایجنٹوں کے حوالہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ شب یک شنبہ کو شریف حسین نے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے مختلف جماعتوں کو از قبائل سرحد میں متفق کیا۔ حضرت حاجی ترنگ زئی مرحوم۔ مولانا لطف الرحمٰن صاحب۔ مولانا فضل ربی۔ مولانا فضل محمود مولانا محمد میاں مرحوم عرف مولوی محمد منصور انصاری۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی اور دیگر حضرات سے اس میں بہت کچھ کام لیا۔ اور اسی بنا پر خود ترکی کے سپہ سالار ووزیر اعظم "انور پاشا" مرحوم اور "جمال پاشا" مرحوم وغیرہ سے ملے اور بہت کچھ کام انجام دیئے مگر شریف حسین کی بغاوت اور اس کی نالائقی سے اسیر ہو گئے اور مالٹا میں ساڑھے چار برس مقید رہے۔

مولانا عزیر گل صاحب دام فیوضہم ۔ مولانا حکیم نصرت حسین صاحب کوڑوی رحمۃ اللہ اور مولانا وحید احمد صاحب رحمۃ اللہ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اس وقت شریف کی رعایا تھے۔ ان پر حکومت برطانیہ کی طرف سے کوئی الزام بھی نہ تھا۔ حجاز میں آپ کے تعلقات بھی بہت وسیع تھے اور خود اس نوزائیدہ نیم آزاد شریفی حکومت کے ارکان حضرت موصوف کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ باوجودیکہ دیگر انگریزوں کو برا کہنے کے جرم میں شریفی حکومت نے آپ کو حضرت شیخ الہند کی گرفتاری سے پہلے ہی ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ (روز دوشنبہ) کو گرفتار کر لیا تھا۔ مگر مگر پھر بھی ہمدردی کے نمائشی دعویداروں نے آپ کی رہائی کی جدوجہد کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ لیکن وہ حسین احمد جو ملوکانہ ظلم و استبداد کے شہید اعظم (حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما) کا سچا وارث۔ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کا سچا جانشین ہونے والا تھا۔ اس کی صداقت مآب۔ حق پرست فطرت ان بزدلانہ ہمدردیوں اور ان ذلت آمیز پیشکشوں کو کب نظر میں لاسکتی تھی۔ البتہ آپ نے ان تمام ہمدردیوں اور تعلقات کے مظاہروں سے صرف اپنی ایک تمنا کو پورا کرنا چاہا۔

وہ تمنا کیا تھی؟ —— امتحان و ابتلاء کے اس نازک ترین دور میں۔ حضرت شیخ الہند رح کی رفاقت ۔ اور غربت و پیرانہ سالی کی اس صبر آزما منزل میں راحت رسانی کی انتہائی جدوجہد —— آپ اس آرزو میں کامیاب ہوئے۔ مدبرین حکومت شریفی نے خیال کیا

افعی کشتن و بچہ افعی نگاہ داشتن کار دانشمنداں نیست۔

بہتر صورت یہی تھی کہ اس متاعِ گرانمایہ کو — آستانہ انگریزی کی نذر کردیا جاتا۔ چنانچہ ارکان دولت زوال مدار۔ "حکومت شریفی" نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب کو بھی جدہ پہنچادیا۔ اور برطانوی دوستی کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے راستہ صاف کرلیا۔

والد ماجد اور برادران محترم کو ہندوستان یعنی غنیم کے ملک کے باشندہ ہونے کے جرم میں۔ نیز کچھ غلط رپورٹوں کی بنا پر حکومت ترکی ایڈریانوپل میں نظر بند کرچکی تھی۔ حضرت والد ماجد۔ اور برادر بزرگ مولانا محمد صدیق صاحبؒ اسی زمانہ حراست میں وفات پاگئے۔

بقول حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی والد ماجد کو دیارِ حبیب (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مفارقت کا وہ روح فرسا اور جانکاہ صدمہ ہوا جس کو وہ برداشت نہ کرسکے۔

اہلیہ محترمہ اور لختِ جگر جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے انقلابی مصائب اور امراض وغیرہ میں مبتلا ہوکر واصل بحق ہوئے[۱]۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اسارتِ مالٹا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اور ان کے رفقاء کو جدہ میں ایک ماہ قیام کرنا پڑا۔ کیونکہ "کرنل ولسن"۔ جو انچارج افسر تھا۔ کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جب وہ واپس ہوا تو حکم ہوا کہ ان حضرات کو "مصر" روانہ کردیا جائے۔ چنانچہ ۱۸ ربیع الاول

---

[۱] موازنۂ مذہب و قانون عرف روئداد مقدمہ کراچی۔

۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو خدیوی آگبوٹ پر سوار کرا کر ان حضرات کو مصر روانہ کر دیا گیا۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء کو یہ آگبوٹ سویز پہونچا۔ وہاں تقریباً دو ڈیڑھ درجن گوروں کی مسلح گارد کی حراست میں ان حضرات کو قاہرہ تک پہونچا دیا گیا۔ اور وہاں سے "جیزہ" جو قاہرہ کے مقابل دریا "نیل" کے دوسرے کنارہ پر واقع ہے۔ پہونچایا گیا۔ جہاں سیاسی قیدیوں کا جیل خانہ بنایا گیا تھا۔ اس جیل خانہ میں تقریباً دو سو سیاسی قیدی مختلف ممالک کے اور بھی تھے۔ جن میں زیادہ تر مسلمان تھے

اگلے روز ان سب حضرات کو شہر میں لے گئے۔ جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا اور وہاں ان حضرات سے بیانات لینے شروع کئے گئے۔ پہلے روز حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے بیان لیا گیا۔ (ہم اس بیان کو تفصیل کے ساتھ علماء حق حصہ اول میں ذکر کر چکے ہیں۔)

دوسرے روز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی سے بیان لیا گیا۔ جس کا سلسلہ دو روز تک جاری رہا۔ پھر باقی رفقاء حضرت مولانا عزیر گل صاحب۔ مولانا حکیم نصرت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا وحید احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہا سے بیانات سنے گئے۔

بیانات کے بعد ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کال کوٹھریوں میں بند کیا جاتا رہا۔

یہ کوٹھریاں تنگ اور تاریک تھیں۔ روشنی کے لئے پشت کی دیوار میں چھت کے قریب ایک روشندان تھا۔ کیواڑ لکڑی کے تھے مگر انہیں

کوئی دراز تھی نہ سوراخ[۱]۔ پاخانہ پیشاب کے لئے ایک ایک بالٹی اور صراحی
رکھدی جاتی تھی ایک گھنٹہ کے لئے ان کوٹھریوں میں سے باہر نکالکر صحن میں
ٹہلایا جاتا تھا۔ مگر یکے بعد دیگرے۔ چنانچہ ایک ہفتہ تک آپس میں ایک کو
دوسرے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ٹہلانے کا وقت ایک ہی
کردیا گیا جس کے باعث آپس میں ملاقات کر سکتے۔ اس عرصہ میں ہر
ایک کو یقین تھا کہ پھانسی کا حکم ہوگا۔ (کیونکہ ہندوستان میں پھانسی کے
ملزمین ہی کو اس طرح رکھا جاتا ہے) مگر بظاہر ثبوت فراہم نہ ہوسکا۔ لہذا پھانسی
سے نجات ملی۔ اور مالٹا جانیکا حکم ہوا۔ چنانچہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق
۱۵ فروری ۱۹۱۶ء کو مالٹا روانہ کردیا گیا۔ جو سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا۔
اور جہاں صرف ایسے فوجی افسروں یا سیاسی اسیروں کو بھیجا جاتا تھا جو بہت
خطرناک اور اپنے خیالات پر نہایت سخت اور پختہ ہوتے تھے۔ اور کسی قسم
کی طمع ان پر اثر نہ کرسکتی تھی۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ - ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو یہ حضرات مالٹا پہونچے
شام کے وقت ان کو اس لئے اتارا گیا کہ شہر والے دیکھیں اور خوش ہوں۔

---

[۱] ہندوستان کی کال کوٹھریوں میں پشت کی جانب قد آدم جنگلا رہتا ہے۔ اور سامنے کی جانب
لکڑی یا لوہے کی چادر کا کواڑ ہوتا ہو اُس میں اوپر کی جانب ایک روپیہ کی گولائی سے کچھ زائد سوراخ ہوتا
ہے۔ سنہ ۱۹۳۵ء تک یہ قاعدہ تھا کہ جب جیلر یا سپرنٹنڈنٹ جیل گشت کرتے ہوئے ان کوٹھریوں
کی طرف آتے تھے تو قیدی کا فرض ہوتا تھا کہ وہ اندر کی جانب سے اس سوراخ
میں کو اپنی انگلی باہر نکالکر کھڑا ہو جائے جیلر یا سپرنٹنڈنٹ کو اندر نہ جھانکنا
پڑے ۱۲

کیونکہ وہ سب لوگ عیسائی تھے۔ اگرچہ ان میں سے زیادہ تر وہ تھے جنکے آباؤ اجداد پہلے مسلمان تھے۔ جبکہ مالٹا مسلمانوں کے زیرنگیں تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سفرنامہ اسیر مالٹا۔ اور علماء حق حصہ اول)

اسارت گاہ مالٹا میں تقریباً تین ہزار قیدی تھے جن میں تقریباً نصف جرمنی تھے۔ باقی آسٹرین۔ بلغاری۔ ٹرکی۔ مصری۔ شامی وغیرہ۔ چونکہ اس مجمع میں ہر قسم۔ ہر لیاقت اور مختلف ملکوں کے باشندے مختلف زبانوں کے بولنے والے جمع تھے اور ہر علم اور ہر زبان کی کتابیں یا تو وہاں مل جاتی تھیں ورنہ دیگر ممالک سے منگائی جاتی تھیں اس لئے یہ اسارت گاہ ایک حیثیت سے اچھا خاصہ دارالعلوم بن گیا تھا۔ خصوصاً سیاسی امور۔ تاریخی حالات اور بالخصوص سیاسات حاضرہ کے لئے تو گویا یہ جیل خانہ ایک بے نظیر کالج تھا۔ جس میں نہ صرف فکری سیاست کے جاننے والے جمع تھے بلکہ عملی سیاست کے اعلیٰ ماہرین بھی موجود تھے۔

تمام اہل ذوق۔ ترقی پذیر حضرات نے اپنے لئے پروگرام مقرر کر لئے تھے۔ اور اپنے وقت کو بیکار ضائع کرنے کے بجائے استعداد بڑھانے میں صرف کرتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے حفظ قرآن کی دولت اسی اسارت گاہ سے حاصل کی۔ آپ کی غیر محدود معلومات کا ذخیرہ بھی اسی اسارت گاہ کا اندوختہ ہے۔

رہائی | بالآخر ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد

صاحب - اپنے شیخ محترم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اور باقی رفقاء کے ساتھ مالٹا سے رہا کئے گئے - یہ زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان میں تحریک خلافت اور تحریک استخلاص وطن شروع ہو چکی تھی - اور وہ آتش جاں سوز جوان حضرات کے مغز استخوان کو عرصہ سے مبتلاء تپش کئے ہوئے تھی اب اس کی حرارت بیشمار ہندوستانیوں کے دلوں میں پہنچ چکی تھی -

لہذا جذبۂ استخلاص وطن - اور جوش حمایت خلافت آپ کو اپنے شیخ محترم کی ہمرکابی میں ہندوستان لے آیا -

اس جنگ کے نتیجہ نے جرمنی سے زیادہ دولت عثمانیہ اور مسلمانوں کو نقصان پہونچایا تھا - ترکی حکومت جو جنگ سے پہلے دنیا کی دول عظمیٰ میں شمار ہوتی تھی - اب اس کا خاتمہ کر دیا گیا تھا - اس کے ممالک محروسہ پر عمل جراحی کر کے ہر ایک حصہ بدن کو یورپ کے کفن فروشوں نے آپس میں بانٹ لیا تھا - حجاز - عراق - شرق اردن کے علیحدہ علیحدہ پاکستان بنا کر برطانوی تولیت میں دے دیئے گئے تھے -

شام فرانس کے حوالہ ہوا تھا - فلسطین کو وطن الیہود قرار دیا گیا - یورپ سے ترکوں کا اخراج پہلے ہی ہو چکا تھا - رہے سہے حصے بھی اب چھین لئے گئے تھے -

حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے نزدیک ملت اسلامیہ کی بدبختی اور مصیبت کے اس سیاہ ورق کو الٹنے کے لئے مدینہ طیبہ جانا مفید نہ تھا ضرورت یہ تھی کہ اس پنجۂ فولادی اور دست ستمگر کو موڑ دیا جائے - جس کی

انگلیوں میں ظلم وستم کی تمام شتریوں کی باگ تھی۔ اور جس کے بٹن دبانے سے یہ تمام بجلیاں مسلم اقوام کے خرمنوں پر گری تھیں۔

اس ہلاکت انگیز ہاتھ کی کلائی ہندوستان تھا۔ لہذا صحیح راستہ یہی ہوسکتا تھا کہ اس کلائی پر ضرب لگائی جائے اور اس بازو کو ہمیشہ کے لئے مفلوج کر دیا جائے۔ چنانچہ آزادئ ہند آپ کے نزدیک ملت اسلامیہ اسلامی ممالک اور اسلامی اقوام کی رہائی اور گلوخلاصی کا واحد ذریعہ تھا۔ اسی بنا پر جدہ کے بجائے آپ نے بمبئی کا رُخ کیا۔ اور دہلی پہونچنے سے پہلے ہی تحریک استخلاص وطن اور تحریک حریت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہُ العزیز مالٹا سے رہا ہوئے۔ تو مرض ساتھ لائے۔ مالٹا چھوٹ گیا مگر مرض نہ چھوٹا۔ حتےٰ کہ رفتہ رفتہ تپ دق کی شکل اختیار کر گیا اور رہائی سے صرف پانچ ماہ بعد آپ نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ الہند رح کی وفات کے بعد دنیا نے آپ کو (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کو) حضرت شیخ الہند رح کا جانشین سمجھا۔ آپ نے اگرچہ کبھی بھی اس لفظ کو یا اس قسم کے کسی اعزازی خطاب کو پسند نہیں کیا حتےٰ کہ اگر آپ کے سامنے اس قسم کا خطاب زبان سے نکل بھی جاتا ہے تو فوراً عتاب ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مفاد ملت کے لئے آپ کی انتھک جدوجہد خلوص۔ ایثار۔ صداقت۔ حق پرستی۔ فراخ حوصلگی اور بلند ہمتی نے ہر اُس شخص کی نظر میں آپ کو حضرت شیخ الہند رح کا صحیح جانشین قرار دیا جو آپ سے قریب کا تعارف رکھتا ہے۔

اطاعت شعاری کی ایک مثال اس نازک وقت میں کہ تپ دق نے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کو زندگی سے بہت دور اور وفات سے بہت قریب کر دیا تھا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے لئے خدمت شیخ سے جدا ہونا حد درجہ شاق تھا۔ جس ذات ستودہ صفات کی خدمت کے لئے تمام احباب اور اقارب کو چھوڑ کر مصر اور مالٹا کی چار سالہ اسارت برداشت کی۔ زندگی کے آخری لمحات میں اس سے جدائی۔ دردانگیز سانحہ ہے۔

لیکن اسی زمانہ میں حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے کلکتہ میں ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی خواہش یہ تھی کہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ خود اس کی صدارت منظور فرمائیں۔ چونکہ زمانہ کے مقتضیات کے بموجب۔ ملت مقاصد کے پیش نظر اس دارالعلوم کو قائم کیا جا رہا تھا۔ لہذا حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اس کی اہمیت کو محسوس فرمایا۔ مگر علالت کے باعث خود تشریف لیجانے اور خدمت کرنے سے معذور رہے۔ لہذا اپنی جگہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کو اس کی صدارت کے لئے منتخب فرمایا۔

معلوم ہوا ہے کہ بعض دوسرے نامور حضرات کو (جو حضرت شیخ الہند کی شاگردی اور آپ سے خصوصی تعلق پر فخر کیا کرتے تھے) حضرت شیخ رح نے اس خدمت کے لئے مامور فرمانا چاہا۔ مگران حضرات نے معذرت کردی۔ سب سے بڑا عذر یہی پیش کیا کہ وہ اس حالت میں حضرت شیخ سے جدائی پسند نہیں کرتے حالانکہ اسارت مالٹا کے طویل زمانہ میں اس مفارقت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر چکے تھے۔ بلکہ بعض تو وہ تھے کہ انھوں نے ذلت آمیز جد و جہد کر کے خطرہ

رفاقت سے جان بچائی تھی۔

بہر حال حضرت شیخ الہند رح نے اسی ایثار شیوہ مخلص کو جو شرف رفاقت حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرچکا تھا۔ اس موقع پر بھی ایثار اور قربانی کے لئے منتخب فرمایا۔ چنانچہ اس مخلص فدا کار نے تعمیل حکم کے لئے خود کو پیش کر دیا۔ اور کلکتہ روانہ ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یا تو عام مدعیان ارادت وعقیدت اس نکتہ سے واقف ہی نہیں ہوتے یا واقف ہونے کے باوجود تجاہل اختیار کرتے ہیں کہ حاشیہ نشینی اور حاضر باشی کا نام ارادت اور محبت نہیں۔ ارادت و محبت کا معیار ہے اطاعت۔ محبوب کی رضا جوئی اور مرضی محبوب کے سامنے تسلیم و رضا۔

بہر حال حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا یہ سبق آموز ایثار تھا کہ حکم شیخ کی تعمیل کے لئے آخری لمحات میں خدمت شیخ کی تمنا کو قربان کردیا۔ چنانچہ روانگی کلکتہ سے دو تین روز بعد ہی حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز نے "الرفیق الاعلیٰ" کی رفاقت کے لئے "عالم اسفل" کو الوداع کہا۔ جس وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب کلکتہ روانہ ہونے کے لئے حضرت شیخ سے رخصت ہو رہے تھے تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نقاہت کے باعث اُٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ آپ نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا ہاتھ پکڑا۔ اپنے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا سینے سے چمٹایا اور تمام بدن پر اس کو پھیرا۔ اس وقت ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ واقفین رموز طریقت کا قیاس ہے کہ یہ عطار فیوض روحانی کی خاص صورت تھی۔

تحریک ترک موالات - مقدمہ کراچی - اور دو سالہ اسارت - ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء[1] کی تحریک کا بنیادی پروگرام . مقاطعہ اور ترک موالات تھا یعنی ان تمام تعلقات اور معاملات کو برطرف کر دینا جن میں ۔

(ا) . برطانیہ کو امداد دی جا رہی ہو۔

(ب) برطانیہ سے امداد لی جا رہی ہو۔

(ج) نیز ان روابط و تعلقات سے کنارہ کش ہو جانا . جو محبت اور مودت کی علامت اور شعار سمجھے جاتے ہیں ۔

(د) یا جن کے باعث معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو ۔

(ہ) یا اسلام کو کوئی نقصان پہونچتا ہو۔

---

[1] مولانا شوکت علی صاحب نے ۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو مجسٹریٹ کراچی کے سامنے بیان دیتے ہوئے فرمایا میں اپنے بڑے سردار مہاتما گاندھی کے ساتھ ایک ناچیز کام کرنے والا ہوں اور مرکزی خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء اور انڈین نیشنل کانگریس اور مہاتما گاندھی کی بتائی ہوئی پالیسی پر چل رہا ہوں ۔ پرامن ترک موالات پر عامل ہوں اور اس کی تبلیغ کرتا ہوں ۔ مہاتما گاندھی کا مذہب ہے کہ ہم کو اپنی جان دینی چاہئے لیکن کسی کی جان نہ لینی چاہئے ۔ بحیثیت ایک مسلمان کے اور قرآن شریف کے صریح حکم کے مطابق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق میرے لئے یہ احکام ہیں کہ سچائی ۔ حق اور خدا کے کام کرنے کے لئے قتل کرنا اور مقتول ہونا یکساں حیثیت سے کار خیر ہیں ۔ ہمارے مذہب اور مہاتما جی کے مذہب میں اختلاف ہے لیکن ہم مسلمان اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ ہماری پالیسی بھی وہی ہو جو مہاتما گاندھی کی ہے چنانچہ ہم سب مشترکہ غیر اشتدادی ترک موالات کے طریقہ پر عمل کر رہے ہیں ۔ جیسا کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اول اول تیرہ برس مکہ معظمہ میں بسر فرمائے تھے ۔ (موازنۂ مذہب و قانون ص ۶۵/۱)

اس تحریک کے سلسلہ میں حضرت مولانا کی قلمی جدوجہد کا شاہکار "رسالہ ترک موالات" ہے۔ جس کو گورنمنٹ آف انڈیا نے ضبط قرار دیا تھا۔

یہ رسالہ اپنی چند خصوصیتوں کے باعث خاص امتیاز رکھتا ہے۔ مثلاً

(۱) اس رسالہ میں ترک موالات کی اہمیت و فرضیت کو فریق مخالف کے مقتدا حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے ارشادات سے ثابت کیا گیا ہے

(۲) اس رسالہ میں اُن علمار متقدمین کے فتاوے نقل کردیئے گئے ہیں جن کے علمی تبحر۔ تقدس۔ اور عظمت وجلالت شان کے سامنے تمام علمار سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ مثلاً اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کا ایک فتوے نقل فرمایا گیا ہے۔ جس میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ غیر مسلموں کی ملازمت کن حالات میں جائز ہے اور کن حالات میں اس کو ترک کرنا واجب اور فرض ہے اور باقی رکھنا حرام ہے۔

دوسرا فتوے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جس کے ساتھ مولانا احمد سعید[1] صاحب کے نام ایک خط بھی ہے اسکے متعلق حضرت مولانا حسین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

یہ خط مولانا قدس اللہ سرہ العزیز نے زمانہ جنگ روم و روس میں تحریر فرمایا تھا۔ اور فرنگی محل لکھنؤ میں بعینہ برائے کاغذات کے دفاتر میں

---

[1] حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند و موجودہ نائب صدر مرکزیہ جمعیۃ علمار ہند اس خط کے مکتوب الیہ نہیں۔ یہ مولانا احمد سعید صاحب دوسرے ہیں۔ ۱۲ محمد میاں

محفوظ تھا۔ حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جبکہ اواخر ماہ شوال ۱۳۳۸ھ میں لکھنؤ تشریف لے گئے۔ تو ان کے سامنے حضرت مولانا عبدالباری صاحب (فرنگی محل) دام مجدہم نے پیش کیا مولانا مرحوم دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ خط حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ہے۔ رسم خط۔ طرز تحریر مضمون وغیرہ ایسے تھے کہ کسی دوسرے کی طرف گمان بھی نہیں جا سکتا تھا میں نے خود حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کو سنا کہ فرماتے تھے کہ اس خط کو دیکھنے سے تو پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔ اور اب تو قلب میں کسی قسم کا کوئی خدشہ باقی ہی نہیں رہا۔ مولانا حافظ احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) دام مجدہم نے بھی اس کو دیکھا ہے اور وہ بھی اس کی تصدیق فرماتے ہیں۔ (رسالہ ترک موالات ص۳۵، ص۳۹)

حضرت نانوتوی رح نے اس فتوے میں آیات کتاب اللہ کے شواہد پیش فرماتے ہوئے روس اور روس کے معاونین کی ساتھ اعانت اور موالات کو حرام اور ترکوں کی امداد کو واجب اور فرض قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ترک موالات از ص۳۹ تا ص۴۵)

رسالہ ترک موالات کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انگریزوں کی اسلام دشمنی اور عہد شکنی کو منطقی یا تاریخی دلائل سے پیش کرنے کے بجائے چشم دید تازہ واقعات سے ثابت کیا گیا ہے۔ چونکہ ان مصائب کو خود حضرت شیخ اور آپ کے متعلقین نے برداشت کیا ہے۔ علاوہ ازیں تحریک ترک موالات

کے سلسلہ میں یہ واقعات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان واقعات کو بعینہ حضرت مولانا کے الفاظ میں نقل کردیں۔

دوم نومبر ۱۹۱۴ء کو ذیل کا اعلان شائع کیا گیا اور یہ اعلان ہر ہر شہر اور قصبات بلکہ گاؤں گاؤں میں منتشر کیا گیا۔ ہندوستان ہی نہیں دیگر ممالک اسلامیہ۔ سوڈان و افریقہ وغیرہ میں بھی نشر کیا گیا۔

برطانیہ عظمیٰ اور ٹرکی میں جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے جو دولت عثمانیہ نے قصداً بغیر کسی قسم کی دھمکی دیئے جانے کے غلط مشوروں سے شروع کی ہے ملک معظم کی گورنمنٹ ہزایکسلنسی وائسرائے ہند کو اختیار دیتی ہے کہ وہ عرب کے مقدس مقامات اور عراق کی مقدس زیارت گاہوں اور جدہ کے ساحل کے متعلق ایک عام اعلان کردیں تاکہ ملک معظم کی بہت ہی وفادار ہندوستانی مسلم رعایا کو اس جنگ کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔ کہ مذہبی سوال سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اعلان یہ ہے کہ یہ مقدس مقامات اور جدہ برطانیہ کی بحری اور بری فوج کے حملہ اور دست برد سے بالکل محفوظ رہے گا۔ تاوقتیکہ ہندوستانی حاجی اور زوار کی آمد و رفت میں کوئی دست اندازی نہ کی گئی۔ ملک معظم کی حکومت کے کہنے سے فرانس اور روس کی حکومتوں نے بھی اس قسم کا اطمینان دلایا ہے۔ (۲ نومبر ۱۹۱۴ء)

اب اس کے بعد آپ غور فرمائیں کہ کس طرح نقض عہد اور خلاف وعدہ عمل در آمد ہوا۔

(۱) اعلان جنگ سے کچھ دنوں بعد حجاز کے سواحل میں عربوں کو

ورغلانے کے لئے بارہا ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے اشتہارات پھینکے گئے۔ جنکا حاصل مضمون یہ تھا کہ ترکوں کو نکالدو۔ ہم تمہاری ہر طرح مدد کرینگے برطانیہ مسلمانوں کی بڑی خیر خواہ ہے۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو برطانیہ تمہارے ساتھ ہمدردی نہ کرے گی۔

(۲) غلہ ملک حجاز سے بند کردیا گیا۔ اوائل ماہ صفر ۱۳۳۴ھ میں اخیر جہاز پہونچا اس کے بعد غلہ کی آمد ملک حجاز سے بالکل بند کردی گئی جسکی وجہ سے سخت گرانی ہوگئی۔ اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ اہل ہند کے سخت مطالبہ پر ماہ جمادی الثانیہ میں کلکتہ سے فیروزی آگبوٹ چاول وغیرہ کے چند ہزار بورے لیکر روانہ ہوا۔ اس کو جبراً عدن میں خالی کرادیا گیا۔ اور وہ غلہ جدہ میں اس وقت پہونچایا گیا جبکہ ٹرکی حکومت کا اثر بالکل اُٹھ چکا تھا۔

(۳) اسی زمانہ میں بادبانی جہاز جوکہ بحر احمر میں افریقہ کے سواحل سے غلہ لاکر جدہ، مکہ، اور حجاز کے اہالی کو پہونچاتے تھے اور لوگوں کو بھوک سے مرنے کے محافظ ہوتے تھے۔ انگریزی جنگی جہازوں نے ڈبونا اور لوگوں کو قید کرنا اور غلہ چھیننا شروع کردیا۔ اور اسی طرح بہت سے بادبانی جہاز اہل عرب کے غارت کردیئے گئے۔ جس کی وجہ سے غلہ کی آمد بالکل بند ہوگئی اور لوگ بہت زیادہ پریشان ہوگئے۔

(۴) آٹھویں یا نویں شعبان ۱۳۳۴ھ یوم شنبہ کی شب میں تقریباً دس بجے رات سے خود بخود جدہ کے دائیں اور بائیں اطراف پر جہاں کہ ٹرکی فوج اور اس کی عمارتیں شفاخانے اور عدالتیں وغیرہ تھیں۔ دس یا

بارہ جنگی جہازوں نے گولہ باری شروع کردی۔ اور آٹھ دن تک برابر گولہ باری ہوتی رہی۔

(۵) جدہ پر قبضہ کرنے کے بعد مصری فوجیں جہازوں سے جدہ میں اُتاری گئیں۔ کرنل ولسن۔ ان کا کماندار تھا۔ وہ جدہ میں مقیم رہا۔ اور فوجیں مع ہر قسم کے سامان جنگ کے مکہ معظمہ روانہ کی گئیں۔ اور اس کے حکم پر عمل کرتی رہیں۔

(۶) ان مصری فوجوں سے جبل ابو قبیس پر (جہاں معجزہ شق القمر ہوا ہے) توپیں نصب کرائی گئیں۔ اور قلعہ جیاد پر کئی دن گولہ باری کرائی گئی یہانتک کہ قلعہ کی ایک جانب ٹوٹ گئی۔ اور وہاں کے افسر وغیرہ شہید اور اسیر کرائے گئے۔

(۷) اس کے بعد مکہ معظمہ میں مقبرۂ شہدا میں جہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابۂ کرام اور بزرگوں کی قبریں ہیں توپیں نصب کرائی گئیں۔ اور قشلہ پر جس میں ترکی فوج اور افسر اور عورتیں اور بچے تھے۔ زور شور سے گولہ باری کی گئی۔

(۸) مکہ معظمہ۔ جدہ اور طائف کے جملہ ترکوں۔ اُن کی عورتوں اور بچوں وغیرہ کو خلاف وعدہ وخلاف حکم قرآنی اسیر کیا گیا۔ اور آخیر جنگ تک وہ سب مصر اور مالٹا وغیرہ میں مقید رہے۔

(۹) مکہ معظمہ کے جملہ مقامات خالی کرا لینے کے بعد طائف[۱]

---

[۱] اس زمانہ میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ العزیز طائف میں تھے۔ ۷ر شوال کو حضرت شیخ مع اپنے رفقاء کے

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

پر یہ مصری فوجیں بھیجی گئیں۔ جنھوں نے نصف رمضان ۱۳۳۴ھ سے طائف پر گولہ باری ہر طرف سے شروع کی۔ اور ۲۵ یا ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ تک برابر گولہ باری کرتی رہیں۔ (طائف مقامات مقدسہ میں سے علاوہ اس کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا یا کا محل بھی ہوا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن عباس۔ اور دیگر صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا مدفن بھی ہے۔ جن کی زیارت کی غرض سے لوگ وہاں سفر کر کے جاتے ہیں

(۱۰) سوڈانی مصری۔ برطانوی فوجیں۔ رابغ۔ ینبع۔ البحر۔ میں اتاری گئیں اور مدینہ پر ہجوم رہا

(۱۱) دو برس سے زیادہ مدینہ منورہ محصور کیا گیا۔ راستے بالکل بند کر دئے گئے۔ ریل کی پٹری ڈائنا منٹ کے گولوں کے ذریعہ سے اڑادی گئی۔ غلہ بند کرنے کی وجہ سے اس قدر شدت لوگوں پر ہوئی کہ ہزاروں آدمی بھوک سے مر گئے۔ قبروں سے مردوں کو نکالکر لوگوں نے ان کا گوشت کھایا۔ اور طرح طرح کے ناگفتہ بہ آلام اٹھانے پڑے۔

(حاشیہ بقیہ حشک) طائف سے روانہ ہو کر ۱۰ شوال کو مکہ معظمہ پہونچے (سفر نامہ اسیر مالٹا) آپ فرماتے ہیں۔ رمضان المبارک کا سارا مہینہ اسی خوف و ہراس، اضطراب اور بے چینی میں گذرا۔ خاص عید کے دن بھی انگریزوں اور شریف کی فوجوں نے مہلت نہیں دی۔ مسجد ابن عباس رضی اللہ عنہما جو طائف شریف کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس میں بھی تراویح "الم ترکیف" سے ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی گولیوں کی بوچھار اتنی مہلت بھی نہیں دیتی تھی۔

(سفر نامہ اسیر مالٹا)

(۱۲) کربلا۔ نجف اشرف۔ کاظمین۔ بغداد۔ میں جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس کو ہر فرد بشر جانتا ہے۔ اگر یقین نہ ہو وہاں سے واپس ہونے والے لوگوں سے پوچھو۔

(۱۳) مدینہ منورہ کے اطراف وجوانب پر اور خود مدینہ منورہ پر ہوائی جہاز جس میں انگریز ہوتے تھے اڑتے رہتے۔ اور موقع دیکھ کر گولے برساتے رہتے۔

علاوہ اس کے اور بھی بہت سے وقائع جانکاہ ہیں۔ مگر یہ مختصر احوال ہیں جن کو میں نے یا بچشم خود دیکھا ہے۔ یا متواتر طور پر ان لوگوں سے سنا ہے جنھوں نے خود دیکھا ہے۔ (رسالہ ترک موالات از ص۲۳ تا ص۲۷)

مقدمہ کراچی | تحریک ترک موالات کا اہم واقعہ کراچی کا وہ اہم واقعہ ہے جو زیر دفعہ ۱۲۰ و ۱۳۱ و ۵۰۵ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی۔ مولانا محمد علی صاحب مرحوم۔ مولانا شوکت علی صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو۔ مولانا نثار احمد صاحب کانپوری۔ (مرحوم) اور جگت گرو سوامی کرشن تیر تیہ (شنکر اچاریہ) پیر غلام مجدد صاحب سندھی پر چلایا گیا۔

بنا، مقدمہ وہ تجویز تھی جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے آل انڈیا خلافت کانفرنس (منعقدہ کراچی۔ بتاریخ ۸، ۹، ۱۰ / جولائی سنہ ۱۹۲۱ء) میں پیش فرمائی تھی۔

اس تجویز کا حاصل یہ تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہوتا۔ یا دوسروں کو بھرتی کی ترغیب دینا

حرام ہے اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ یہ بات فوجی مسلمانوں کے ذہن نشین کر دے۔

مولانا محمد علی صاحب اور دوسرے حضرات اس کی تائید یا اشاعت کے الزام میں ماخوذ تھے۔

گرفتاری ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء (یکشنبہ) کو بوقت ۴ بجے شام ایک مسلمان سب انسپکٹر۔ ڈپٹی کلکٹر اور ایک یورپین افسر۔ مسلح پولیس کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے دولت کدہ پر پہونچے جہاں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قیام فرما تھے۔ عبدالعزیز صاحب سب انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی نے ایک وارنٹ زیر دفعہ ۵۰۵ ضمن (ب) حضرت مولانا کو دکھایا۔

وارنٹ کی اطلاع پاتے ہی۔ بازار میں مکمل ہڑتال ہوگئی۔ اور ہزاروں ہندو مسلمان آستانہ شیخ الہند پر پہونچ گئے۔ اور گرفتاری کے خلاف جوش و خروش کا اظہار شروع کر دیا۔ قریب تھا کہ پولیس اور پبلک میں تصادم کی نوبت آجائے۔ مگر حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے پبلک کو صبر و سکون کی تلقین فرمائی اور بمشکل پبلک کے جوش کو فرو کیا۔ مگر یہ اجتماع منتشر ہونے کے لئے اب بھی آمادہ نہ تھا۔ بالآخر یہ طے کیا گیا کہ رات کو مولانا قیام فرماویں اور صبح کو شاندار جلوس کے ساتھ حضرت مولانا کو اسٹیشن پر پہونچا کر گاڑی میں سوار کرا دیا جائیگا۔ پولیس یا افسران متعلقہ اس جلوس میں سامنے نہ آئیں۔ البتہ گاڑی پر سوار کرانے کے بعد اپنی حراست میں لے لیں۔ موجودہ افسران نے اس

مفاہمت کو غنیمت سمجھا اور حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی فرمائش پر قسمیں بھی کھالیں کہ اس پروگرام کی خلاف ورزی نہ کی جائے گی۔ اور رات میں کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ لیکن نصف شب کے بعد جب تمام حضرات مطمئن ہو کر واپس چلے گئے اور صرف چند خدام و احباب مکان پر رہ گئے تو تقریباً ۳ بجے چند یورپین افسر ہندوستانی اور گورکھا فوج کا ایک دستہ لیکر آستانۂ شیخ الہند پر پہونچے اور سب طرف سے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ گرفتاری کے خلاف تصادم یا گرفتاری سے انکار پروگرام کے خلاف تھا۔ لہذا اس وقت جو حضرات موجود تھے انھوں نے پولیس سے مزاحمت نہیں کی۔ اور حضرت مولانا کی ہمراہ اسٹیشن تک آکر حضرت کو اسپیشل میں سوار کرادیا جو اسی مقصد کے لئے دیوبند اسٹیشن پر کھڑا ہوا تھا۔ صبح کو جب گرفتاری کا علم ہوا تو پبلک کی طرف سے سخت مظاہرہ کیا گیا۔ تمام دن مکمل ہڑتال رہی۔ اور جلسہ عام میں اس گرفتاری کے خلاف احتجاج کیا گیا۔

مقدمہ کی کارروائی چونکہ مقدمہ حد درجہ سنگین قرار دیا گیا تھا۔ اور حکومت کو اپنی شوکت و حشمت کا مظاہرہ کرکے پبلک کو مرعوب کرنا بھی مقصود تھا۔ لہذا فوج اور پولیس کا غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا۔ اور کورٹ کی عمارت کے بجائے "خالق دین ہال" مقدمہ کی سماعت کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور اعلان کردیا گیا تھا کہ "پاس" کے بغیر کوئی شخص ہال میں داخل نہ ہوسکیگا۔

۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو صبح سویرے پولیس کے ڈیڑھ سو سپاہی ہال میں داخل ہوگئے۔ ہال کے احاطہ کے گرد خاردار تار لگادئے گئے تھے۔ ہال سے

ملحق بند پر سڑک کے حصہ میں پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ اور سڑک کے دونوں طرف پولیس کے سپاہی ڈنڈے لئے کھڑے ہوئے تھے کہ عوام کو ادھر نہ آنے دیں۔

تقریباً دس بجے ڈھائی سو ہندوستانیوں کے مسلح فوجی دستہ نے گولی بارود کے کافی ذخیرہ کے ساتھ ھال کے عقبی حصہ پر قبضہ کرلیا۔ ٹھیک گیارہ بجے ملزمین کی گاڑی ہال کے احاطہ میں داخل ہوئی۔ مسلح پولیس کی لاریاں گاڑی کے آگے تھیں۔ اس احتیاط کے ساتھ ملزمین کو ہال تک پہونچایا گیا۔

رہنمایان ملت (ملزمین) کی جانب سے کوئی وکیل نہیں کیا گیا تھا۔ سرکار کی جانب سے سندھ کے پبلک پراسیکیوٹر۔ مسٹر الفنسٹن پیروی کے لئے پیش ہوئے آپ نے ملزمان کے خلاف مقدمہ کی کارروائی کا افتتاح کرتے ہوئے بیان کیا کہ ملزمان نے کراچی کانفرنس میں ایک ایسے ریزولیشن کی اشاعت میں حصہ لیا ہے جس سے ملک معظم کی فوج میں بغاوت کا اندیشہ تھا۔ ان ملزمان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اس ریزولیشن کی تائید کی ہے۔

اس تحریک کے محرک مولانا حسین احمد صاحب ہیں جن کے متعلق مزید کسی قسم کا تعارف کرانا چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ آپ نے اس ریزولیشن کو خاص طور پر پُرزور الفاظ میں پیش کیا تھا۔

مولانا محمد علی مرحوم کا بیان سب سے پہلے ۲۸ ستمبر ۲۱ء کو مولانا محمد علی کا بیان ہوا۔ یا بعنوان دیگر آپ نے ایک طویل تقریر فرمائی۔ اس طویل بیان میں ریزولیشن پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ گذشتہ خلافت کانفرنس۔ کراچی میں میں صدر تھا۔ اور یہ کہ وہ ریزولیشن بھی جس سے انگریزی گورنمنٹ کے خلاف بغاوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے پیش ہوا تھا۔ ایسا ہی بلگام ڈسٹرکٹ کانفرنس میں کیا گیا تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے یہ ریزولیشن پڑھ کر سنایا۔ میں نے اس شخص کی تجویز کو پیش کیا جن کو میں اپنا آقا۔ سردار۔ اور بزرگ کہنا اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ وہ مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی ہیں۔ میں نے اس ریزولیشن کو سناتے ہوئے درمیان میں کچھ ریمارک بھی کئے تھے۔ اور میں نے باآواز بلند یہ بھی دریافت کیا تھا کہ کون اس کے موید ہیں اور جو تہ دل سے اس کی تائید کریں وہ استادہ ہو جائیں اور اس کا اقرار کریں[1]۔

اس الزام پر بحث کرتے ہوئے کہ فوج اور پولیس کی ملازمت کی حرمت کے اشتہارات فوجوں میں تقسیم کئے گئے۔ آپ نے فرمایا۔

میں اس وقت تک ان اشتہارات سے بالکل ناواقف تھا جو مسلمانوں کی فوج یا افسروں کے پاس بھیجے گئے تھے۔ مگر مجھ کو نہایت خوشی ہوئی کہ علماء کی جماعت نے ایک عرصہ کی غفلت کے بعد احکام خداوندی کو ہندوستانی فوج میں پہنچانا شروع کر دیا ہے۔ میں اس غلطی کی اصلاح چاہتا ہوں کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ جمعیۃ العلماء ان اشتہارات کو ہندوستانی فوج میں پہنچانے[2] کی

---

[1] موازنۂ قانون و مذہب ص۲۴ [2] جمعیۃ علماء کے ارکان کی طرف سے اس زمانہ میں سول نافرمانی کی یہی صورت اختیار کی تھی کہ اس ضبط شدہ فتوے اور تجویز کو ہزاروں کی تعداد میں خفیہ طور پر طبع کرا کر تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ یہ تجویز اور پانسو علماء کا متفقہ فتوے لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوا اور تقسیم کیا گیا۔ محمد میاں عفی عنہ۔

غضب اس پر ہوگا۔ (۴) اس پر خدا کی لعنت ہو گی۔ (۵) مختلف طریقوں سے اس کو عذاب دیا جائیگا۔

قرآن حکیم میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی مسلمان کو غلطی سے بھی نہ مارنا چاہیئے غلطی سے مارنے والے کے لئے بھی سزا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک لاکھ صحابہ کرام کے اجتماع میں عرفات کے موقع پر تقریر فرما رہے تھے تو آپ نے بہت تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو وصیت فرمائی۔ احتیاط سے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری بعد ایک دوسرے کی گردن مارنی لگو اور کفر کا طریقہ اختیار کرلو۔ دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہی کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو قتل کرے۔ بجز اس کے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہو۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ تمام دنیا کا تباہ و برباد ہو جانا آسان ہے۔ لیکن ایک مسلمان کا دوسرے کو قتل کرنا آسان نہیں۔ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کو گالی دینا بھی فسق ہے۔ قیامت کے دن سات چیزیں مسلمان کو تباہ کرنے والی ہوں گی۔ ان میں سے ایک "قتل مسلم" ہے۔

مذہبی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ قیامت کے اندر سب سے پہلے قتل و خونریزی کے متعلق بازپرس ہوگی۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کا خون اور اسکا مال و متاع کعبہ شریف سے بھی زیادہ واجب الاحترام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ان میں سے ایک ان مسلمانوں کے لئے ہے جو کسی دوسرے مسلمان پر تلوار اُٹھائیں۔

نیز ارشاد ہوا۔ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دھمکی دیتا ہے تو وہ خدا کی دھمکیوں سے محفوظ نہیں رہیگا۔ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کی جائیداد یا ملک پر قبضہ کر لینا حرام ہے۔ مذہبی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بیگناہ مسلمان کو قتل کرنا جرم ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان سے سود کھانے۔ شراب پینے۔ اور مردہ کھانے کو کہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو بادشاہ اسے قتل کر دے گا تو شخص مذکور کو ایسا کرنا چاہیئے۔ ورنہ اگر وہ قتل کر دیا گیا تو وہ گنہگار ہو گا۔ لیکن اگر اُسے الفاظ کفر ادا کرنے کا حکم بادشاہ کی طرف سے دیا جائے تو اس کو تعمیل نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر حکم عدولی پر وہ قتل کر دیا گیا تو گنہگار نہیں ہو گا۔ اور اگر کسی مسلمان کے سامنے یہ صورت ہو کہ اگر اس نے دوسرے مسلمان کو قتل نہ کیا تو وہ خود قتل کر دیا جائیگا۔ تو اس کے لئے خود قتل ہو جانا بہتر ہے بمقابلہ اس کے کسی دوسرے بے گناہ مسلمان کا ہاتھ تک قلم کرے۔ علماء کرام نے فتوے دیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں ملازمت کرنا حرام ہے

(مجسٹریٹ) مجھے فتوے سے کوئی بحث نہیں ہے۔

مولانا محمد علی - آپ کو تو صرف بلاک اسٹون اور کوک کی تفسیروں سے تعلق ہے۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی - یہ امر کہ یہ ریزولیشن کانفرنس میں پاس ہوا تھا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کا پاس کرنا اسی طرح ضروری تھا جس طرح ایک حکیم کے لئے خاص طبی مشورہ دینا۔ جب لائڈ جارج اور چرچل نے اس کا اعلان کر دیا تھا کہ یہ اسلام اور برطانیہ کے مابین جنگ ہے تو اس وقت نہ صرف ضروری بلکہ ہمارا اہم ترین فرض تھا کہ ہم اعلان کر دیں کہ ہر مسلمان کا یہ ضروری فرض

ہے کہ وہ تمام ان طاقتوں کے مقابلہ میں جو اسلام کے خلاف ہیں جنگ کرے ایک مسلمان گورنمنٹ کے ساتھ اسی حد تک وفادار ہو سکتا ہے جہاں تک اس کے مذہب نے اجازت دی ہے۔ اگر گورنمنٹ (ملکہ وکٹوریہ) کے اعلان کی تعمیل کرنا نہیں چاہتی ہے۔ اور اگر مذہبی فرائض و پابندیوں کا لحاظ و احترام نہ کیا گیا تو اس صورت میں کروڑوں مسلمانوں کو اس مسئلہ کا تصفیہ کر لینا چاہئے کہ آیا وہ مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنے کو تیار ہیں۔ یا گورنمنٹ برطانیہ کی رعایا کی حیثیت سے۔ اور ۳۳ کروڑ ہندوؤں کو یہ خیال کر لینا چاہئے کہ آیا وہ مذہبی آدمی کی حیثیت سے رہنا چاہتے ہیں یا گورنمنٹ کی رعایا کی حیثیت سے۔ لیکن اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی کو چھیننے پر تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہوں گے۔ اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا۔

مولانا محمد علی صاحب نے مولانا حسین احمد صاحب کے قدم چوم لئے۔ (موازنہ مذہب و قانون ص۵ تا ص۵۹)

۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی اور ان کے رفقاء سشن سپرد کر دئیے گئے۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو حضرت موصوف اور ان کے رفقاء کا مقدمہ مسٹر کینڈی جوڈیشنل کمشنر سندھ کی عدالت میں خالق دینا ہال کراچی میں شروع ہوا۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ایک بجکر ۲۵ منٹ پر حضرت موصوف نے اپنا بیان دینا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ۱۸۵۸ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان

کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے شاہی اعلان جاری کیا۔ جو تمام اطمینان بخش امیدوں پر مشتمل تھا۔ یہ اعلان ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سنگ بنیاد تھا۔ اس کے آخر میں لکھا ہے حکومت ہندوستانیوں کی فلاح وبہبود کے لئے مصروف عمل ہوگی۔ اپنے مقبوضات کو وسعت نہیں دیگی راجاؤں۔ نوابوں اور عامۃ الناس کے حقوق کے لئے اپنے وعدے پورے کرے گی۔ ہندوستانیوں کے ساتھ باشندگان نوآبادیات جیسا سلوک روا کیا جائے گا۔ باغیوں کو معافی دیدی گئی تھی۔ یہ بھی تسلیم کیا گیا تھا کہ ہندوستانیوں کو مذہبی آزادی دیدی گئی ہے۔

تاریخ اس امر کی مظہر ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ان مذہبی جذبات کے باعث بغاوت رونما ہوئی۔ جو دنیا کے دیگر ممالک میں کالعدم ہیں۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستانی مذہب کے خاطر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے۔ کیونکہ خدا کا یہی ارشاد ہے کہ روحانی مسرت کے سامنے دنیاوی فائدے کی کوئی حقیقت نہیں۔

یہ اعلان صرف ملکہ ہی کی طرف سے نہیں بلکہ ایوان عام اور ایوان خاص کی طرف سے بھی تھا۔ ایڈورڈ ہفتم اور شاہ جارج نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی۔ اس کا وہ حصہ جس میں مذہبی آزادی کا ذکر ہے مظہر ہے کہ ہماری یہ خواہش نہیں کہ ہم اپنی رعایا کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہمارے مذہبی احکام کی پیروی کرے۔ کسی شخص کو اس کے مذہبی فرض کی انجام

دہی سے باز نہیں رکھا جائیگا۔ قانون کی رو سے سب کو مساوی درجہ دیا جائیگا ہم اپنے افسروں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ عوام کی مذہبی آزادی میں مزاحم نہ ہوں ورنہ ہماری ناراضی کا موجب ہوں گے۔ اس کے بعد ہندوستان کو سکون واطمینان حاصل ہوگیا۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ شاہی اعلان ہے اور اسپر عمل کیا جائیگا۔

جو قرارداد میں نے پیش کی ہے وہ قرارداد نہیں بلکہ سب مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے۔ یہ تیرہ سو سال کا معاملہ ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسے احتیاطاً قرارداد کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اور فقرے بھی اس کے ساتھ شامل ہیں۔ میں اپنے مذہب اور ہندو اپنے دہرم کو جانتے ہیں۔ یہ مذہبی معاملہ ہے۔ اس کا فیصلہ کرنا لارڈ ریڈنگ کا کام نہیں بلکہ علماء کا کام ہے۔ دو جز ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ مذہبی اصول ہیں۔

(۱) قرارداد کے الفاظ۔ (۲) نفس مضمون۔

الفاظ میں کہا گیا ہے کہ پولیس کی ملازمت کرنا حرام ہے۔ حرام ایک مذہبی لفظ ہے۔ ایسے سات[۱] الفاظ ہیں۔ حرام اسے کہتے ہیں جس سے شریعت صاف طور پر منع کرے۔ حرام وہ فعل ہے جس کے ارتکاب پر قہر الٰہی نازل ہوتا ہے۔ زنا مذہب کی رو سے حرام ہے۔ جو شخص اسکا مرتکب ہوتا ہے اس پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ جو شخص اس سے احتراز

---

[۱] یعنی حرام[۱]۔ مکروہ تحریمی[۲]۔ مکروہ تنزیہی[۳]۔ مباح[۴]۔ مستحب یا مسنون[۵]۔ واجب[۶]۔ فرض[۷]۔

کرے وہ نیک کام کرتا ہے۔ کسی شخص کو اس وقت تک مسلمان نہیں کہا جا سکتا جب تک وہ قرآن حکیم کے ہر لفظ کی صداقت پر ایمان نہ لائے اغراض دنیوی کے لئے قرآن شریف کی آیت کو صحیح نہ سمجھنا (ان میں تاویل کرنا) حرام ہے۔ حکومت نے اپنی سامراجی اغراض کے لئے محکمہ پولیس قائم کیا ہے۔ ایک سپاہی کا فرض ہے کہ وہ مسلمان۔ ہندو۔ غرض ہر شخص پر خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اپنی تلوار کھینچ لے اور مکانوں کو مسمار اور ملک کو تباہ کرے۔

قرآن شریف میں قتل مسلم کی ممانعت مسلمانوں کو قتل کرنا حرام ہے۔ اس لئے یہ ملازمت حرام ہے میں اجمالاً بیان کرتا ہوں۔ قرآن حکیم میں خداوند عالم نے سات جگہ مسلمانوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ایک جگہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے (مولانا نے متعدد آیات پڑھکر ان کی تفسیر کی)

اب میں حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی معتبر اور مصدقہ احادیث بیان کرتا ہوں جہاں حضورؐ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرکے کافر نہ بنیں۔ ہماری مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کسی جائز سبب کے بغیر قتل کرنا کفر سے دوسرے درجہ پر ہے۔

حرمت شراب وغیرہ اور حرمت قتل مسلم کا فرق بعض ایسے افعال ہیں۔ مثلاً شراب پینا یا سور کا گوشت کھانا جو اگرچہ مذہباً حرام ہیں مگر ایک مسلمان ان کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اگر بادشاہ اسے قتل کی دھمکی دے کر ایسا کرنے پر مجبور کرے۔ اگر وہ

بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کر دے۔ اور بادشاہ اسے اس جرم میں قتل کر دے تو وہ خدا کے یہاں مجرم ٹھہرایا جاتا ہے۔

دوسرے ایسے افعال بھی ہیں مثلاً روزہ افطار کرنا وغیرہ جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت کے تحت بھی بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اگر ایک بادشاہ ایک مسلمان سے یہ کہے کہ تم فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ تمہیں گولی سے اڑا دیا جائیگا۔ تو اسلام میں اس مسلمان کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی جان قربان کر دے مگر اپنے مسلمان بھائی کو قتل نہ کرے۔

احکام قرآنی کو دوسروں تک پہنچانا بھی مذہبی فرض ہے۔ قرآن کریم ہمیں یہ حکم بھی دیتا ہے کہ فوج میں جا کر سپاہیوں سے کہیں کہ مسلمانوں کے لئے ایسی ملازمت کرنا حرام ہے۔ لیکن ہم وہاں نہیں گئے۔ اور یہ ہماری کمزوری ہے۔ ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے مسلمان سپاہیوں تک یہ پیغام پہونچانا میرا فرض ہے۔ چونکہ ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کیا تھا کہ کسی شخص کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کی جائے گی لہٰذا جن لوگوں نے یہ بیجا مداخلت کر کے ہمیں تنگ کیا ہے وہ فی الحقیقت حکم شاہی کی خلاف ورزی کے ذمہ دار ہیں۔ اگر کوئی مسلمان عالم دین ہمیں احکام قرآنی کی تعمیل نہ کرنے کے لئے کہے تو ہم اس کی بات نہیں مانیں گے۔ کیونکہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق	خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت درست نہیں

اس استغاثہ کے متعلق لارڈ ریڈنگ نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں مداخلت نہیں کی گئی۔ مگر میں یہ معلوم کرکے خوش ہوں کہ سرکاری وکیل اور جج نے کہا ہے کہ احکام قرآنی کو پیش نظر نہیں رکھا جائیگا۔ اور اس سے بھی زیادہ خوش ہوں گا اگر لارڈ ریڈنگ۔ مسٹر مانٹیگو اور لائڈ جارج۔ اس بات کا اعلان کر دیں کہ مسلمانوں کو تمام احکام قرآنی پر عمل پیرا ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ ہمارے لئے بہتر ہوگا اور سوراج ۴ ماہ کے بجائے ۲ ماہ میں حاصل ہو جائیگا۔

میں ڈنکے کی چوٹ۔ اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے برطانوی فوج میں ملازمت حرام ہے [1]

یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ اسیسراور جیوری کے ارکان نے فوج میں بغاوت پھیلانے یا کسی فوجی کو ملازمت سے باز رکھنے کے جرم سے ملزمین کو بری قرار دیا۔ اور جج نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ البتہ زیر دفعات ۵۰۵ اور ۱۰۹ تعزیرات ہند حضرت شیخ مدظلہٗ العالی اور آپ کے تمام رفقاء کو دو دو سال قید بامشقت کا حکم سنایا گیا۔ مولانا محمد علی صاحب کو زیر دفعہ ۱۱۷ مزید دو سال کی سزا دی گئی مگر یہ کہ یہ دونوں سزائیں ساتھ ساتھ چلیں گی۔ (اور بجائے ۴ سال کے صرف ۲ سال میں دونوں سزائیں ختم ہو جائیں گی۔

---

[1] موازنہ مذہب و قانون ص۲۰ تا ص۲۱

مقدمہ کا فیصلہ سنانے کے بعد حضرت مدظلہ العالی کو سابرمتی جیل اور دوسرے حضرات کو دوسری جیلوں میں بھیج دیا گیا۔

دوران مقدمہ میں یہ سب حضرات ایک جگہ رہے۔

اس عرصہ میں مولانا محمد علی مرحوم نے حضرت مدظلہ العالی سے ترجمہ قرآن شریف پڑھا۔ حضرت موصوف کی خدا پرستانہ پر اخلاص زندگی کا اثر مولانا محمد علی پر یہ تھا کہ بر سر اجلاس حضرت کو "اپنا آقا" کہا۔ اور پھر ہمیشہ آپ کو "چھوٹا بھائی" کہا کرتے تھے۔

زمانہ جیل کی فرصت کو ہر شخص اپنے محبوب مشغلہ میں صرف کرتا ہے۔ جن کو کھیل تفریح سے مناسبت ہوتی ہے وہ کھیل تفریح کے مواقع پیدا کرتے ہیں علم کے شوقین اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ شعراء اور ادباء دیوان مرتب کر لیتے ہیں۔ مصنفین کو تصنیف کا نادر موقع ہاتھ آتا ہے حضرت مدظلہ العالی کا محبوب مشغلہ قرآن حکیم۔ اور مراحل سلوک ہیں۔ چنانچہ آپ نے مالٹا اور کراچی کی فرصت کو ان ہی مقدس مشغلوں میں صرف کیا۔ اور علم و تقوی کے ساتھ حفظ قرآن کی دولت لیکر جیل خانہ سے واپس تشریف لائے۔ دامت برکاتہم ومتعنا اللہ بہا۔

مکتوبِ کراچی

انسان کے ذاتی خطوط اس کے دلی جذبات کے آئینہ دار ہوا کرتے ہیں چنانچہ حضرت مدظلہ العالی کے چند مکاتیب اس رسالہ کے آخر میں تحریر کئے جائیں گے تاکہ خدا پرستانہ جذبات کا اندازہ ہو۔ اس وقت مقدمہ کراچی کی مناسبت سے حضرت کا ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے جو اس زمانہ میں طبع کرا کر شائع بھی کیا گیا تھا۔

اس مکتوب میں ترک موالات کی ترغیب کے ساتھ مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ فن سپہ گری کی مہارت اختیار کریں۔ کاش مسلمان اس ہدایت پر عمل کرتے تو اس پچیس سال کے عرصہ میں جو تحریر مکتوب کے وقت سے اس[1] وقت تک گذرا ہے۔ ہر ایک مسلم نوجوان ——— مجاہد ——— بن گیا ہوتا۔

مگر افسوس۔ عمل کے بجائے جنگ و جدل مسلمانوں کے حصہ میں آچکا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ملکی سیاست میں پیش رو ہونے کے بجائے۔ پس ماندہ اور علمبردار حریت ہونے کے بجائے آزادی کا دریوزہ گر بن کر رہ گئے ہیں۔ اللھم نعوذ بک من الحور بعد الکور۔

مخدوم بندہ زیدت عنایتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ میں کس زبان اور کس دل سے آپ حضرات اور جملہ اہل شہر کی

[1] اگست ۴۶ء تک۔

محبت اور عنایت کا شکریہ ادا کروں۔ یہ سب آپ حضرات کی ذرہ نوازی ہے۔
میں تو آپ حضرات کا ادنیٰ خادم ہوں۔ مگر یہ سب عنایت محض اسلام اور مذہب
کے تعلق اور حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کی بنا پر ہے۔ خداوند کریم آپ
حضرات کو اور بھی زیادہ دین کی خدمت کی توفیق اور جناب رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی شریعت اور ان کے نام لیوا امتیوں کی ہمدردی عنایت فرمائے۔

مخدوما! یہ وقت اسلام پر نہایت سخت آپڑا ہے جس کی نظیر پہلے نہیں
گذری ایسے وقت میں مسلمانوں کو جو کچھ بے چینی ہو وہ بہت ہی کم ہے۔ آج ہم اور
آپ نہیں برباد ہو رہے ہیں بلکہ۔ آج دشمنان اسلام، اسلام کا جنازہ اٹھانا
چاہ رہے ہیں۔ آج وہ قرآن کو روئے زمین سے اور شریعت محمدی کو دنیا سے نیست
ونابود کرنا چاہ رہے ہیں۔ اور اس کی صورتیں کرلی ہیں۔ اور اپنے زعم میں کامیاب
ہوگئے ہیں۔ اگرچہ خدا بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ مساجد کو گرجا بنواتا
ہے۔ جب چاہتا ہے خانہ کعبہ میں بت پرستی کراتا ہے۔ اپنے جاں نثاروں کو خون
کے آنسوؤں سے رُلاتا ہے۔ آروں سے چرواتا ہے۔ آگ میں جلواتا ہے۔
اس کو دنیا ومافیہا کی حاجت نہیں۔ مگر ہم نالائق بندے اس کے محتاج ہیں۔
اس کا وعدہ ہے کہ اس دین کی آخر تک حفاظت کروں گا۔ اس لئے ہم کو
پوری امید ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔ اور انشاء اللہ ضرور کریگا۔ فقط
ہم کو اتنی ضرورت ہے کہ اس خدمت ضروریہ اور لازمی عملدرآمد میں اگر
ہماری بھی کچھ ٹانگ اڑجائے۔ ہمارے قول، فعل، مال، جان کسی کو بھی دخل ہوجائے

توکل کو قیامت کے دن منہ دکھانے کو جگہ ہوگی۔ کل ہم حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور حضرت رب العزت کے سامنے یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہمنے اپنی طاقت کے موافق کوئی کمی نہیں کی۔

اے میرے پیارے بزرگو! آپ لوگوں کو میری جدائی۔ میری تکلیف، میری شفقت کا ادنیٰ درجہ کا بھی خیال نہ ہونا چاہیے۔ آپ کو اسلام کا درد ہونا چاہیے، دین محمدی کی فکر ہونی چاہیے۔ دشمنان اسلام نے ہزاروں نہیں لاکھوں۔ خاندان برباد کر دیے جنکا آج نام و نشان باقی نہیں۔ وہ ہمارے ہی بھائی مسلمان اور مسلمان بہنیں اور مائیں بچے، بچیاں تھیں۔

میرے عنایت فرما بزرگو! ہم کمزور ہیں۔ ہم میں اتفاق نہیں۔ ہم ہتھیار نہیں رکھتے۔ ہم مال نہیں رکھتے۔ ہمارا دشمن قوی ہے اس کے پاس ہر قسم کا سامان ہے۔ ہم کو اسے سیدھا کرنا اور اس سے بدلا لینا ضروری ہے۔ مگر ہمیشہ مقابلہ سمجھ اور طاقت کے ساتھ کرنا ہوتا ہے۔ یہی طریقہ قرآن، حدیث، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ اسی لئے ہم کو جبتک کہ ہمارے مقاصد حاصل نہ ہو جائیں یعنی خلافت کی آزادی، جزیرۃ العرب کی آزادی، ہندوستان کی آزادی، پنجاب کی تلافی، اس وقت تک نہ ہم کو چین سے بیٹھنا ہے اور نہ بیٹھنے دینا آپ یہ سوال کریں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ میں کہوں گا آپ پر شرعاً فرض ہے کہ اگر ایک مری ہوئی چیونٹی کی طرح آپ کاٹ ہی سکتے ہیں تو ضرور کاٹ لیجیے۔ اس کے یہ معنے نہ سمجھئے کہ آپ خلاف امن کوئی بات کریں، خونریزی کریں نہیں نہیں! صلحخوری کے ساتھ جس قدر ممکن ہو نقصان پہنچایئے۔ دوسروں کو

آمادہ کریں۔ دشمن کی قوت کو کمزور کریں۔ ان کی تجارت کو گھٹائیں۔ ان کی صنعت کو گھٹائیں۔ ان کی محبت، ان کے خوف کو دلوں سے دور کریں۔ لوگوں میں جرأت پیدا کریں۔ سچ کہنے سے نہ جھجکیں۔ لوگوں کو نرمی اور حکمت سے سمجھائیں۔ شدت کو کام میں نہ لائیں۔ ٹوٹے ہوؤں کو ملائیں۔ ملے ہوؤں کو نہ توڑیں۔ اسی دھن میں دن رات لگے رہیں۔ لوگوں میں سپہ گری پھیلائیں۔ بانک۔ پٹہ۔ لکڑی۔ تلوار۔ گھوڑے کی سواری وغیرہ جو ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھا جس کو تمام شریف خاندان کے لوگ سیکھنا اپنا فخر سمجھتے تھے اس کی طرف لوگوں کو ترغیب دیں۔ کم از کم روزانہ ایک آدھ گھنٹہ اگر یہ عمل جاری رہے تو ہم خرما وہم ثواب کا کام دے۔ جسمانی صحت حاصل ہو۔ ایک فن ہاتھ میں رہے۔ وقت بے وقت کام آئے۔ اپنی اور مال و اولاد کی حفاظت ہو۔

میرے پیارے دوستو! دیکھو اس باامن جنگ نے اس قدر فائدہ دیا کہ ہم سات آدمیوں کے پکڑے جانے کے بعد تمام ملک میں تحریک بہت زور شور پر ہوگئی۔ لوگوں کے دلوں سے خوف گورنمنٹ کا بہت کم ہوگیا۔ جس مسئلہ کو ہم مہینوں کوشش کر کے سب کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتے تھے وہ دم کے دم میں پہنچ گیا۔ انگورہ کے مجاہدین کا چندہ بہت بڑے پیمانہ پر جمع ہوگیا۔ بہت سے آدمیوں نے اس حرام نوکری سے استعفےٰ دیدیا۔ اور بھی سینکڑوں فائدے ہوئے۔ اگر تشدد آمیز کارروائی ہوتی تو یہ فائدہ نہ ہوتا۔

میرے معزز کرم فرماؤ! ہم تو انشاء اللہ اسی باامن ترک موالات سے گورنمنٹ کو شکست فاش دیدیں گے۔ ذرا ملک کو پوری طرح سے تیار تو

ہوجانے دو۔ اور لوگوں میں احساس اور اتفاق پیدا کراؤ۔ ہاں ایسا سختی سے لوگوں کو نہ پکڑو کہ کل کو گھبرا کر چھوڑ بیٹھیں۔ شریعت کی پابندی کراؤ۔ روز روز جلسے ہونے شائد لوگوں کی ہمیشگی سے مانع ہوں۔ میرے خیال میں ہفتہ میں ایک دو جلسے یا پندرہ بیس دن میں ایک جلسہ کافی ہے، مگر کام ہمت سے ہونا چاہئے۔ جو کام مجمع کے اور بڑے ہوتے ہیں ان میں غلط فہمیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ ہم کو اس وقت ملنے اور ملانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ متوسط طریقہ پر کوشش جاری ہے۔ نرمی اور خوش کلامی میں فرق نہ ہو۔

میں ابتک بہت آرام سے ہوں۔ غالبًا پرسوں حکم سنایا جائیگا۔ اگر مجھ پر دوسرے رفقاء پر کوئی سخت حکم ہو تو آپ لوگ ہرگز صدمہ نہ کریں۔ اور نہ کوئی ایسی حرکت ظاہر ہو جس سے بے چینی یا قلق اور اضطراب ظاہر ہو۔ بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ دشمنان اسلام یہ سمجھیں کہ ان لوگوں کو ذرا بھی پرواہ نہیں ہوئی۔ اور نہ اپنے مطالیب سے ہٹے۔

ہم ہر روز اپنے مقصد یعنی آزادیٔ ہند اور دیگر مذہبی مقاصد کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ الحمد للہ! ملک اور قوم کا قدم نہایت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ خداوند کریم مددگار ہے۔ ہم ضعیف ہیں مگر انشاء اللہ العزیز بلیک کے کیڑے ہوکر گورنمنٹ کے موجودہ طریقہ اور جماعت کو وبا میں مبتلا کرکے ڈھائی گھڑی کی لگا دیں گے۔ بعون اللہ تعالیٰ

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

بھائیو! گھبراؤ نہیں۔ مایوس مت ہو، ایک خدا پر بھروسہ کرو۔ وہ ہمارے ساتھ ہے، کوشش کئے جاؤ۔ کامیابی دیکھوگے۔ خدا سے ڈرو، اسکے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ نہ کسی سے جھگڑو۔ مجھکو خدا کے حوالے کرو۔ اگر اور کوئی عالم مولوی، لیڈر۔ پکڑا جائے کچھ پرواہ مت کرو۔ ہمارا خدا ہمارے اور تمہارے ساتھ ہے۔ وہ سب دیکھتا ہے۔ سنتا ہے۔ خداوند کریم آپ کی، ہماری، تمام امت محمدیہ کی مدد کرے گا۔ ہم کو سب کو نیک عمل اور اخلاص کی توفیق دیوے۔ آمین۔

میرا بہت بہت سلام سب حضرات اراکین ومبروں اور دوستوں اور بزرگوں تک پہنچادیں۔

والسلام

میں ہوں آپ کا نیازمند

حسین احمد غفرلہٗ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۱ء

از کراچی

رہائی کے بعد

رہا ہونے والوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے گئے۔ دہلی میں جس شان وشوکت سے مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب مرحوم کا جلوس نکالا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چشم دہلی نے اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں دیکھی تھی۔

مگر حضرت شیخ الاسلام جیسے روحانی تاجدار کی شان ہر ایک جلوس سے مستغنی تھی اور ہر نمائش سے بلند و بالا۔

دیوبند میں آپ کے استقبال کی تیاریاں وسیع پیمانہ پر کی گئی تھیں لیکن صبح کے وقت اہل دیوبند کو معلوم ہوا کہ آقا ر مدینہ کا مدنی فداکار ۲ بجے شب کی تاریکی میں تن تنہا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز کے دولت کدہ پر رونق افروز ہو چکا ہے۔

رضا کاران مراد آباد کے شانے مضطرب تھے کہ جانشین شیخ الہند کے کوکبہ ہمایوں کو اٹھائیں گے۔ دفعۃً ان کو معلوم ہوگیا کہ شاہسوار جادۂ اخلاص وطریقت مدرسہ شاہی میں تشریف فرما ہے۔

شرکت تحریک کا مقصد تحریک خلافت نے کم وبیش پانچ سال عمر پائی اس کے بعد اگرچہ مرکزی خلافت کمیٹی کا دفتر بمبئی میں عرصہ تک رہا۔ مگر اس مرکز کا دائرہ مٹ چکا تھا۔ اس تحریک میں

فیصدی مسلمان شریک ہوئے۔ اور اپنی ہندی نژاد جماعتی خاصیت کے بموجب انتہا پسندی کے ساتھ شریک ہوئے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیشتر مسلمانوں کی سرگرمی کا محرک وہ جذبہ تھا جسکو مقامات مقدسہ کی بے حرمتی اور دولت عثمانیہ کی تباہی نے مشتعل کر دیا تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس کو اس تحریک سے غیر معمولی قوت حاصل ہوئی اور غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کانگریس کو انڈین نیشنل اسی تحریک نے بنایا۔ مگر افسوس مسلمان اس تحریک کے ذریعہ کانگریس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

کانگریس کے پیش نظر ہندوستان کی آزادی تھی۔ اور ثانوی مرتبہ میں خلافت کی حمایت۔ اور عام مسلمانوں کا نظریہ اس کے برعکس تھا۔

بہت سے مسلمان وہ تھے جو اس تحریک خلافت کو آزادی ہند کی آخری اور فیصلہ کن تحریک تصور کر رہے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ صبح شام میں انگریز ہندوستان سے رخصت ہو رہا ہے۔ تحریک کی ناکامی نے ان پر یاس و قنوطاری کر دیا۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ انگریز کا بوٹ اور ہیٹ، ہندوستان کے زمین و آسمان سے ہمیشہ کے لئے پیوست ہو گیا ہے۔ جرمنی جیسی کسی بیرونی طاقت کا خنجر آبدار ہی اس پیوستگی کو کاٹ سکتا ہے تحریک خلافت جیسی آزادی ہند کی تحریکوں کا مستقبل وہی ہوگا جس کا نقشہ ماضی نے پیش کیا، مزید برآں جب انگریز کی شہرۂ آفاق ڈپلومیسی نے شردھانند جیسے ہندو نیتاؤں کے ذریعہ سے شدھی اور سنگھٹن کا ترشح اور

تلخ جام ہندوستانیوں کو پلایا۔ تو ان خام مزاج سرمستوں کی تمام مستی ختم ہو گئی۔ لیکن بارگاہ رشیدی اور محمودی کا یہ پختہ کار مسند نشین (جس کی حیات کے مختصر حالات درج کرنے کے لئے ہمارا قلم سرنگوں ہے) اپنے دماغ میں وہ نشہ نہ رکھتا تھا جس کو کوئی ترشی اتار سکے۔ کیونکہ اس کے سامنے پہلے ہی دن سے مذہب کے ساتھ سیاست بھی تھی۔ اس کی ایک نظر دولت عثمانیہ کے زوال و بقاء پر تھی تو دوسری نظر بلکہ پہلی نظر ہندوستان کی آزادی پر۔

اس نے تحریک خلافت اور آزادی ہند کو مذہبی دلائل سے بھی پیش کیا اور اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے بھی۔

اس کی یادداشت میں مذہبی دلائل کا ذخیرہ بھی تھا اور اس کے ساتھ ہندوستان کی معاشی۔ اقتصادی اور سماجی تباہیوں کا نقشہ بھی پتھر کی لکیر تھا جو صفحۂ دماغ سے کبھی محو نہ ہوتا تھا۔ اس نے تحریک خلافت کے خاص دور میں جسکو دور شباب کہنا غیر موزوں نہ ہوگا۔ جس طرح حریت اور اخلاص وطن کے مذہبی دلائل پیش کئے اسی طرح اس نے آٹے دال کے پرانے اور نئے نرخ۔ ہندوستان کی قدیم صنعت اور عہد برطانیہ میں اس کے زوال۔ ہندوستان کی گذشتہ دولتمندی اور موجودہ تباہ حالی کے تاریخی شواہد پیش کر کے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو اقتصادی۔ معاشی نقطہ نظر سے بھی ذہن نشین کرایا کہ آزادی ہند کس قدر ضروری اور بنیادی مسئلہ ہے جس کے بغیر کوئی جماعتی مصیبت زائل نہیں ہو سکتی اور کوئی سماجی بلندی اور بہتری حاصل نہیں ہو سکتی۔

ان خیالات کا اندازہ ان تقریروں سے ہو سکتا ہے جو ۱۹۲۱ء میں آپ

جگہ جگہ فرماتے رہے۔ جن میں سے بعض تقریریں اور خطبات صدارت شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ذیل میں ان خطبات کے ضروری اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں

خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۱ فروری سنہ ۱۹۲۱ء بمقام سیوہارہ ضلع بجنور کے خطبہ صدارت میں آپ نے تحریک خلافت کی اہمیت اور ضرورت سے متعلق ضروری امور کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

یہ وہ واقعات ہیں جنکا تعلق عالم انسانی سے بحیثیت تدین اور مذہب ہے اور ان کی خصوصیت ہمارے پیارے وطن کے خارجی ممالک سے بہت زیادہ ہے اب ذرا اپنے وطن اور ملک پر آنکھ اٹھائیے اور تواریخ قدیمہ پر گہری نظر ڈالئے اور پھر اپنی قدیمی اور موجودہ حالتوں کا امتیاز کیجیے۔

ہمارا وطن ہند

یہی وہ ہندوستان ہے جو کہ اطرافِ عالم کو اپنی صناعتوں اور تجارتوں سے مالا مال کرتا تھا وہ دوسروں سے مستغنی اور دوسرے اس کے محتاج تھے۔ ابتدائے دنیا سے لیکر سو برس پہلے تک ہندوستان کی تاریخ ہر حیثیت سے نہایت روشن و زرّین نظر آتی ہے۔ وہ فقط انسانیت ہی کا معدن نہ تھا۔ بلکہ تمدنی شعبوں کی شاخیں بھی یہاں سے پھیلیں وہ تمدن آجتک آسمان پر ایک ایسا روشن ستارہ نظر آتا ہے جسکی نظیر مغرب میں تو در کنار مشرق کے کسی خطہ میں بھی نظر نہیں آتی۔ ہندوستان اس وقت متمدن تھا جبکہ سارا عالم وحشی تھا۔ وہ عالم و فاضل تھا جبکہ طبقات زمین میں جہل کی آندھیاں چل رہی تھیں، وہ سیر تھا جبکہ ساری دنیا بھوکی تھی۔ علم ہندسہ اور حساب جو کہ ترقی اور تمدن کا اکیلا مدار ہے، کیا اسی کا جملہ عالم کو

عطیہ نہیں ہے؟ علم حکمت (وید ک) اور نجوم کیا اسی کا مایۂ ناز نہیں ہے؟ علم سیاست ملوک کیا اس کا وہ خزانہ نہیں ہے؟ جس کے لئے بادشاہان فارس مدتوں سرگرداں رہے ہیں علم موسیقی اور حکمت صناعی میں کیا اس کا جھنڈا تمام ملکوں کے جھنڈوں سے سر بلند نہیں رہا۔؟ روحانی علوم میں کیا وہ اپنے گردو نواح کے ملکوں کا پیشرو نہیں تھا؟ اسلام کا چمکدار اور نہایت روشن آفتاب جبکہ ہندوستان پر پرتو افگن ہوا تو اس نے ہندوستان کے قدیمی کمالات میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ بلکہ عرب و عجم اور روم و ترک کے ان کمالات کا اضافہ کردیا جنکی ہوا ہندوستان کو اس وقت تک نہ لگی تھی۔ ہندوستان فطرتی طور پر نہایت سمجھدار دماغ نہایت ذکی طبیعت نہایت گہری فکر نہایت شعور والا قلب نہایت صبر والا جسم رکھنے والا ملک بتایا گیا تھا۔ اس کا اعتدال ہوائی اس کے تفاخر کا گواہ اور اس کا مرکز انسانی ہونا اس کی فوقیت کا شاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدتوں تک یورپ نے اس طرف اپنی ہمتوں کو متوجہ کیا اور سالہا سال تک ہزاروں قسم کی اس فکر میں مصائب جھیلیں وہ کونسا بادشاہ ہے جسکی عنان خواہش اس ملک کی طرف اس کے قدرتی کمالات کی وجہ سے متوجہ نہیں رہی اور وہ کونسی قوم ہے جس نے ہندوستان کے فرط عشق و محبت میں اس کے حسن خداداد کی بنا پر داغ رنج والم نہیں کھائے۔ کونسی چیز دنیا میں موجود ہے کہ ہمارا پیارا وطن اس کا گنجینہ نہ ہو اور کونسا وہ کمال ہے جو دیگر اقوام میں اقامت پذیر ہوا ہو اور ہندوستانی قومیں اس سے عاجز رہی ہوں۔ شاہان ہند کا اپنے آپ کو شاہجہاں ملقب کرنا اور مورخین کا اسکو

ربع مسکون قرار دینا آخر کس بنا پر ہے۔ فطرت نے جیسے کہ اس کو اداراسٹر جیسی مادی چوٹی روئے زمین کے جملہ پہاڑوں سے بلند تر عطا فرمائی۔ اُسی طرح اس کو روحانی اور اخلاقی کمالات کے وہ دریائے ذخار اور زرخیزی اور جغرافی محاسن کے ایسے وسیع سبزہ زار عطا کئے کہ کوئی ملک اور کوئی اقلیم اسکے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتی۔ ہندوستان کے ہر ہر ذرہ اور ہر ہر پتہ سے اس کے تفوق کی دلیلیں اور اس کے کمالات کے شواہد ملتے ہیں جنکو مورخین عالم کہتے کہتے عاجز ہو گئے۔

ہندوستان کی قسمت پلٹ گئی

وہ ایک اکیلا ملک ہے کہ وحشت اور درندگی کے بدنما دھبہ سے اپنے دامن کو ہمیشہ پاک وصاف دکھلا سکتا ہے وہ تنہا ایسی تاریخ رکھتا ہے جو کہ اس کے تمام گذشتہ عمر میں تمدن کے چمکنے والے آفتاب کی صاف اور تیز روشنی ڈال رہی ہے مگر افسوس کہ بدقسمتی سے اس آخری صدی میں اس کا نہ گہنے والا آفتاب زرد ہو گیا۔ ورنہ چھپنے والا ستارہ اس طرح غروب ہو گیا کہ یورپ کی تہذیب اور مغربی انصاف نے اس کو ایک ایسے گہرے اور تاریک گڑھے میں ڈھکیل دیا جس کی گہرائی اور تاریکی کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ برطانیہ کے مسیحا صفت ڈاکٹروں نے اس کو بزعم خود ایسی زندہ کرنے والی دوائیں دیں کہ قیامت آجائے مگر اس کو حرکت کرنا تو درکنار چھینک کی بھی طاقت نہیں رہی۔ کل کی جملہ وحشی اقوام آج تخت آزادی پر جلوہ افروز ہو کر داد زندگی دے رہی ہیں۔ مگر ہندوستان میں آزادی کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوتی۔

بڑے بڑے انگریزی ڈاکٹر ۱۸۵۸ء میں بلکہ اس سے پہلے سے اس کا نہایت جانفشانی سے معالجہ کرتے ہوئے اس کو صحیح و سالم کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شفایاب ہونے ہی پر نہیں آتا اس کو ہر طرح بیدار کرتے ہیں مگر وہ کروٹ ہی نہیں بدلتا۔ وہ ملک جنکو ابتدائے آفرینش دنیا سے آجتک آزادی کی جھلک اور خود مختاری کی مہک بھی نہ پہنچی تھی آج وہ کوس لمن الملک الیوم بجا رہے ہیں۔ وہ قومیں جنکے جہل، وحشت، درندگی، دنائتِ طبع، رذالتِ اخلاق وغیرہ پر آجتک مشرقی اور مغربی تاریخیں اور ہزارہا وقائع شہادت دے رہے ہیں وہ خود مختاری اور استقلال کے مستحق اور لائق بنائے جاتے ہیں ان پر کسی قسم کی سیادت کا جائز رکھنا یورپ کی نظروں میں غیر قابلِ عفو گناہ ہے مگر وہ ہندوستان جس نے ابتدائے دنیا سے آجتک اپنا ذاتی فرمانروا ہونا اور مستقل نظم و نسق بتاتے ہوئے اقوام عالم کا استاد ہونا صفحاتِ تاریخ میں ثبت کردیا ہو اس کو غلامی اور دریوزہ گری کی سخت سے سخت آہنی زنجیروں میں جکڑنا عین تہذیب و عدالت ہے۔ اس کے لئے خیالِ آزادی گناہ لفظِ استقلال حرام، اظہارِ استحقاقِ حریت گناہ کبیرہ اور کوشش خود مختاری بدترین بغاوت ہے وہ اگر کسی زنجیرِ غلامی کے حلقہ کی وسعت کا خواب بھی دیکھ لے یا اس کی توسیع کی خواہش ظاہر کرے تو سزائے قید بامشقت یا پھانسی کا مستحق قرار دیا جائے

حضرات! یہ ہے یورپ کی اصلاح اس کی اقوامِ ضعیفہ کی آزاد پسندی اس کی انسانیت کی ماہیت۔ اس کی اقوام عالم کی ہمدردی۔ اس کی بنی نوع انسانی کی حمیت۔

ہندوستان کے مصائب

وہ ہندوستان جو کچھ دنوں پہلے فقط اپنے ملک کو ہی نہیں بلکہ سیکڑوں ملکوں کو جامہائے گوناگوں سے مزین کرتا تھا۔ اس کی تجارت پارچہ ایشیائی افریقی اور یوروپین ممالک میں بڑے زور شور سے جاری تھی۔ آج وہ ایسا محتاج و دریوزہ گر یوروپین حکمت عملیوں اور مغربی اصلاحی اسکیموں کے ذریعہ سے بنا دیا گیا ہے کہ فقط سوتی کپڑوں کے لئے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ اس کو انگلینڈ بھیجنا پڑتا ہے۔ وہ ہندوستان جو کہ اپنی پیداوار سے اپنے بچوں کی وسیع پیمانہ پر پرورش کرتا ہوا دوسرے ممالک کو بھی پالتا تھا، آج اسکے بچوں کو روٹی کا ٹکڑا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ روزانہ قحط کا دور دورہ ہے۔ کروڑوں ہندوستانی نزاد بھوک کی وجہ سے غیر ممالک میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ نہ ان کا وہاں کوئی پرساں ہے نہ خبر گیراں۔ آج ہندوستان کی بدولت مغربی قومیں اونچے اونچے محلوں اور نرم سے نرم گدوں پر آرام کر رہی ہیں۔ مگر ہندوستان کے بچوں کو صرف چارپائیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ آج یوروپین اُمتیں قیمتی پوشاک زیب تن کئے آٹھ آٹھ نو نو وقت ہندوستان کے اموال سے روزانہ پیٹ بھرتی ہیں مگر ہندوستان کی اولاد کے بدن پر نہ چمڑا ہے نہ جیب میں دمڑی۔ ایک وقت اگر سوکھی روٹی نصیب ہوتی تو دوسرے وقت فاقہ کی تیاری ہے۔ وہ ہندوستان جس میں غیر قومیں اپنا خون بہاتی تھیں آج اسکے سپوتوں کا بے حساب خون غیر قوموں کے فوائد کے لئے ہر ہر ملک میں بہایا

جاتا ہے۔ وہ ہندوستان جس میں گنجینۂ زر و مال رہتا تھا آج وہ گنجینۂ فقر و مسکنت ہے۔ وہ ہندوستان جو اپنی آبادی، قومی، ملکی، صناعتی، علمی، اخلاقی جملہ حیثیتوں سے استحقاق خودمختاری سب سے اول رکھتا تھا آج اس کے غلامی کے شکنجہ اور زیادہ سخت کرنے کے لئے ابدالآباد تک کی فکریں کیجا رہی ہیں۔ جبرالٹر۔ مالٹا، عدن وغیرہ پر قبضہ کیا جاتا ہے بحری سیادت اور بحری حکومت اپنے لئے مخصوص کی جاتی ہے۔ مصر کو دبایا جاتا ہے۔ عراق دبوچا جاتا ہے فلسطین شکار کیا جاتا ہے۔ ایران ذبح کیا جاتا ہے۔ خلافت ٹرکی کا شیرازہ بکھیرا جاتا ہے۔ ممالک سوڈانیہ و عربیہ کی قوت پاش پاش کی جاتی ہے۔ یہ کس وجہ سے؟ فقط بنی نوع انسانی کی خیر خواہی۔ امم ضعیفہ کی آزادی، عالم میں اصلاح اور صلاح۔ امن و امان پسندی، عدل و انصاف گستری کی بنا پر یہی سب کچھ کیا جاتا ہے

ہندوستانی خون کا انعام

اے ہندوستان! تیرے ننھے ننھے لاکھوں بچوں کا خون، فرانس کے میدانوں میں، اطالیہ کے پہاڑوں میں، سالونیکا کے مرغزاروں میں، درہ دانیال کے چٹانوں میں، صحرائے سینا اور سوئز و سوریہ کے ریگستانوں میں عدن اور یمن کے سنگلاخوں میں، عراق و ایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں میں، مشرقی و مغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں میں، ایشیائے کوچک اور قفقازیہ کے برفستانوں میں بحر اسود اور ابیض اور احمر کے سواحل میں بہائم کی طرح بہایا

جاتا ہے - ان پر گولی اور گولوں کی بارش ہوتی ہے مصائب کے شکار ہوتے ہوئے کروڑوں جاں بلب ہو رہے ہیں۔ مگر تجھکو اس کے بدلے میں کیا ملتا ہے۔ فقط یہی کہ تیری بچیوں کا بیوہ ہونا تیری اولاد کا یتیم و برباد ہونا تجھ پر طوق غلامی کا کڑا ہونا۔ رولٹ بل کا پاس ہونا کورٹ مارشل لا کا جاری ہونا۔ پنجاب میں رنگین مظالم کا منتشر ہونا۔ جلیانوالہ باغ میں مشین گنوں کا مینہ برسانا، تیری اولاد، اطفال پر مظالم و عصمت دری و بے آبروئی کی بوچھار کرنا۔ تیری رہی سہی آزادی کو سلب کرنا۔ تجھ پر طرح طرح کے ٹیکسوں کا عائد کرنا۔ تجھ کو قسم قسم کی بغاوت کے نئے نئے پھندوں میں پھنسانا۔ تجھ کو اقوام عالم میں بدنام کرنا تیری دکھ کی کہانیوں پر کان نہ دھرنا۔ تیری شکایات پر ظالموں اور جابروں کے بجائے سزا کے تحسین کرنا اور آفرین دینا۔ ان کی امداد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مصائب کی وجہ

اے حضرات آخر یہ ہر قسم کے پہاڑ ہم پر کیوں ٹوٹتے ہیں۔ کبھی بھی آپ نے اپنے اذہان کو اس طرف متوجہ کیا۔ کبھی بھی آپ نے اس پر غور کیا۔ اگر ذرا بھی آپ توجہ فرماتے تو یہ سب کچھ ہماری نااتفاقی اور موالات کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم ساڑھے پینتیس کروڑ[1] مرد و زن، چھوٹے بڑے ہندو مسلمان ایک ہو جائیں تو بڑی سے بڑی قوت ہم پر ظلم و تشدد کی بارش نہیں برسا سکتی۔ گولیاں اور توپ کے گولے تو در کنار بجلی جیسی قوی چیز بھی اس ریگ کے تودہ میں نفوذ نہیں کر سکتی جسکے ضعیف و ناچیز ذرات مجتمع

---

[1] سنہ ۱۹۲۱ء میں پورے ہندوستان کی کل آبادی اتنی ہی تھی۔

ہوکر ایک دوسرے پر جان نثاری کر رہے ہوں - ہم کو اس اتفاق میں مذہبی خلطتوں کی ہرگز ضرورت نہیں اور نہ یہ کوئی عاقل متدین گوارا کر سکتا ہے - ہم کو محض ملکی اور سیاسی امور میں ایک کو دوسرے پر جان نثاری کرنے کی حاجت ہے - ہمارے سامنے اس کی سیکڑوں نظیریں موجود ہیں دور نہ جائیے فقط یورپ کو دیکھیے - آج - لندن، فرانس، روس، یونان وغیرہ میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے ہیں اور دونوں میں مذہبی حیثیت سے قدیمی ایسی عداوت ہے جو کہ ہندو مسلمانوں کی مخالفت سے سیکڑوں درجہ زائد ہے - جو جو مظالم عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان تواریخ مذہبی حیثیت سے دکھلا رہی ہے اس کا عشر عشیر بھی ان دونوں فریق میں کبھی وجود میں نہیں آیا مگر آج وہ سب سیاسی امور میں ایک قالب و جان ہیں - عیسائی اگرچہ کوئی پروٹسٹنٹ کوئی کیتھولک کوئی ارتو رکھی وغیرہ وغیرہ ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مذہبی حیثیت سے سخت مخالف اور زمانہ سابق میں نہایت قطیع و شنایع وقایع ان میں واقع ہو چکے ہیں مگر پھر سیاسی امور میں، وطنی مصالح میں ملکی ضروریات میں، قومی منافع میں، سب کے سب باہم شیر و شکر ہیں، جیسا کہ فدائے قوم و وطن مسٹر گاندھی جی اور مولانا شوکت علی صاحب وغیرہ لیڈران قوم اور علمائے جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس دہلی میں تقریر کی تھی کہ ہم مذہبی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو بھی اس اتفاق میں داخل کرنا اور چھونا نہیں چاہتے - ہر فریق اپنے مذہب میں پورا آزاد ہے - ہندو دھرم اپنی جگہ پر ہندو ہو کر، اور مسلمان دھرم اپنی جگہ پر مسلمان رہ کر ہندوستانیت کی حیثیت سے جان توڑ کوشش اور کامل اتفاق کر کے اپنے حقوق اور آزادی کی فکر یں کریں

اور پوری جاں نثاری سے کام کریں۔ ایسا ہی جملہ رہنمایانِ قوم کا خیال ہے اور تمام قوم کو اس پر عامل ہونا ضروری ہے۔ اس جگہ دشمن اور اس کے ہواخواہوں کی پوری کوشش ہوگی کہ ایسے مذہبی امور کو درمیان میں لاکر اپنی سابق پالیسی کے موافق شیرازۂ اتفاق کو بکھیر دیں۔ نان کو اپریشن کی تجاویز کو باطل کر دیں مگر اس پر کان نہ دھرنا چاہیے اور سمجھ بوجھکر آگے قدم بڑھانا اور استقلال و ثبات قدمی اختیار کرنا چاہیے۔

میں جہانتک خیال کرتا ہوں نااتفاقی کی مضرتیں اور اتفاق کی ضرورتیں دینی اور دنیاوی ہر دو پہلو سے تمام پبلک سمجھ چکی ہے۔ بلکہ اس کا معائنہ کر رہی ہے یہ ایک ایسا بسیط اور ظاہر مسئلہ ہے کہ جسکی توضیح کی حاجت اور اثبات و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط رسّا جس سے آپ بڑے سے بڑے ہاتھی کو باندھ سکتے ہیں اور قوی سے قوی جہاز کا لنگر ڈال کر اس کو روک سکتے ہیں اگر اس کے دھاگے بکھیر دیئے جائیں تو چند منٹ میں ایک ذرا سا بچہ اس کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔

نااتفاقی کی نحوست

ہماری سابقہ نااتفاقیوں کی نحوستیں ہمکو ہی ان جملہ مصائب میں فقط پھنسانے والی نہیں ہیں بلکہ دوسری مشرقی قوموں کی آزادی بھی سلب کرنے والی ہیں اور انہیں نحوستوں کا ثمرہ یہ بھی ہے کہ آج ہندوستان کی قومیں ہندوستان میں نہیں بلکہ تمام ملکوں میں نہایت ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور مجمع اقوام

میں سب سے زیادہ کمزور اور بے حمیت ثابت ہوئی ہیں۔ کوئی قوم ایشیائی یا افریقی ایسی نہیں کہ جنہوں نے رابطۂ اتحاد و مودت کے لئے اب اپنے دلوں میں ہندوستان کو جگہ دینا گوارا کر رکھا ہو۔ بہت سی یوروپین اقوام بھی مثل دیگر اقوام کے نہایت بغض و غضب کی نظر سے ہند کی طرف دیکھ رہی ہیں۔

دوسرا امر جو کہ باعث ان جملہ مصائب و شدائد کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں وہ موالات ہے جس کو تعلقات دوستی اور تناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اسکو شرکتِ عمل وغیرہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جملہ اُن ہستیوں پر یہ امر واضح ہے جنھوں نے تواریخ عالم پر نظر ڈالی ہے کہ ہندوستان کی آزادی سلب ہونے اور اس کی ہر طرح مذلتوں میں گر جانے کا اصلی راز یہی ہے ہندوستانی نفوس نے ابتدا سے ہمیشہ گورنمنٹ کو ہر قسم کی مدد پہنچا کر وفاداری اور نمک حلالی کا دم بھرتے ہوئے اپنے آپ کو بھی اور دوسری قوموں کو بھی ہلاک کیا اور اسی وجہ سے برطانیہ روز افزوں قیدیں اور سخت سے سخت قانون نکالتی ہوئی مذہبی اور سیاسی جملہ آزادیاں سلب کر رہی ہے اور زندگانی کے تصور و محلات کو ڈھاتی ہوئی عدم کے مقبروں میں ہمکو دفن کرتی جا رہی ہے۔ تعجب ہے کہ جو قوم ہماری نمک سے آج پرورش پا رہی ہو اور پھر ہماری نمک حرامی کرتے ہوئے ہر طرح سے ہم کو قعر مذلت میں ڈال رہی ہے اس کی بھی نمک حرامی حرام ہو۔ حالانکہ وہ نمک بھی ہمارا ہی ہے۔ افسوس! افسوس!!! افسوس[1]!!!

---

[1] مجموعہ خطبات صدارت دنایاب تقاریر از صـ ۱۹ تا صـ ۲۶ ۱۲

مصائب کا خاتمہ کیونکر ہو

اے حضرات جو کچھ عراق میں ہوا۔ سوریا میں کھُلا۔ استنبول میں پھلا۔ حجاز میں پھولا۔ فرانس، جرمن وغیرہ میں نمودار ہوا، ہماری غفلت، ہماری اعانت ہماری بے وجہ وفاداری۔ ہماری خلاف حقیقت غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں بھی جو کچھ پیش آیا خواہ وہ جلیانوالہ باغ میں تھا یا پنجاب کے دیگر علاقوں میں خواہ وہ کلکتہ کی سڑکوں اور مساجد میں ہوا ہو، یا دہلی اور بمبئی کے بازاروں پر۔ وہ سب ہماری ہی کم توجہی کا ثمرہ ہے۔ ہم نے حکومت کو اس غرور پر پہنچایا ہے کہ وہ آج کسی آواز پر کان نہیں دھرتی۔ اور کبر وعظمت کے نشہ میں اس قدر چور رہے کہ اس کو ہماری طرف منہ پھیرنا ذلت اور رسوائی معلوم ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے عوام اور پادریوں پر مذہبی جنوں اس قدر غالب ہے کہ مسلمانوں کے لئے وہ صدائے قرآنی کا باقی رہنا اور کسی مسجد کا استنبول میں قائم رہنا بڑے سے بڑا جرم سمجھتے ہیں۔ انپر قومی تعصب کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ وہ ہندوستان جو ان کو مالی جانی ہر طرح کی مددوں سے پال رہا ہے اس کو کتے سے بھی زیادہ بدتر سمجھتے ہیں اور ان کی ہر طرح تذلیل و توہین کرتے ہیں۔ ہمارا ملک، ہمارا وطن، ہمارا مال ہماری فوج، اور پھر ہم ہی ذلیل و خوار، ضعیف و ناتواں۔ ہمارے ہی حقوق روزانہ سلب کئے جادیں ہم ہی ہر طرح مجبور کئے جاویں۔ ہم پر ہی سخت سے سخت قانون نافذ کئے جاویں۔ پھر آخر اس کا علاج کیا ہے اور آئندہ کے لئے صورتِ فلاح کیونکر ہوسکتی ہے غلامی کا طوق اور جی حضور کی بیڑیاں کس طرح سے نکل سکتی ہیں،

ظالم کو حق کے سامنے کس طرح دوزانو بٹھا سکتے ہیں۔ اس پر غور کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر اس مرض کے علاج میں اب بھی سستی کیجا دے گی تو رہی سہی رمق بھی جاتی رہے گی اور موت کے سوا کوئی راہ نہ ہمارے لئے ہے اور نہ ہماری آیندہ نسلوں کے لئے ہو سکتی ہے۔

ہم اس کلّی کو فقط ایک فرد میں منحصر پاتے ہیں وہ یہ کہ حکومت مستقلہ حاصل کیجا دے جس کو سوراج سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ماسوا تجارت کے جملہ راستے بند کردیئے۔ جب تک وہ نہ حاصل ہوں ہم کو نہ اپنے آپ کو اور نہ آیندہ نسلوں کو زندہ خیال کرنا چاہیئے اور دوسری ایشیائی اور افریقی قوتوں کی محافظت کرنا ناممکن سمجھنا چاہیئے[۱]۔

انجمن علماء بنگال منعقدہ رنگپور کے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا۔

اے حضرات علمائے کرام جیسے کہ آپ کا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہب اور جان کی حفاظت میں اپنے تن اور من کو صرف کریں، اور ہر ممکن طریق سے اس میں کوشاں رہیں اسی طرح آپ کا فرض منصبی ہے کہ مسلمانوں کے مال اور آبرو کی بھی حفاظت میں پوری طرح حصہ لیں، اگر "من قتل دون نفسہ فھو شھید" نفس مسلمہ کے واجب الاحترام ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور "من قتل دون عرضہ فھو شھید" اس کے مال اور آبرو کے واجب الاحترام ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے، اگر ایک جگہ فرمایا گیا ہے "ان حرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ" (مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون کے احترام جیسا ہے تو دوسری

---

[۱] مجموعہ خطبات صدارت (نایاب تقاریر ص۳۱)

جگہ وارد ہے الا ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا (خبردار ہو جاؤ تمہارے خون اور مال، اور آبرو سب کی سب اسی طرح تم پر حرام ہیں جیسا کہ حج کا دن حرم محترم میں ذی الحجہ کے مہینے میں)

اس مقام میں احادیث و آیات بہت ہی زیادہ وارد ہیں اور اسی وجہ سے فقہائے کرام ایک درہم کے نقصان کے وقت نماز توڑ دینے کی اجازت دے رہے ہیں پھر آپ ذرا خیال فرمائیں کہ ہندوستان کی مالی حالت خصوصاً مسلمانوں کی کس طرح برباد کردی گئی ہے۔ لگان فیصدی پچاس بلکہ بعض جگہ اسّی تک لیا جاتا ہے۔ تعلیمات، حفظ صحت، صفائی وغیرہ کے لئے فیصدی سترہ لیا جاتا ہے، مزید برآں انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، کورٹ فیس وغیرہ کی بھرمار ایسی ہوتی رہتی ہے کہ مجموعہ تقریباً فیصدی اسّی اور نوے سے زیادہ اسی طرح نکل جاتا ہے۔

باقی ماندہ زمیندار کاشتکار دونوں میں مشترک ہے وہ بھی ریلوے، پوسٹ آفس، تار، مختلف چندوں وغیرہ سے بچنے کے بعد یورپین تجارتوں کی نظر ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی کچھ رہا سہا تو دونوں پر قربان ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں تقریباً فیصدی نوے محتاج ملیں گے اور فیصدی ۱۰ مشکل سے خوشحال مل سکیں گے، پھر خزانۂ ملکی کے مصارف کی حالت پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو عجیب حالت ہے، اول تو یورپین عہدہ داروں کو اس قدر بڑی بڑی تنخواہیں دیجاتی ہیں جس کی حد و غایت نہیں، فوج میں ایک گورے کے مصارف بہ نسبت ہندوستانی فوجی کے گیارہ گنا زیادہ ہیں، لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ انگریز عہدہ داروں کے

پنشن کا سالانہ چلا جاتا ہے جو دفتر وزارت ہند کا خرچہ کئی ملین پونڈ کا ہے ان دونوں مدوں کا مجموعہ نوے کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ علاوہ ازیں انڈین نیشنل ڈیٹیشن جوکہ تقریباً تیرہ کروڑ پونڈ مختلف لڑائیوں کی بناء پر ہندوستان پر بلا وجہ ڈالا گیا ہے۔ اسکا سود سات کروڑ پینسٹھ لاکھ پونڈ سالانہ خزانۂ ہند سے نکالا جاتا ہے۔ جس کے ایک ارب چودہ کروڑ پچھتر لاکھ روپیے ہوتے ہیں۔

پھر ایسی صورتوں میں کیا خیال فرما سکتے ہیں کہ ہندوستان کی مالی حالت کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ ابھی ابھی ڈیوک آف کناٹ کے مصاریف ۴۱ لاکھ ۵۳ ہزار خزانۂ ہند سے خرچ کیا گیا ہے جسکو اسٹیٹمن مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء نے تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے۔ ممدوح کی اس آمد سے جو جو فوائد ہندوستان کو ہوئے معلوم ہیں۔ گذشتہ مصاریف کی تلافی میں سوائے بھلا دینے کی وصیت کے اور کیا پڑھایا؟

خود تجارت اور صنعت و حرفت کی بناء پر جو صدمہ ہندوستان کی مالی اور اقتصادی زندگی پر پڑا ہے وہ حد بیان سے باہر ہے۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور پھر زمانۂ گذشتہ اور زمانۂ حاضرہ سے مقابلہ فرمائیں دیکھئے کس طرح زمین آسمان کا فرق نظر آئیگا۔

ہندوستان کی تاریخ ابتدائے دنیا سے آج سے ڈیڑھ سو برس تک نہایت چمکدار اور زریں نظر آتی ہے۔ وہ فقط زراعتی ملک نہ تھا بلکہ تجارت میں بھی اس کا پایہ تمام ملکوں سے بلند تھا، اس نے فقط علم ہندسہ، حساب، نجوم، طب (ویدک) موسیقی وغیرہ سے تمام عالم کی رہنمائی نہیں کی۔ بلکہ تہذیب و تمدن کے

اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین اور فرمانروائی اور جہانداری کے عمدہ سے عمدہ ضوابط بھی بنائے جس کے سبب سے بزرجمہر اور دیگر حکمائے فارس و ایران کو ہندوستان میں طلب علمی کی غرض سے آنا پڑتا تھا۔

شاہانِ فارس و یونان وغیرہ سیکڑوں روپیہ نہیں لاکھوں اور کروڑوں دینار خرچ کر کے یہاں کی کتابوں اور علوم سے استفادہ حاصل کرتے تھے۔ خلفائے عباسیہ کے دربار میں ہندوستان کے مشہور اطبا اور فلاسفر ذکر کئے جاتے ہیں، نوشیرواں اور بطلیموس کی تاریخوں میں بھی ہندوستانی علوم و فنون اور یہاں کے حکماء کا ذکر نہایت وقعت اور عظمت کے ساتھ سنیں گے آپ ہر قسم کی صنعتوں میں گذشتہ تواریخ میں ہندوستان کا مرتبہ اعلیٰ دیکھیں گے جب سے ہندوستان کو اسلامی آفتاب نے روشن کیا اس وقت سے اسکی عظمت دوبالا ہو گئی۔ اس میں عجم اور ترک اور عرب سے ایسے بہت سے فنون اور صنعتیں بڑھ گئیں جنکا وجود پہلے سے یہاں پر نہ تھا غرضیکہ ہندوستان کمالات مادیہ اور روحیہ ظاہریہ اور باطنیہ کا اعلیٰ درجہ کا مرکز رہا ہے جس کے شواہد کثرت سے بلکہ روشنی میں ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ مگر انگریزی تسلّط ہونا تھا کہ ہر ایک کمال جوں حرفِ غلط صفحۂ ہستی سے مٹنا شروع ہو گیا۔

اول تو یہ ہندوستان اپنی مصنوعات اور ملبوسات سے ایشیا، افریقہ، یورپ کو مزین کرتا تھا۔ پرتگال، فرنچ حکومتِ ہندیہ۔ جزائر سوربیہ، انگلینڈ یہاں سے تجارت کے لئے یہاں کی ساختہ چیزیں وغیرہ لیجا کر نفع اٹھاتے تھے۔ مگر آج یہ حال ہے کہ فقط سوتی کپڑے کی وجہ سے ۶۰ کروڑ دیگر چیزوں کے روپیہ کو چھوڑ کر ہندوستان سے نکل رہا ہے جس کا حساب نہیں۔ بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ

ابھی ابھی گذشتہ سال میں فقط ار بڑکی گنگھیاں وغیرہ چار کروڑ روپیہ سے زائد کی آئی ہیں۔

اے حضرات علماء کرام جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ دینی اور دنیاوی ترقی کمال صنعت وحرفت وغیرہ پر موقوف ہے اور ان چیزوں کا شرعی حیثیت سے بھی محفوظ کرنا آپ پر ضروری ہے۔ ادھر انگلینڈ اپنی قوت، ثروت، تجارت، صنعت، حرفت کے بڑھانے کے لئے خلاف عہد ہر صورت قانونی اور عمل مخفی سے ہندوستان کی مالی اور اقتصادی زندگی کا گلا گھونٹ رہا ہے جس کی تفصیل میں اس مختصر بیان میں کسی طرح نہیں دکھلا سکتا۔

البتہ آپ کے سامنے ایک اجمالی حالت پیش کر کے اندازہ کرانا چاہتا ہوں کہ انگلینڈ کی مجموعی آمدنی کی حیثیت سے فی کس سالانہ آمدنی ۳۰۲ پونڈ ہے جس کے چار ہزار پانچسو تیس روپیہ ہوتے ہیں اور ہندوستان کی آمدنی مجموعی کے لحاظ سے فیکس سالانہ ایک پونڈ تو درکنار ایک روپیہ بلکہ آٹھ آنہ بھی نہیں ہوتی۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج ہندوستانی قحط اور بھوک کی وجہ سے بے خانماں ہوتے ہوئے جان بحق تسلیم کر رہے ہیں دوسرے ملکوں میں ٹھوکر کھا رہے ہیں کوئی پیشہ ان کے ہاتھ میں کمائی کا نہیں رہا۔

آخر آپ حضرات پر اس کی فکر بھی لازم ہے یا نہیں۔ ریلوے، تار، پوسٹ آفس، جنگلات وغیرہ کے ذریعہ سے جو کچھ ہندوستان کا روپیہ کھینچا جا رہا ہے وہ علیحدہ ہے غرضکہ یہ بھی ایک بڑا فریضہ ہے جس کی ذمہ داری سے آپ کسی طرح نہیں نکل سکتے۔

آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ فوجوں کی تنخواہیں ہندوستان کے خزانہ سے دیجا رہی ہیں۔ رسد ملک کی پیداوار سے ہی، سپاہی ہندوستان سے بھرتی کئے

جارہے ہیں اپنی اور اپنے اتحادیوں کی اغراض کے لئے کروڑوں روپیہ چندہ میں لیا جاتا ہے۔

انگلینڈ کے بڑے بڑے تاجر جبکہ قرض جنگ کے لئے دینے سے جان چراتے تھے، ہندوستان کے مالدار وغیرہ سے ہزاروں حیلہ سے کروڑوں روپیہ قرضہ میں لیا گیا۔ مگر بالآخر اس کے نتیجہ میں ہندوستان کو کیا ملا، بڈھی ماؤں اور بڈھے باپوں کا بے اولاد، اور بے خانماں ہونا، نوجوان عورتوں کو بیوہ اور رانڈ ہونا۔ ننھے ننھے بچوں کو بے باپ یتیم ہونا۔ رولٹ بل کا پاس ہونا، جلیانوالہ باغ میں رائفل اور مشین گن کا شکار ہونا۔ پنجاب وغیرہ میں طرح طرح کے مظالم کی دھواں دھار بارش میں ہلاک ہونا، ہر طرف سخت سے سخت قوانین زیر تجویز تحفظِ ہند پاس ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ امور مذہبی اور سیاسی ہیں جنھوں نے تمام عالم میں بے چینی پھیلا رکھی ہے۔ اسی لئے رہنمایانِ قوم اور علمائے اسلام اور پنڈتوں نے قرار دیدیا ہے کہ جب تک خلافت کے متعلق فیصلے ہمارے مطالبات کے موافق اور مجرمینِ پنجاب کو سزائیں حسب قرارداد عدالت و مساواۃ تمام ہندوستان کے لئے آزاد مستقل حکومت (سوراج جس کے ذریعہ سے ہر آیندہ شدائد سے نجات ہو سکتی ہے) نہ مل جائے کوشش سے صبر و سکون نہیں ہو سکتا[1]۔

ہر ہر فرد اور ہر ہر جیو پر شرعاً اور حمیتاً لازم ہے کہ اس کے لئے پوری کوشش صرف کر دے۔

---

[1] مجموعہ خطبات صدارت و نایاب تقاریر از ص۵۲ تا ص۵۵

اس موقع پر جمیعۃ العلما صوبہ دہلی کے اجلاس منعقدہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۲۱ء بمقام پٹودی ہاؤس "دہلی" کے خطبہ صدارت کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرنا بھی افادیت اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس جامع اور مکمل اقتباس سے آپ کو ان مظالم کا علم بھی ہوجائیگا جنکا سلسلہ ۱۸۳۱ء سے ۱۹۱۱ء تک جاری رہا اور جس نے حضرت مدظلہ العالی کے حساس قلب کو یورپ اور بالخصوص برطانیہ کے خلاف ہر قربانی کے لئے آمادہ کردیا۔

اسلامی دنیا پر وہ پہاڑ ڈھائے گئے کہ خود عیسوی دنیا چیخ اٹھی۔ بطور مشتے نمونہ از خروارے کچھ عرض کرتا ہوں۔ انیسویں صدی کا آنا کیا ہوا کہ اسلام پر یورپ نے ہر طرف سے قیامت برپا کردی۔ ۱۸۲۷ء میں انگریزی جہازوں نے ناگاہ گیلی پولی کے بیڑہ پر حملہ کرکے ڈبو دیا۔

۱۸۳۱ء میں یورپ نے یونان کو ترکوں سے بغاوت پر ورغلایا۔ اسکندر ابسلانٹی بغاوت کے علمبردار تھے جنھوں نے روسی مدد کا پورا یقین یونان کو دلایا تھا جن کے الفاظ یہ ہیں "تم (یونانیوں) ترکوں سے ڈرو نہیں۔ کیونکہ ایک بڑی سلطنت تمہاری پشت پناہ ہے اور دشمنوں کی سرکوبی کے لئے موجود ہے"۔

مشہور انگریزی شاعر لارڈ بیرن نے گاؤں گاؤں گشت لگا کر ایجی ٹیشن پھیلایا اور تمام یورپ میں آگ لگادی۔ چنانچہ ایک قصیدہ میں یونان کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

"یونان! اے زندہ یونان جسکی روح مرچکی ہے!! اے یونان جس کی عزت

و شہرت خاک میں مل چکی ہے، مگر صفحات تاریخ میں وہ زرّیں حروف میں لکھی ہوئی
ہے۔ اے یونان تیری مدفون سلطنت کو کون زندہ کرے گا۔ تیری شمشیر آبدار کو
کون نیام سے نکالے گا۔ اے حریت و استقلال کی روح میں تجھ پر فدا! جب تو
اس زمین پر سایہ افگن تھی اور یونان کی بے پناہ تلوار سے ایرانیوں اور ترکوں کے
سر قلم کرتی تھی! اے روح حریت کیا تجھے اس وقت یہ بھی خیال گذرا تھا کہ تیرے
اس گہوارہ کی کایا پلٹ ہوجائے گی! عزت کی جگہ ذلت لے لیگی، آزادی کی جگہ
غلامی اسے نجس کرے گی۔ اب ساسانی اپنی جرار فوجوں سے کہاں ہیں کہ اے
یونان تجھپر حملہ آور ہوں! لیکن کمزور (ترک) نے تجھپر حملہ کر رکھا ہے۔ اور تیرے
بچوں کو حُمق نے خوار کردیا ہے۔ افسوس وہ ذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ذلت
ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں مرجاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تیرے بچوں میں
حریت کی روح پھر تازہ ہوئی ہے اور انھوں نے اپنی شاندار ماضی کو پھر زندہ کرنا
چاہا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ اسوقت تک نہیں جب تک کہ وہ اپنے پیروں پر
آپ نہ کھڑے ہوجائیں اور اپنی آپ مدد نہ کریں۔ جو حریت پر عاشق ہوا ہے اُسے
چاہئے کہ اپنے خون سے مہر لوا کر کے اسے بیاہ لائے۔ جو عزت کا دروازہ کھولنا
چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنی تلوار کے قبضے سے قفل کو توڑے۔ اور جو آسمان
سعادت پر پہنچنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے نیزوں کا زینہ تیار کرے اسطرح
اور صرف اسی طرح تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔ یونان، تیری عزت و آبرو اس وقت
تک نہیں لوٹ سکتی جب تک تیری عورتیں مردوں کو نہ پیدا کریں گی۔ وہ مرد جن کے
جسم پر لوہے کی زرہیں ہوں اور پہلو سے خون بہتا ہو۔ اس سے پہلے کسی بات

کی امید نہ رکھ" اس کے بعد یونان کے قدرتی مناظر کا ذکر کرکے اس پر اپنے عشق کا اظہار کیا ہے اور یورپ کو اس دیوی کی اعانت پر آمادہ کیا ہے۔

لارڈ بیرن کی تقلید میں اور شعرا بھی کمربستہ ہو گئے خصوصاً فرانس کے ملک الشعراء وکٹر ہیوگو نے تو اس آگ کو خوب ہی بھڑکایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ سے جوق جوق مجاہدین ترکوں سے لڑنے کو روانہ ہو گئے اور صلیبی نقشہ پھر کھنچ گیا۔

اس بغاوت میں یونانیوں اور ان کے یوروپین دیگر مددگاروں نے وہ ستم ڈھائے ہیں جن کے ذکر ہی سے دل کانپتا ہے۔ فرانسیسی امیر البحر ہالجن اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:" مونمباریا" کے قلعہ میں تین سو یونانی تھے جن کے ساتھ ترکوں نے اپنے دورانِ قبضہ میں نہایت عمدہ سلوک کیا۔ اور ان کے گرجوں کا احترام ملحوظ رکھا لیکن باغی یونانیوں نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد ترکی آبادی کے ساتھ یہ برتاؤ نہ کیا بلکہ خود مسجدوں میں نہایت شنیع اور وحشیانہ افعال کے مرتکب ہوئے۔ قیدیوں کو انھوں نے بلا زادِ سفر "کاسومیس" روانہ کر دیا۔ چنانچہ زمین پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے اسلامی خاندان دیکھے گئے۔ جنکا بھوک اور پیاس نے برا حال کر دیا تھا۔ اور جزیرہ کے قرب وجوار میں مقتولین کے انبار لگے ہوئے نظر آئے جنھیں یونانیوں نے قتل کیا تھا۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ستم زدہ ترکی خاندان کو باغیوں نے گولیوں سے اڑا دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن مسیو بولفور نے ان کو چھین کر ایک جہاز میں بٹھا دیا۔ اور یونانیوں سے کہا کہ جو حرکات تم نے کی ہیں یہ بحری قزاقوں کی سی ہیں"۔

۱۹ اگست ۱۸۲۱ء کو یونانیوں نے شہر نادرین پر قبضہ کیا۔ وہاں کی حالت

ایک پادری فرنٹرس ان الفاظ میں بیان کرتا ہے " زخمی لڑکیاں جان بچانے کے لئے ساحل پر بھاگتی پھرتی تھیں مگر یونانیوں کی بندوقوں سے انھیں کہیں پناہ نہ تھی، عورتیں ننھے ننھے بچوں کو چھاتی سے لگائے سراسیمہ پھر رہی تھیں مگر گولیاں ان کے لختِ جگروں کے جسم کے ٹکڑے اڑائے دیتی تھیں۔ حتیٰ کہ جنھوں نے اپنے کو سمندر کے حوالے کر دیا تھا ان کو بھی نجات نہ ملتی تھی۔ یونانیوں نے ماؤں کی گود سے بچوں کو چھین کر انھیں کے سامنے بوٹی بوٹی کر ڈالا اور ان کے گوشت کو سمندر میں اس طرح پھینکا جس طرح کتے بھی نہ پھینکے جاتے ہوں گے"۔

۵ اکتوبر ۱۸۲۱ء کو باغیوں نے شہر ٹریپولٹزا پر قبضہ کیا اور جو ستم ڈھایا اس کا بیان ناممکن ہے۔ تین روز تک مسلسل قتل عام ہوتا رہا۔ مردوں کے سڑنے کے تعفن سے تمام ملکِ یونان میں زور شور سے وبا پھیل گئی"۔

مسٹر فنلے تاریخ یونان میں اپنے چشم دید واقعات پر یہ الفاظ لکھتا ہے اس خونریزی کی مثال تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔ لیکن تعجب انگیز تو یہ ہے کہ یوروپین حکومتوں پر ان کا ذرہ برابر اثر نہ ہو بلکہ اُلٹے ترک ظالم و سفاک ٹھہرائے گئے۔ زار روس نے باب عالی کو ایک تہدیدی نوٹ روانہ کیا کہ باب عالی مسیحیت کو مجبور کر رہا ہے کہ وہ بتلائے کہ آیا وہ مسیحی قوم (یونان) کو بلا چون و چرا برباد ہونے دے گی۔ اور صلیب کے برخلاف ہلال کی اہانتوں کو خاموشی سے دیکھتی رہیگی"۔

۱۸۲۷ء میں انگلستان، روس، فرانس نے اپنے جنگی بیڑوں کو یونانیوں کی مدد کے لئے بندرگاہ نادرین پر بھیجا۔ اور ابراہیم پاشا مصری امیر البحر کو جو کہ بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بحکم خلیفۃ المسلمین آئے تھے۔ حکم دیا کہ وہ یونانیوں کی خلاف

کوئی کارروائی نہ کرے اور اپنے بیڑے اور فوج کو مصر واپس لیجائے۔
ابراہیم پاشاہ موصوف نے جنگ کرنے سے توقف کیا۔ اور باب عالی کے حکم کا انتظار کیا۔ مگر اس حالت میں بھی یورپ یونانیوں کو بھڑکاتا رہا۔ ابراہیم پاشا نے بہت کچھ صدائے احتجاج بلند کی۔ ایک نہ سنی گئی۔ آخر کار ایک دن جبکہ ابراہیم پاشا موره میں دورہ پر گئے ہوئے تھے موقع پاکر انگریزی امیرالبحر کو (درنجتن) نے اپنے متفقہ بیڑے سے ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو عثمانی و مصری بیڑوں پر بندرگاہ نادرین پر اچانک حملہ کرکے اول سے آخر تک تمام جہازوں کو ایک ایک کرکے ڈبو دیا۔ جس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ایک مصری سپاہی نے ایک انگریز کو قتل کر ڈالا تھا۔ اگر یہ افترا صحیح بھی ہو تو کیا ایک گورے کا قتل اتنا سنگین جرم ہو سکتا ہے جس پر یورپ و انگلستان دو اسلامی سلطنتوں کے تمام بیڑوں کو مع سپاہیوں اور سامانوں کے غرق کر دینے کو جائز سمجھتا ہے
اس شرمناک حادثہ پر خود جارج چہارم شاہِ برطانیہ نے بھی اظہار نفرت کیا وہ کہتا ہے۔

"یہ ایک منحوس حادثہ ہے" شہنشاہِ آسٹریا کہتا ہے: "یہ ایک بڑی بھینٹ ہے"۔
انگلستان میں امیرالبحر مذکور اور پارلیمنٹ پر لبرل پارٹی نے سخت اعتراضات کئے جس پر گورنمنٹ انگریزی نے عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ حرکت یقیناً تینوں حکومتوں کے ایما سے ہوئی تھی۔
"مسیو الفریڈ ملیٹر" اپنی کتاب استقلالِ یونان میں لکھتا ہے۔
"متحدہ بیڑہ نے جو کچھ کیا وہ سب فرانس، روس، انگلستان کی رائے سے کیا تھا۔"

خود انگریزی امیر البحر مذکور لکھتا ہے ۔

"وزرائے برطانیہ اپنی پوزیشن کے لئے میری قربانی کر رہے ہیں" ۔ یہ ایک ایسا بد نما دھبہ ہے اگرچہ یورپ لاکھ کوشش کرے مگر کسی طرح اپنے دامن کو اس سے صاف نہیں کر سکتا ۔

۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء میں جو معاملات یورپ کی بڑی متمدن حکومت روس اور اس کے دوستوں نے کیے ہیں وہ اُن یونانی مظالم سے بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں جن کا ابھی ذکر آچکا ہے ۔

اخبار ڈیلی نیوز جو اس زمانہ میں روس کا بڑا حامی تھا ۔ اس کا نامہ نگار ۲۷ جنوری ۱۸۷۸ء اڈریانوپل سے لکھتا ہے ۔

"فیلو پوبلیس اور ہرمنلی کے مابین ستر میل کا فاصلہ ہے ۔ جو کل ہزاروں خاندانوں سے پُر تھا ۔ مگر آج وہ چٹیل میدان ہوگیا ہے اور اس میں خاک اُڑ رہی ہے اگر وہاں کسی چیز پر نظر پڑتی ہے تو خشک نعشوں اور انسانی ہڈیوں پر ، اس وسیع سبزہ زار میں اب بجز ۔ بربادی و تباہی کے اور کچھ نہیں ہے جو ان وحشیانہ افعال کی وجہ سے واقع ہوئی ہے جنکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ۔ انسان کتنی ہی کوشش کرے مگر ناممکن ہے کہ وہ ان ہولناک مظالم کا اندازہ کر سکے جو اس سرزمین پر ہوئے ہیں" ۔

پھر یہی نامہ نگار مذکور لکھتا ہے ۔

"جب ہم فیلو پوبلیس سے گذر رہے تھے تو ہمیں کاشتکاروں کے بچے برف سے ڈھکے ہوئے ہر طرف نظر آرہے تھے جنمیں سے بعض کے متعلق یقین

سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس شنیع حالت میں دو تین ہفتوں سے پڑے ہوئے ہیں، ہم یہاں مقتولین کی ہڈیوں کو سامانِ جنگ کی وجہ سے مجبور تھے کہ روندتے ہوئے چلیں کیونکہ ہمیں راہ نہ تھی اور تمام زمین پر مقتولین اسی طرح بچھے ہوئے پڑے تھے جس طرح کہ فرش بچھایا جاتا ہے۔ ۳۵ میل تک یہی حالت تھی۔ ہر جگہ عورتیں لڑکے شیر خوار بچے اور بڑے ٹکڑے کئے ہوئے مرد برف کی سلوں پر دکھائی دیتے تھے برف کا رنگ خون کی وجہ سے بالکل سرخ ہو رہا تھا اور اکثر عورتیں اس طرح پڑی ہوئی تھیں کہ گویا اس دنیا اور تمدن کے مصائب سے تھک کر آرام کر رہی ہیں۔

مردوں کا یہ حال تھا کہ ان کی صفیں برابر بچھی ہوئی تھیں جن کے چہروں پر باوجود موت کے بھی عظمت و شجاعت کے آثار ہویدا تھے۔ ان کی ڈاڑھیاں خون میں لت پت تھیں اور ان کے دونوں ہاتھ سینے پر تھے گویا وہ اپنے شریف دلوں کو دشمن کے ناپاک سموں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں لڑکے اور شیر خوار بچے بھی اکثر سردی سے مرے تھے جن کے بھولے بھولے چہروں پر برف کی ہلکی ہلکی تہیں جمی ہوئی تھیں ان کی معصومی اُن کے بشرے سے صاف ظاہر تھی وہ گویا میٹھی نیند سو رہے تھے اور ان کے نرم اور گورے گورے ہاتھ برف کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ معصوم اپنی ماؤں کی گود میں سردی کی شدت سے مر گئے ہونگے

تو انہوں نے مایوس ہو کر انکو برف کی سلوں پر لٹا دیا ہوگا۔ انھوں نے اسطرح اپنی لخت جگر کو جدا کرتے ہوئے گرم گرم آنسو بہائے ہوں گے جو ان کے نازک رخساروں پر آکر برف کے تار بن گئے ہوں گے۔

میں اپنی عمر میں کبھی بھی اس قدر مایوس نہیں ہوا جتنا ان مصائب و آلام کو دیکھ کر ہوا ہوں جو بیگناہ مخلوق پر انسان کے ہاتھ سے نازل ہوئے ہیں۔ میرا دل بالکل ٹوٹ گیا جب میں نے دیکھا کہ ایک دس سالہ خوبصورت لڑکی اور اس کی شفیق ماں روسیوں سے بھاگتی پھرتی تھی اور جب بیردں نے جواب دیدیا تو بچی ماں کے قدموں پر بیہوش ہو کر گر پڑی اور چند سسکیاں لیکر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئی۔ اتنے میں رات کی تاریکی چھا گئی اور ماں بیٹیاں آپس میں لپٹ کر ابدی نیند سو گئیں۔

ہاسکوی کا تمام راستہ بھی مقتولین سے پٹا پڑا ہوا ہے۔ جس گاؤں میں ہمارا گذر ہوتا ہے وہاں بجز بربادی اور مذبوحین و مقتولین کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ میں نے ایک بلغاری سے دریافت کیا کہ ارے انھیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے جوش مسرت سے جواب دیا کہ ہم نے اور ہمارے حمایتیوں نے ان کافروں کو ذبح کیا ہے۔

خود ہاسکوی میں جب ہم پہنچے ہیں تو وہاں ترکی سپاہیوں کی ہڈیاں ڈھیر تھیں جنکو بلغاری پتھروں سے کچل رہے تھے بیوقوفانے ایک ترکی خاندان سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جاؤ گے۔

اس نے کہا کہ پانچ ماہ ہوتے ہیں ہم سمرنا سے چلے ہیں۔ نہ ہمارے پاس کپڑا ہے اور نہ زاد راہ اگر راستہ میں کوئی جانور مرا ہوا مل جاتا ہے تو اس کا گوشت کھا لیتے ہیں۔ اس خاندان میں تین شخص بچے تھے ایک بدقسمت بوڑھا باپ تھا، ایک بدنصیب ماں تھی۔ جس کے سینہ سے ایک شیر خوار بچہ چمٹا ہوا تھا اور ایک دو سالہ لڑکا تھا سب کے سب برہنہ تھے۔ صرف چیتھڑوں سے انھوں نے بمشکل ستر پوشی کر رکھی تھی۔ زمین ان کا بچھونا اور آسمان اوڑھنا تھا ہاسکوی سے جب ہم چلے تو قدم قدم پر ایسے ہولناک مناظر دیکھنے میں آئے کہ جسم لرز گیا نہیں معلوم کتنی عورتیں برہنہ مری پڑی تھیں جن کے شوہر انھیں کے پہلوؤں میں پڑے تھے اور بچے ان کے گرد آخری سانسیں لیکر ہمیشہ کے لیے سو گئے تھے اور نہیں معلوم کتنے بوڑھے نظر آئے جن کی کھوپڑیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے اور ان کی سفید ڈاڑھیوں پر خون کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ یہ بیان کرتے کرتے دل پارہ پارہ ہوتا ہے کہ ایک معمر ترک کو میں نے زمین پر بے گور و کفن پڑے ہوئے دیکھا جس کے پہلو میں قرآن کھلا ہوا رکھا تھا اور اس کے صفحوں پر اس کا خون جما ہوا تھا۔ پس تہذیب و تمدن کہاں ہے اور انسانیت کی محبت کہاں رخصت ہو گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صرف بلغاریوں کے ہاتھوں جتنے مسلمان ہلاک ہوئے ہیں انکی تعداد بھی بے شمار ہے۔ ہزار مکان اجڑے ہوئے پڑے ہیں جن کے مالک ان مظالم کی وجہ سے مفرور ہو گئے ہیں لیکن ان کو عنقریب ہی بلغاریوں کی بربریت کا شکار ہونا پڑے گا۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ملیں گے جو صحیح و سالم

ترکی سلطنت میں پہونچ گئے ہوں ورنہ سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔
اس مناسبت سے اگر فیلو پولپیس اور رہرمنلی کی سڑک کو موت کی سڑک کہا جائے تو بالکل درست ہوگا۔

اخبار اسٹنڈرڈ کا نامہ نگار جو گرانڈ ڈیوک نکولس سپہ سالار افواج روس کے ہمراہ تھا لکھتا ہے۔

"ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال عالم بہیمیت میں بھی نہیں ملتی۔ میں بار بار اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں کہ ہزاروں بیگناہوں کو اتنی بری طرح ذبح کیا گیا ہوگا اب روسیوں کو یہاں قبضہ کئے ہوئے دو ماہ سے زائد گذر گئے ہیں مگر اب تک کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا کہ ترکوں نے کسی مسیحی کو تکلیف پہونچائی ہو۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ایک روسی افسر نے ایک عیسائی کاشتکار سے کہا اب تو تم اپنے مسیحی بھائیوں سے ملکر خوب خوش ہوئے ہوگے۔ اس کے جواب میں اسنے کہا۔ دیکھیں تم ترکوں کی طرح ہم سے کہاں تک عمدہ سلوک کرتے ہو۔

مسٹر اڈمنڈ انگریزی کونسل نے بلقان کے چند باشندوں سے دریافت کیا کہ تم پر کیا گذر رہی تھی انھوں نے حسب ذیل جواب دیا۔
"کہ جب گذشتہ شنبہ کو کاسکوں کی دو پلٹنیں بلقان میں پہنچیں تو بستی کے رؤسا ان کے استقبال کو نکلے لیکن انھوں نے قصبہ کا محاصرہ کرلیا اور باشندوں سے ہتھیار طلب کئے۔ دوسرے دن ان کی دو رجمنٹیں آگئیں جن کے ساتھ تین چار ہزار بلغاری گنوار بھی تھے جو طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ انھوں نے گاؤں کے لوگوں اور چوپاؤں کو ایک جگہ جمع کرکے

گاؤں میں ہر طرف سے آگ لگادی اور جس نے بھاگنے کا قصد کیا اسی قتل کرڈالا اگر ہم مایوس ہو کر ان پر حملہ نہ کرتے تو ہم میں سے ایک شخص بھی آگ سے محفوظ نہ رہتا اور جب ان میں سے ایک شخص ادغلی سے اس کے خاندان کی حالت دریافت کی گئی تو بیواؤں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا یہانتک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر دیر کے بعد اس کے ہوش بجا ہوئے تو کہنے لگا کہ کیا کہوں میری ان دونوں آنکھوں کے سامنے ایک ایک کرکے میرے خاندان کے تمام لوگ آگ میں جھونک دیئے گئے ہیں جن میں سب سے زیادہ رنج مجھے اپنی بہنوں کا ہے جن کے شوہر فوج میں ہیں اور جنکا میں متکفل تھا۔

روسیوں نے جب ڈینیوب کو عبور کیا تو انھوں نے ہزار ہا ترکی عورتوں اور بچوں کو شہر شملا میں جمع کرکے ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کا حال ستر ہ سر برآوردہ یوروپین اخبارات کے نامہ نگاروں نے چشم دید بیان کیا ہے ڈیلی ٹیلیگراف، منچسٹر گارڈین، مارننگ پوسٹ، ٹائمس کے نامہ نگار انہیں شامل ہیں۔ ان کے بیان کو ترکی وزیر خارجیہ نے ۱۲ جولائی ۱۸۷۷ء کو پیرس روانہ کر دیا تھا اور جس میں لکھا تھا کہ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس بربریت کی اطلاع دنیا کو کردیں جو بلغاریوں کے ہاتھوں ہم نے خود دیکھی ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے زخمی عورتوں، بچوں، اور بڑھیوں کو دیکھا ہے جن کے جسم سے خون کے فوارے جاری تھے۔ ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ روسیوں اور بلغاریوں نے ہر ہر گاؤں میں مسلمانوں کو اسی طرح ذبح کیا ہے جس طرح بھیڑیں ذبح ہوتی ہیں۔ ہم نامہ نگار علی الاعلان کہتے ہیں کہ زخمیوں میں اکثر عورتیں اور بچے تھے"

۱۸۹۲ء میں ارمنوں سے بغاوت کرائی گئی جس میں برٹش گورنمنٹ سب کے آگے تھی۔ اور فرانس، اٹلی، روس، وغیرہ بھی شریک تھے۔ حالانکہ ارمنی تمام ٹرکی ممالک میں منتشر تھے۔ کسی خاص ضلع یا صوبہ میں انکا مستقر اصلی نہ تھا اور نہ کسی جگہ ان کا غالب عنصر تھا۔ مسلمانوں سے زیادہ مالدار اور خوشحال تھے نہایت راحت و آرام سے بسر کرتے تھے مگر یورپ کو کب چین تھی۔ عرصۂ دراز سے طرح طرح کی خفیہ کارروائیاں جاری تھیں۔ سنہ مذکور میں انگورہ میں تحقیقات بغاوت ارمن کے لئے کمیٹی بٹھائی گئی جس میں اقوام اجانب کے نمایندے بھی تھے۔ انھوں نے تحقیق کر کے دکھلایا ہے کہ صرف پروٹسٹنٹ ارمنی برسر بغاوت ہیں۔ کاتھولک ارمنوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں بعض امریکن پادری اس سازش میں شریک ہیں۔ چنانچہ امریکن نمایندہ کا یہ قول ہے۔ ترکی حکومت نے جو کچھ تحقیقات کی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور جو پروٹسٹنٹ پادری گرفتار ہوئے ہیں وہ کسی شفقت کے مستحق نہیں، اس کمیٹی نے یہ بھی ثابت کیا کہ انگریزی مدبرین خصوصاً مسٹر گلیڈسٹون نے خفیہ طور پر ارمنوں کو بغاوت پر آمادہ کیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ ارمنوں کو خود مختار سلطنت کرادیں گے۔ اس راز کو فاش ہوتے ہی انگریزی اخباروں نے قیامت برپا کردی۔ مسٹر گلیڈسٹون اپنے آپے سے باہر ہوگئے اور ترکی اور خلیفۃ الاسلام پر گالی گلوج کی دھواں دھار بارش کردی۔ ہر طرح ترکوں کو جفا کار سفاک دکھایا۔

فیکونٹ دی کرسون فرانسیسی اپنے رسالہ میں لکھتا ہے "

جو لوگ مسئلہ ارمینیہ کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں انھیں یاد ہوگا کہ

آرمینیہ میں ہر واقعہ کے حدوث سے بہت پہلے انگریزی اخبار اس کی پیشین گوئی کر دیا کرتے تھے۔ کہ اس قسم کا حادثہ فلاں تاریخ میں ہونے والا ہے اسی لئے ارمنی بغاوت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ انگریزی مالِ تجارت ہے جو سیاسی کارخانوں میں تیار کیا جاتا ہے اور مخصوص مقامات میں حسب ضرورت روانہ کر دیا جاتا ہے۔ ارمنوں پر ترکی مظالم کے اسقدر اختلاف و تناقض ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ چنانچہ عرصۂ دراز تک وہ ایسی خبریں شائع کرتے رہے ہے جن سے ترکوں کی قساوت و بربریت دلوں میں راسخ ہو جاتی تھی لیکن جنوری ۱۸۹۵ء کا اخبار گلوبب ان سب کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ترکوں سے جتنے مظالم منسوب کئے جاتے ہیں وہ عام یوروپین رائے کو انگریزی اخباروں کے دہوکہ دینے کی عظیم ترین مثال ہے"

ارمنوں کے ذریعہ سے مختلف اوقات میں اس زمانہ تک جسقدر بغاوت اور فساد کرایا گیا ہے اور جس قدر نقصان عظیم طرفین کو پہنچایا گیا ہے اس کی ذمہ دار مثل دیگر واقعات کے یورپ خصوصاً برٹش گورنمنٹ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ تحریرات اور دیگر کتب تاریخ سے یہ امر واضح ہے۔ ارمنوں کے وقائع شبیہ یونانیوں اور روسیوں وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں۔

۱۸۹۶ء میں مسئلہ کریٹ درپیش ہوا۔ یورپ نے یونانیوں کو ابھارا اور بغاوت قائم کرا کے سلطان کو آزادی کریٹ پر مجبور کیا۔ سلطان نے وعدہ بھی کر لیا۔ مگر اس پر بھی یونان کو جزیرہ کے فتح پر آمادہ کر کے ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو کرنیل واسوس کی زیر قیادت فوج پہنچا دی۔ جس نے جزیرہ کے عیسائیوں

سے ملکر جو مظالم کیئے ہیں ان کا کچھ تذکرہ سر ایشمڈ باٹلڈ کی کتاب بیٹل فیلڈ آف تھسلی کے اردو ترجمہ تھسلی کا میدان جنگ نے کیا ہے۔

کرنیل واسوس کے کریٹ میں قدم رکھتے ہی خونریزی اور جنگ و جدل کے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔ ہر جگہ عیسائی باغی اپنے بے پناہ اور بیکس مسلمان ہموطنوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے گھر لوٹ کھسوٹ کر بے چراغ کر دیئے یونان کے ناجائز حملے ہولناک نتائج میں سے بطور نمونہ ستیا کے قتل عام کو پیش کیا جاسکتا ہے جہاں ایک ہزار مسلمان نہایت وحشیانہ طور سے مارے گئے۔ مزید براں صدہا مسلمانوں کو دیہات میں ذبح کر ڈالا۔ بہت سے زندہ مسجدوں میں جلائے گئے۔ عورتوں اور بچوں سے نہایت بدسلوکی کی گئی۔ یہاں تک کہ ان کے اعضا قطع کر ڈالے۔ اس موقع پر آسٹریا نے تحریک کی کہ کریٹ کی دول یورپ بحری ناکہ بندی کر دیں تاکہ مزید سامانِ جنگ اور مفسدوں کی جماعتیں کریٹ میں نہ داخل ہوسکیں۔ مگر انگلستان نے خدا جانے کیوں انسداد فتنہ و فساد کی اس دوراندیشانہ تجویز سے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا۔"

اُدھر کریٹ کی بے چینی اور مظالم روزانہ بڑھتے چلے جاتے تھے اور وحشیانہ کارروائیوں کو نمودار کرتی ہوئی یورپ کی انسانیت اور اصلاح کی داد دے رہے تھے۔ ادھر یورپ نے یونان کو صوبہ تھسلی پر حملہ کرنے اور حکومتِ قسطنطنیہ پر جس کی نسبت اسے گمان تھا کہ اس بڈھے مرد کو نوجوان یونان بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ ہجوم کرنے کی اشتعالک دے رہا تھا چنانچہ اسی دوران میں یونان نے تھسلی پر چڑھائی کر دی اور مفتوحہ علاقوں میں

کشت و خون کی ایسی گرم بازاری کی جسکی یادگار تاریخ میں ہمیشہ ثبت رہےگی مگر جب مسلمانوں نے ادہم پاشا کی کمان میں یونانی قزاقوں اور یوروپین بھیڑیوں پر فتح حاصل کی تو تمام یورپ میں ماتم مچ گیا اور ترکوں پر لعنت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ ۲۶ اپریل ۱۸۹۷ء کے لندن کے اخبار ڈیلی کرانیکل میں لکھا گیا

ظالموں (ترکوں) کا گروہ بہت بڑی جمعیت رسالہ اور بھاری توپخانہ کے ساتھ بتدریج عیسائی مملکت میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ پیشقدمی فوجی اصول کے مطابق اس قدر مذموم نہ ہو جسقدر تہذیب و شائستگی اور بنی نوع انسانی کی بہبودی کے حق میں مہلک ثابت ہوسکتی ہے۔ اگر اس امر کو مؤخرالذکر روشنی میں دیکھا جائے تو یہ نہایت تاریک نظر آئیگا۔ فرمانروائے ترک تمام اچھے آدمیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ قتل و غارت کی تجاویز سوچنے میں مشہور ہیں یہ انسانی حیوان جس کا نام لیتے ہی انسان کانپ جاتا ہے جن کو تھوڑے ہی دن ہوئے کہ وزیر انگلستان نے غضب الٰہی سے ڈرایا تھا جس کی توسن آزادی کو لگام دینے کے مسئلہ پر یورپ کی متحدہ طاقتیں اسوقت نہایت سرگرمی سے غور کررہی ہیں۔ اب اپنے رہزنوں اور قزاقوں کی جماعت چھوٹی سی عیسائی آبادی (یونان) کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے بھیج رہا ہے یہ ظالم مسلمان صدیوں کی بہادرانہ کشمکش اور کوشش کے بعد بلقان کے تمام حصوں سے نکالے گئے تھے اب پھر انھوں نے یورپ کی طرف فتحمندانہ پیشقدمی شروع کی ہے۔ ہلال صلیب کو شکست دیکر خارج کررہا ہے۔ عیسائی مذہب کے اس مقدس نشان سے ابتک فتح و نصرت ہم عنان بنتی رہی کنسٹنٹائن کے عہد کے

بہشتی افسانہ اب بے وقت ہو گئے۔ لیکن اب عیسائی طاقتوں کے خیالات اور یونان کی حالت کے مطابق ان الفاظ کو یوں کہنا چاہیئے کہ اس نشان کے نیچے تم منہزم و مقتول و تباہ و برباد کئے جاؤ گے۔ ان طاقتوں میں گریٹ برٹن بھی شامل ہے اور ہم اہل انگلستان اس گناہ کے ذمہ وار ہیں۔

حضرات! صرف یہی نہیں بلکہ تمام یورپ میں شور مچ گیا کہ ترک یونانی آبادی کا صفایا کئے دیتے ہیں اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ انگریزی سفیر سر فلپ کری کی سرکردگی میں سفراء نے باب عالی پر سخت اعتراض کیا جس کے جواب میں خود یوروپین نامہ نگاروں نے اور مشاہدہ کرنے والوں نے حسب ذیل بیان شائع کیا تھا۔

ہم اپنی ذاتی معلومات سے شہادت دیتے ہیں کہ عثمانی سپاہ نے اپنا رویہ قابل تعریف ثابت کیا ہے اور اسی طرح ترک افسروں نے لوٹ روکنے اور عیسائیوں کو ہر طرح محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس وقت بہت سے یونانی جو یہاں واپس آ گئے ہیں ان کے سلوک سے نہایت اطمینان ظاہر کرتے ہیں۔ قرب وجوار کے دیہاتوں میں جو یونانی آئے ہیں وہ ترکی فوج کی حفاظت طلب کرتے ہیں۔ یونانیوں کی شنائع ذکر کرنے کے بعد پھر لکھا گیا ہے۔

"لیکن ترکی فوج کی تربیت اور رویہ قابلِ تعریف رہا ہے وہ دنیا کے بہترین نوجوانوں سے نہایت عمدگی سے مقابلہ میں پیش کی جا سکتی ہے تمام یوروپینوں کی جو اس لشکر میں ہمراہ ہیں یہی رائے ہے۔"

اس کے نیچے ای ایشمڈ بارٹلٹ ممبر پارلیمنٹ اور ٹائمز، اسٹنڈرڈ۔ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ریوٹر۔ ڈیلی میل اور مارننگ پوسٹ کے نامہ نگاروں کے دستخط ہیں۔ (تھسلی کا میدان جنگ صفحہ ۱۳۴)

حضرات دیکھا یہ ہے یورپ کا مسلمانوں سے رویہ، یہ ہے اس کی صدق بیانی، یہ ہے اس کا مذاہب سے غیر جانبدارانہ طریق، یہ ہے اس کا تہذیب و تمدن۔

پھر اس پر بھی اکتفا نہ ہوئی۔ ۲۶ مئی کو قسطنطنیہ میں برطانیہ عظمیٰ نے بذریعہ سفیر سر فلپ کیرے اعلان کر دیا کہ "کوئی ایسا ملک جو عیسائیوں کے قبضہ میں رہ چکا ہو مسلمانوں کو نہیں دیا جا سکتا"۔

آپ ان الفاظ کو دیکھیں اور برطانیہ و یورپ کی عدالت اور انسانیت پر نظر ڈالیں۔ ہم خود تو کیا لکھیں خود برٹش پارلیمنٹ کے ممبر ای ایشمڈ بارٹلٹ کے الفاظ یہ ہیں۔

> گویا انگلستان نے یہ ایک عجیب اور چونکا دینے والا اصول نکالا کہ خواہ کوئی فریق راستی پر ہو یا غلطی پر، خواہ جنگ وجبر و تشدد میں کسی طرف سے ابتدا کیوں نہ ہو مسلمان یا ترک فتح کر کے مسلمہ فوائد سے محروم کئے جائیں گے۔ اور انھیں خونریزی و صرف زر کے معاوضہ میں ایک انچ زمین بھی نہیں ملیگی حالانکہ بخلاف اس کے عیسائی فاتح مفتوح سلطنت سے ہر قسم کے مفید مطلب شرائط منوانے اور مفتوحہ ممالک کے الحاق کا استحقاق رکھتا ہے۔ یہ

عجیب اصول ایک ایسی گورنمنٹ کے قرار دیا ہے جو دنیا میں
سب سے بڑی اسلامی سلطنت سمجھی جاتی ہے"

کیا اس اعلان سے بڑھکر کوئی عیسائی ملک مسلمانوں کو نہیں دیا جاسکتا
جزیرہ نمائے بلقان کے نیم وحشی بے اصول اور طماع ریاستوں کی آتش حرص
کے بھڑکانے کے لئے کوئی اور تحریک ہوسکتی ہے، گویا سرویا، مانٹی نگرو،
اور بلگیریا وغیرہ کو جرأت دلائی جاتی ہے کہ ان میں سے جو چاہے اور جب چاہے
ترکی قلمرو پر حملہ آور ہوسکتا ہے۔ یورپ اس بات کی ذمہ داری کرتا ہے کہ خواہ
ان کی یورش کیسی ہی غیر منصفانہ اور ظالمانہ کیوں نہ ہو ان کو ذرا بھی ملکی نقصان
نہ اٹھانا پڑے گا۔

حضرات علمائے کرام! یہ سب کچھ ہوا اگر کبھی بھی یورپ نے اسلام کے ساتھ کوئی
منصفانہ کارروائی نہ کی۔

ترک خواہ فاتح ہوئے یا مفتوح، ان کا ہی گلا گھونٹا گیا۔ انھوں نے
کتنی ہی رعایا پروری اور انصاف کی دادی۔ مگر ان پر ہمیشہ ظلم وستم کے پہاڑ ہونے
کے بہتان باندھے گئے۔ یورپ نے خود کتنے ہی وحشیانہ کارنامے اور ناگفتہ بہ
معاملات کئے۔ وہ ہمیشہ اصلاح اور تمدن کے بانی اور انسانیت کے خادم بنے
رہے۔ ان کے مورخ خود یورپ کی ظالمانہ اور وحشیانہ کارروائیوں کے اقرار
کر رہے ہیں مگر ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ ارمینیوں کے ورغلانے میں
جو جو خلاف انسانیت اور مخالف آدمیت کارروائیاں کی گئی ہیں، وہ احاطہ
بیان سے باہر ہیں۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں قزاق جنگ لیبیا اور طرابلس میں انگلستان اور اس کے ہوا خواہوں نے جو کچھ اٹلی کی امداد و اعانت کرتے ہوئے عملی کارروائی کی ہے وہ خود یورپ کی تاریخ کو ابد الآباد کے لئے سیاہ کر رہی ہے۔

انگلستان کے مشہور و معروف جورسٹ ایڈورڈ بارکلے نے اپنی کتاب میں یہ دلائل محکم ثابت کر کے دکھایا ہے کہ "اٹلی کی اس فعل سے نہ صرف بین الاقوامی امن و انتظام کی شدید خلاف ورزی ہوئی ہے، بلکہ مغربی تہذیب کی شہرت و عزت کو اہل مشرق کی نظر میں سخت صدمہ پہنچگیا ہے اور اٹلی کو اس کے قزاقانہ فعل کی اجازت دینے سے تمام دول یورپ نے اپنے دامن انصاف وایمانداری کو ایسا آلودہ کر لیا ہے کہ سالہا سال کی تمدنی واخلاقی کوششوں سے بھی یہ داغ بدنامی چھڑایا نہ جاسکے گا۔"[۱]

مذکورہ بالا مظالم کی بنا پر بہت سے مسلمانوں نے تو مسئلہ خلافت کو بنیادی حیثیت دی تھی اور وہ صرف احیاء خلافت کو اس کا علاج سمجھتے تھے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے نزدیک آزادی ہند۔ بنیادی مسئلہ تھا۔ اور استخلاص وطن کا مرہم ہی ان زخموں کا علاج کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس خطبہ کے آخر میں ارشاد ہے

"اس لئے ہم سبھوں کو شرعی حیثیت سے فرض اور لازم ہے کہ بوجہ عدم استطاعت مقابلہ بالقوت ملائم اور نرم جنگ یعنی ترک موالات سے کسی طرح نہ ہیورٹیں اور نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس میدان میں قدم بڑھائیں اور اپنے آزاد کرانیکے لئے

---

[۱] مجموعہ خطبات صدارت و نایاب تقاریر۔

ہر ممکن کوشش کو امن اور صلح شوری کے ساتھ اتباعِ مذہب کرتے ہوئے عمل میں لائیں۔ اپنی آزادی سے ہی ہم دوسرے ممالکِ اسلامیہ کی حفاظت، خلافت کی تقویت، مقاماتِ مقدسہ کی حمایت کر سکتے ہیں۔ اور پھر اپنے دین، اپنے اہل و عیال، جان و مال، کی بھی حفاظت ہو سکتی ہے۔ بغیر اس کے ہمارے لئے ہر عمل میں روڑے موجود ہیں[۵]۔

اجلاس کوکناڈا کی صدارت

دسمبر ۱۹۲۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کا پانچواں اجلاس عام کوکناڈا میں ہونے والا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی چند ماہ پیشتر دو سال کی قید و بند سے رہا ہوئے تھے۔ قرعہ صدارت نے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی طرف اشارہ کیا۔ اور ذمہ داران جمعیۃ علماء ہند نے اسی اسم مبارک کو سب سے زیادہ موزوں پایا۔

جیل کی سلاخیں جو چند روز پہلے تک آپ کو گھیرے ہوئے تھیں اور قید و بند کی پریشانیاں جو دو سال تک خون جگر پیتی رہی تھیں ابھی فراموش نہ ہوئی تھیں۔

شورش تحریک ماند پڑ چکی تھی۔ اور حکومت کا آہنی پنجہ پہلے سے زیادہ

---

[۵] مجموعہ خطبات صدارت و نایاب تقاریر۔

سخت ہو گیا تھا۔

"زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز" کے دنیا وی اصول کے مطابق ممکن تھا کہ عوام کے مذاق کی باتیں کی جائیں اور ان کے جذبات سے کھیلا جاتا، مگر شیر ببر ہر ایک ضرب کے بعد پہلے سے زیادہ بہادر۔ اور اپنے حملہ میں پہلے سے زیادہ جری اور دلیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس اجلاس کا خطبہ صدارت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور جس جرم پر دو سال کی سزا ہوئی تھی اسی کو پوری قوت و شدت سے دہرایا جا رہا ہے۔ چنانچہ پورے بارہ صفحات میں مظالم برطانیہ کو واشگاف کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) برٹش کی ناپاک پالیسی ہندوستانی فوجوں سے اپنی اغراض کے لئے مسلمان قوموں اور ان کے دار و دیار مال و منال عزت و آبرو پر ہتھیار اٹھواتی ہے ان کو قتل کرواتی ہے۔ ان کو ہر طرح پامال کراتی ہے۔ اگر کوئی فوجی اس امر کو حلال جان کر کرے گا تو حسب احکام شرعیہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر حرام جانتا ہوا خوف یا طمع دنیاوی کی وجہ سے اس کا مرتکب ہوا ہے تو سخت گنہگار اور فاسق ہو جائیگا وہ استحقاق اس کا رکھتا ہے کہ نہ اس کی توبہ قبول ہو اور نہ اس کو کبھی دوزخ سے نکالا جائیگا۔ چنانچہ متعدد آیات اور بے شمار حدیثیں اور فقہاء کرام کے اقوال موجود ہیں، مگر چونکہ حاجات معاشیہ ہندوستانی نادار مسلمانوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ فوج میں بھرتی ہو کر ان گناہوں میں مبتلا ہوں اس لئے ان کے اور پولیس وغیرہ کے ایمان

اور دین کی سلامتی فقط اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔

(۲) چنانچہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں کے برباد کرنے کے لئے یہ ناپاک پالیسی ہندوستان کے باشندوں سے مالی استعانت اور چندہ وغیرہ طلب کرتی رہتی ہے۔ اور شرعی حیثیت سے اس قسم کی اعانت بھی کافروں کی مسلمانوں پر حرام ہے اس لئے اعانت کرنے والے سخت گنہگار ہوتے ہیں۔ بلکہ حلال جاننے والوں کا ایمان خطرہ میں ہو جاتا ہے۔ اس سے نجات فقط ہندوستان کی مستقل آزادی میں ہو سکتی ہے۔

(۳) حسب تصریح آیت سورۂ بقرہ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم الآیۃ (جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں ان سے خدا کے دین کے لئے جنگ کرو) اور حسب تصریح آیت سورہ توبہ وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (جس طرح مشرک قومیں جمع ہو کر تم سے جنگ کرتی ہیں تم بھی جمع ہو کر ان سے جنگ کرو) نیز حسب تصریح آیت ثانیہ سورۂ توبہ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ (تم اپنے سے نزدیک ہونے والے دشمنان کفار سے جنگ کرو۔ اور چاہئے کہ وہ تم میں شدت اور قوت کا احساس کریں) ضروری اور فرض ہے کہ بوجہ پالیسی مذکورہ اس گورنمنٹ سے مقابلہ کیا جائے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی عزت و شوکت کو کم اور اس کی قوت کو فنا کیا جائے

اس کے عزم وارادوں میں گھن لگا کر کھوکھلا کر دیا جائے۔ چونکہ برٹش
گورنمنٹ کے جملہ لاف وگزاف اور نخوت وسطوت تعاظم وتکبر قوت و
دبدبہ وغیرہ کا بڑا مدار ہندوستان کا غلام ہوناہے اس لئے اس
باعث جبر ونخوت کو توڑ دینا ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہوگا۔ اور یہی اعلیٰ
درجہ کی جنگ اس گورنمنٹ کے ساتھ ہوگی۔ یہی بات اس کے گھٹنے
لگا دے گی۔ ہندوستان کی مکمل آزادی اور اس کا سوراج انگلستان
کی موت کا مرادف ہے۔

دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

اس لئے سب سے بڑا اور اہم واجب اور ضروری فرض یہ ہے
کہ ہم نہایت شدومد سے پورے استقلال وعزم کو کام میں لاتے
ہوئے اس ناپاک پالیسی کا مقابلہ کریں خصوصاً جبکہ تمام قانونی
کارروائیاں بے سود ثابت ہوچکی ہیں اور نہایت زیادہ لازم ہے
کہ گورنمنٹ کو مجبور کرتے ہوئے اس کے پرانے انسانیت سوز جس
رویہ کو چھوڑ دائیں اسی کے ساتھ مقابلہ کرنا اپنا حقیقی نصب العین سمجھیں
اور جبتک مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو نہ خود چین سے بیٹھیں اور
نہ گورنمنٹ کو چین سے بیٹھنے دیں۔

لیکن کیا یہ مقابلہ۔ اور اگر بزور یہ جنگ صرف مقامات مقدسہ کی حفاظت
کے لئے کی جائے۔ یا صرف ہندوستانی مسلمانوں کے مفاد کے لئے۔ نہیں پورے
ہندوستان کے لئے۔ بلکہ پورے ایشیاء کے لئے مغرب کے مقابلہ میں تمام

مشرق کے لئے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

انگلستان کا ہندوستان کے ہندو مسلمانوں سے تعلق

مذکورۃ الصدر قوموں اور ملکوں سے جو یورپ بالخصوص انگلستان کا تعلق اور پالیٹکس معاندانہ اور دشمنانہ بلکہ مخالف انسانیت و تہذیب رہا ہے اس کے اصل سبب دو ہیں جنکا ہر مقام پر لحاظ کیا جاتا ہے اول اسلام۔ دوم مشرقیت سبب اول نظروں میں بہت ہی زیادہ کھٹکتا رہا بلکہ ہمیشہ خار ہو کر آنکھوں میں چبھتا رہا کیونکہ اس کے ساتھ واقعی تہذیب اور حقیقی قوت تھی وہ ایک زمانہ میں اپنا درین آفتاب تمام دنیا کے آفاق پر نور افگن رکھتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دل کنپا دینے والی تلوار تھی جس کی ہیبت سے مسیحی بھیڑیئے کو ہساروں میں چھپے رہتے تھے۔ امر ثانی اگرچہ مفہوم میں اول سے علیحدہ ہے۔ مگر چونکہ مصداق میں امر اول کے ساتھ بہت بڑے مجموعہ افراد میں اجتماع رکھتا ہے اس لئے اس کی طرف بالخصوص نظریں کم پڑیں۔ مگر جب کبھی غیر مسلم افراد پر توجہ کی گئی یا مفاہیم کی تفتیش کی نوبت آئی تو معلوم ہوا کہ یوروپین اقوام عموماً اور برٹش حکومت خصوصاً مشرق کی نہایت سخت دشمن ہیں نہ مشرقیوں کو انسان سمجھتی ہیں اور نہ ان کے لئے انسانی اور ملکی حقوق کا استحقاق مانتی ہیں۔ وہ ان کے نزدیک حیوانات یا اس سے بھی بدتر ہیں۔ ہندوستان جیسے براعظم پر انگلش قوم نے سنہ ۱۶ء کے ابتداء سے تعلق پیدا کیا اور عرصہ دراز تک تجارتی اشتغالات رکھتے ہوئے

رفتہ رفتہ گھن کی طرح سیاسیات اور ہندوستان کی زندگی اور اس کی جملہ ضروریات اور محاصل میں مداخلت کی یہاں تک کہ ۱۷۶۵ء سے ملک گیری شروع کر دی ۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کو ہر حیثیت سے ادھ موا کر کے باقاعدہ اپنی حکومت کی طرف سے ہندوستان کی حاکم بن گئی۔ اور ۱۸۵۸ء سے برٹش گورنمنٹ نے ایک نہایت زرین اور خوبصورت اعلان کے ساتھ بادشاہت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ہم اس وقت نہ تفصیلی واقعات کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس کا موقع اور ضرورت ہے فقط اتنا دکھلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں بھی اسلام کی بیخکنی اور مشرقی اقوام کی توہین و تذلیل اور ان کے ضعیف و کمزور بنانے کے وہی وحشی اور غیر مہذب حربے استعمال کئے گئے جو کسی مدعی تہذیب اور خادم انسانیت قوم و شخص کے لئے جائز نہیں۔ باہم حکام و رعایا اور اسی طرح باہم ہندوستان کی بسنے والی اقوام میں افتراق ڈلوایا گیا۔ ایک کو دوسرے پر مسلط کرا کر خاندان اور قوت و شوکت برباد کرائی گئی۔ اپنی جابرانہ حکومت اور سطوت جمائی گئی۔ طرح طرح کی بدعہدیاں عمل میں لائی گئیں۔ غیر واقعی سبز باغ دکھلائے گئے۔ ہندوستانیوں کو آپس میں لڑایا گیا۔ ہندوستانیوں کی تجارت اور صنعت کے بند کرنے کی طرح طرح کی کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ انہیں اغراض سے ان پر بیجا مالی اور جانی ناروا اور بیجا تشددات شنیعہ جاری کئے گئے مختلف عیاریوں اور پالیسیوں سے ان کی ملکی ترقی اور اسباب معیشت کو یکقلم برباد کر دیا گیا۔ ان کے اموال و خزائن اور غلہ جات وغیرہ کو دوسرے

ممالک کی طرف نقل کر دیا گیا۔ ان پر طرح طرح کے وحشیانہ قوانین اور احکام نافذ کیئے گئے۔ ان کے اخلاق و عادات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا گیا۔ ان کے قلوب اور دماغوں کو نہایت ناکارہ کر دیا گیا۔ ان کو حقیقی تعلیم اور اصلی ترقی سے بالکل روک دیا گیا وہ تعلیم دی گئی جو کہ نہ انکو ترقی کے میدان میں بڑھنے دے اور نہ واقعی راستہ دکھلائے۔ ان میں جہالت اور اوہام پرستی کی روز افزوں ترقی کرائی گئی۔ ان کو ہر قسم کے مادی کمالات سے محروم کر دیا۔ ان کی رفاہیت اور خوش وقتی مبدل بہ افلاس و تنگدستی کر دی گئی۔ ان کی شجاعت اور بہادری مبدل بہ جبانت و نامردی کی گئی۔ ان کی جفاکشی و بیدار مغزی مبدل بکاہلیت و تغافل بنادی گئی۔ ان کے ہر فن اور ہر کمال کی تعالی مبدل بہ تسفل کر دی گئی۔ ان کی دیانتداری اور خدا پرستی مبدل بہ دہریت والحاد و زندقہ کی گئی۔ ان کی صداقت و حقانیت مبدل بہ دروغ گوئی و باطل پرستی بنادی گئی۔ ان کے جذبات عالیہ اور ملکات فاضلہ سب کے سب انحطاط اور تنزل کے گڑھوں میں دفن کر دیئے گئے۔ ان کی آزادی افکار اور حریت اجسام وارواح بدترین غلامی کی قبروں میں دفن کر دی گئیں۔ ان کی روشن دماغی اور صفائی قلبی کج خیالی اور تکدر باطن کی تاریکیوں میں مضمحل کر دی گئیں۔ وہ پالیسیاں اور ڈپلومیسیاں عمل میں لائی گئیں جنکی وجہ سے کبھی یہ ملک اور اس کے باشندے ترقی تو درکنار نفس زندگی کے مستحق قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ نہ ان کے انسانی حقوق کا تحفظ رہا نہ ملکی اور وطنی استحقاقات کی رعایت کی گئی۔ نہ مذہبی اور روحانی اصول اور قواعد کا احترام کیا گیا۔ اس زمانہ میں جبکہ ہر قوم اور ہر آبادی ترقی کی افلاک کے

درخشاں ہونے کی کوشش ہی نہیں بلکہ مسابقت بھی کر رہی ہے۔ ہندوستان ہر طرح دست و پا بریدہ نظر آتا ہے۔ وہ حسرت کی بھری ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہے مگر اپنی بے بسی اور ہاتھ پیر کی سخت بیڑیوں پر نظر ڈال کر خون کے آنسو بہاتا ہوا آہ سرد بھر کر سرنگوں ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر تو تہذیب و تمدن کی دیویاں اس کو اپنے پہلوئے عافیت اور گہوارہ تربیت میں پال رہی ہیں۔ آزادی اور انسانیت کی خدمت کرنے والے دیوتا اس کی گلہ بانی کر رہے ہیں۔ امن و امان کے پوجاری اس کی نگہبانی اور حفاظت کر رہے ہیں۔

شردہانند آنجہانی رہا کیے جا چکے تھے اور ان کے ذریعے سے متھرا آگرہ ایٹہ کے اضلاع میں ناواقف مسلمانوں کو (معاذ اللہ) مرتد کر کے ہندو مسلم اتحاد کا جنازہ اٹھایا جا رہا تھا۔ مگر آپ کی نظر اس ظاہری تماشہ پر نہیں تھی۔ بلکہ ان پوشیدہ انگلیوں پر تھی جو پردہ کے پیچھے سے ان پتلیوں کے تار ہلا رہی تھیں۔ اور ہندوستانی تماشائیوں کے سامنے اُن کا ناچ نچوا رہی تھیں۔ چنانچہ آپ نے اس خطبہ میں ہندو مسلم اتحاد کیلئے ایک دلیل کا مزید اضافہ فرمایا۔

واعدوا لهم ما استطعتم	دشمنان اسلام کے لئے تم جقدر بھی قوت
من قوة ومن رباط الخيل	اور سواریاں گھوڑوں وغیرہ کی ہو سکے
ترهبون به عدو الله	تیار کر لو۔ تاکہ اُس کے ذریعے سے تم خدا کے
وعدوكم (الآیۃ سورہ انفال)	اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو۔

صاف بتلا رہی ہے کہ مسلمانانِ اہل ہند کے لئے یہ اتحاد ضروری ہے کیونکہ وہ قوت جس کے ذریعے سے ہم دشمن کو ڈرا سکتے اور اس کے تیر بلے

دل ودماغ کو پگھلا سکتے ہیں وہ اہل ہند کیلئے ظاہری حیثیت سے اتحاد ہندو مسلم اور صرف اتحاد ہندو مسلم ہے اس لئے یہ اتحاد مذہبی حیثیت سے فقط جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہوگا۔

فتنہ ایجاد برطانوی ایجنٹوں کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

دوسرے نوزائیدہ دشمن اور ملکی معاندوں سے مقابلے

اس درمیان میں اگر دوسری پالیسیاں سد راہ ہوں یا اور کوئی دوسری قوت عناد دشمنی کی زہریلی وبا پھیلائے تو نہایت عقلمندی اور غور وفکر کو کام میں لائیں۔ کہیں ایسا نہ ہوکہ یہ نوزائیدہ دشمن ... اصلی اور بڑے سخت پیمانہ پر ہلاک کرنے والی پالیسی کے جراثیم ہوں۔ یا کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ ہم اس وطنی دشمن سے لڑ بھڑ کر ہندوستانی قومیت کو اور زیادہ ضعیف کردیں اور رہی سہی قوت کو تہ وبالا کرتے ہوئے اس مہلک دشمن کو اور بھی قوی کردیں اُسکے زہریلے پنجے اور زیادہ چبھ جائیں اس لئے حتی الوسع صلح و آشتی اور صفح وعفو اور درگذر سے کام لیا جائے اگر یہ ناممکن ہوجائے تو محض ضرورت کے موافق مقابلہ کیا جائے اور گرد وپیش کو ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ چند مخصوص افراد کی مفسدہ پردازی کا اثر تمام ملک وقوم پر عائد نہ کیا جائے۔ یہ امر تو نہ عقل ودوراندیشی کے مطابق ہے اور نہ وقتی احوال اس کی اجازت دینے والے ہیں۔ اور نہ مذہب اس کو جائز رکھتا ہے۔

تحریک خلافت کا خاتمہ۔ شدھی سنگٹھن اور حضرت شیخ کی تبلیغی خدمات

مقدمۂ کراچی کے بعد بھی کچھ عرصہ تک تحریک خلافت اسی قوت سے چلتی رہی لیکن ذمہ دا

زعماء کی گرفتاریوں کے بعد ایسی تحریک میں اضمحلال لازمی تھا جو ابھی ابتدائی دور میں تھی علاوہ ازیں رہنماؤں کی غیر موجودگی میں عدم تشدد کی پابندی عوام کیلئے مشکل تھی چنانچہ چورا چوری ضلع گورکھپور کی پولیس کی چوکی پر حملہ کر کے سپاہیوں کو قتل کر دیا گیا۔ جب گاندھی جی نے جو اس وقت تک گرفتار نہ ہوئے تھے تحریک کا یہ رُخ دیکھا تو تحریک کے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔

اب حکومت کو موقع ملا کہ ہندو مسلم اتحاد کے ہیکل کو زیادہ سے زیادہ مجروح کر دے۔ چنانچہ شردھانند آنجہانی کو تحریک شدھی کا علمبردار بنا کر جیل خانہ سے رہا کیا گیا۔

پنڈت مدن موہن مالویہ آنجہانی نے ہندوؤں کی تنظیم اور سنگٹھن کا بیڑا اٹھایا آگرہ اور متھرا وغیرہ کی نو مسلم جاٹ قوم جو مذہب سے صرف اتنی آشنا تھی کہ مردم شماری کے وقت مذہب کے خانہ میں مسلمان لکھوا دیا کرتی تھی۔ اس کو ترغیب دی جانے لگی کہ اس مذہب کو چھوڑے اور اپنا قدیم مذہب اختیار کر لے چنانچہ ایک طرف ان اضلاع میں شدومد سے ارتداد شروع ہوا۔ اور دوسری جانب مالوی جی کے سنگٹھن نے ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع کرا دیا۔

شاطران برطانیہ کے اس ایک شعبدہ نے اس ہندوستان کو جو کچھ عرصہ پیشتر ہندو مسلم اتحاد کا گلستاں بنا ہوا تھا ہندو مسلم نزاع اور کشاکشی کا جہنم بنا دیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا محمد علی صاحب وغیرہ اس وقت رہا کئے گئے کہ ہندوستان کا زمین و آسمان بدل چکا تھا۔ چونکہ برطانوی ایجنٹوں کی یہ تمام شعبدہ کاری اس لئے تھی کہ جذبۂ آزادی کو کچلا جائے۔ اور ہندو مسلم

اتحاد سے جو حریت و استقلال کی شاہراہ قائم ہوگئی تھی اس کو بند کردیا جائے۔ لہٰذا محبانِ حریت کا پہلا فرض تھا کہ وہ برطانیہ کے اس حملہ کی پوری قوت سے مدافعت کریں اور جذبات حریت کو سرد نہ ہونے دیں۔ چنانچہ گاندھی جی نے ۲۲ دن کا برت رکھا اور مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے دولتکدہ کو قیام کے لئے منتخب کیا۔ غالباً یہ خیال کیا ہوگا کہ جن سے اتحاد کی اپیل ہے انھیں کے در پر موت آنی چاہئے۔[1]

مولانا محمد علی صاحب وغیرہ نے بھی اپنی پوری قوت اس وبا کے دبانے میں صرف کردی۔ مگر اتحاد کی ان کوششوں کے مقابلہ میں تفریق کی وہ جدوجہد جس کو انگریزی سرکار کی پشت پناہی حاصل تھی کامیاب رہی۔ ان رہنمایان قوم کی دعوت اتحاد صدا بصحرا ثابت ہوئی اور مسلمان تحریک آزادی سے کنارہ کش ہوتے رہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی اور آپ کی جماعت (جمعیۃ علماء ہند) کو اس عرصہ میں دو طرفہ جنگ کرنی پڑی۔ ہندو مہاسبھا اور آریہ جماعت کے فتنہ کا بھی پوری طرح سے مقابلہ کیا اور شدھی کی تمام تحریک کو ناکام کردیا۔ انگریزی ریشہ دوانیوں کے مقابلہ میں درسِ آزادی سے دماغی انقلاب بھی پیدا کرتے رہے۔ اس صبر آزما دور میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا ایک اسٹیج کانگریس کا پلیٹ فارم تھا جہاں سے دولت برطانیہ کی طاغوتی طاقت پر ضرب لگائی جاتی تھی۔

اور آپ کا موقف۔ ارشاد و تبلیغ کا منبر تھا جہاں سے گم گشتگان راہ کو دعوت اسلام دی جاتی تھی اور گشتگان وبامِ ارتداد کو دوبارہ زندگی عطا کی جاتی تھی آپ کی جدوجہد کا سب سے اہم محور صوبہ بنگال۔ پھر صوبہ آسام رہا۔ یہی صوبہ

---

[1] ملاحظہ ہوں مضامین مولانا محمد علی جوہر مرحوم ج ۲

بنگال ہے جو حضرت سید صاحب شہیدؒ اور پھر آپ کے خلفاء کے دائرہ تبلیغ وارشاد کا بھی مرکز رہا ہے۔ ان اکابر کے صحیح جانشین نے بھی اس علاقہ کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا۔

سنہ ۲۳ء سے سنہ ۲۸ء تک تقریباً ۶ سال آپ بنگال میں اور پھر سلہٹ (آسام) کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقہ کی اصلاح کے لئے آپ کا قیام رحمت خداوندی اور تائید غیبی تھا اس عرصہ میں درس وتدریس کے علاوہ آپ کا بڑا مشغلہ تبلیغ واصلاح تھا۔ صوبہ آسام کی مرطوب آب وہوا میں کافی احتیاط کے بغیر صحت کا باقی رکھنا بالخصوص غیر بنگالی اور غیر آسامی کے لئے امر محال ہے۔ ندیوں۔ نالوں۔ اور سیلاب زدہ نشیبی زمینوں کا ایک سلسلہ ہے جس کا نام آسام اور بنگال ہے۔ قدرت نے گویا اس کو طوفانوں۔ سیلابوں اور بارشوں کے لئے بنایا تھا۔ مگر انسان نے زبردستی رہنا شروع کر دیا ہے اور سطح زمین نہیں ملتی تو سطح آب پر کشتی کے سینہ ہی کو مسکن بنا لیتا ہے۔ ایسی سرزمین میں کسی خشک ملک کا باشندہ کس طرح صحت باقی رکھ سکتا ہے مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو خداوند عالم نے فوق العادت ہمت عطا فرمائی ہے آپ نے چھ سال تک وہاں قیام ہی نہیں کیا۔ بلکہ سطح آب کو سطح زمین کی طرح تبلیغی دوروں کا جولان گاہ بنا لیا۔

وہ ندی اور نالے جو ہر آبادی کے گرداگرد ہیں اور ایک آبادی کو دوسری آبادی سے جدا کرتے ہیں اور بسا اوقات ایک ہی آبادی کے سینہ کو چاک کرتے ہوئے گذرتے ہیں گویا شہر کی گلیاں تھیں جن کو بلا تکلف حضرت شیخ الاسلام

رات کے وقت طے کرکے قرب وجوار کی آبادیوں میں پہونچتے اور وعظ و تبلیغ فرماتے
ایسا بھی ہوتا کہ ان خطرناک ندیوں اور نالوں کو طے کرنے کے بعد جس گاؤں
میں پہونچتے وہاں مٹھی بھر انسانوں ہی کا اجتماع ہوتا. مگر آپ مجمع کی قلت سے کبھی
بھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے۔ اور سات آٹھ آدمیوں کے مجمع کو بھی اسی بشاشت کے
ساتھ اللہ کے احکام سناتے جس مسرت اور ولولہ کے ساتھ ہزاروں کے مجمع کو
ان مجاہدات کا اثر بہت خوشگوار رہا۔ تھوڑے عرصہ بعد ہی سلہٹ اور کچھار
وغیرہ کے اضلاع آپ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور آپ کے اخلاص و ایثار سے
متاثر ہوکر حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ یہ علاقہ جہاں بیس سال
پیشتر دو چار عالم ہی ہوں گے. بفضلہ تعالیٰ گلشن علم بن گیا ہے۔ دو درجن کے
قریب عربی مدارس صرف ضلع سلہٹ میں قائم ہوچکے ہیں جن میں ہزاروں
بچوں کو نہ صرف یہ کہ دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ بعض مدرسوں میں عربی
کی انتہائی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تجوید اور قرارت کو تعلیم کا لازمی جزء قرار دیدیا
گیا ہے. جس کا اثر یہ ہے کہ اس علاقہ کا ہر ایک بچہ متوسط درجہ کا قاری ہوتا ہی۔
باگھا۔ وغیرہ کے مدرسوں میں کئی کئی سو طلبہ تعلیم پاتے ہیں جن کو تعلیم کے
ساتھ رضاکارانہ پریڈ بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اور بنوٹ وغیرہ کی تعلیم بھی دی
جاتی ہے۔

جون ۱۹۴۶ء میں احقر نے ضلع سلہٹ کا دورہ کیا تو یہ مدارس اور ان کے طلبہ کی
حسینی فوج۔ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور جمعیۃ علماء ہند
وغیرہ کے متعلق ان کے دل آویز ترانے احقر کے لئے روحانی غذا ثابت ہوئے

جنکا لطف آجتک محسوس ہوتا ہے۔

۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں حضرت مدظلہ العالی صدارت دارالعلوم دیوبند کے لئے سلہٹ کو خیرباد فرمارہے تھے تو اہل سلہٹ کی عقیدت و محبت اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کے جذبہ ارشاد و اصلاح نے ایک باہمی معاہدہ کرادیا تھا کہ رمضان المبارک کا مبارک مہینہ حضرت ممدوح سلہٹ میں گذارا کریں گے۔

چنانچہ اہل سلہٹ سارا سال تمناؤں اور مرادوں میں گذارتے تھے اور جیسے ہی شعبان المعظم شروع ہوتا تھا دعوتی خطوط اور تار پہنچنے لگتے تھے۔ اگر کچھ شبہ ہوجاتا تو سلہٹ سے وفود حاضر ہونے لگتے۔

چنانچہ ۲۷، ۲۸ شعبان المعظم تک حضرت دیوبند سے روانہ ہوکر سلہٹ پہونچتے عقیدتمندوں کے گروہ کئی اسٹیشنوں تک اور بعض حضرات کلکتہ تک آپ کے استقبال کے لئے پہونچتے اور اس طرح اہل سلہٹ ابتدار رمضان ہی میں ہلال عید کی خوشیاں مناتے۔ سلہٹ پہونچکر حضرت کے مشاغل حیرت انگیز ہوتے پورے آسام اور بنگال سے متوسلین و مریدین سلہٹ پہونچ جاتے۔ کچھ قیام کرتے اور کچھ زیارت کرکے اور دو چار روز خدمت میں حاضر رہ کر واپس چلے جاتے۔ اس طرح اوسطاً چار سو پانسو حضرات کا مجمع ہر روز حاضر رہتا۔

حضرت مدظلہ العالی مختصر سے افطار کے بعد نماز مغرب سے فارغ ہوکر نوافل میں مشغول ہوجاتے اور تمام سال کے معمول کی طرح اس وقت نوافل میں سوا یا ڈیڑھ پارہ کی تلاوت ہوتی۔ پھر تراویح میں سلہٹ اور بیرون سلہٹ کے سیکڑوں مومنین قانتین شریک ہوتے۔ قرآن شریف حضرت شیخ خود سناتے

اور جس طرح ائمہ حضرات فرائض میں تجوید و قرارت اور خاص سکون اور وقفہ کے ساتھ قرارت کرتے ہیں اسی طرح حضرت تراویح میں قرارت کرتے ہیں۔ چنانچہ تراویح میں اگرچہ یومیہ سوا یا ڈیڑھ پارہ سنایا جاتا ہے مگر اس طرز تلاوت کے باعث تقریباً سوا دو گھنٹہ بیس رکعت میں صرف ہو جاتے ہیں۔

تراویح کے بعد حضرت سادہ اردو زبان میں وعظ فرماتے اور وہ انداز خطابت اختیار کرتے کہ آسام و مشرقی بنگال کے باشندے جو اردو بہت کم سمجھتے ہیں وعظ مبارک کے ہر ایک لفظ کو آسانی سے سمجھ جاتے۔

اہل سلہٹ کی طرف سے چار کا انتظام ہوتا۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ اثناء وعظ میں چار بھی پلائی جاتی۔ وعظ سے فراغت کے بعد نوافل میں ایک قرآن پاک کا سلسلہ چلتا اس کے بعد تھوڑی دیر آرام فرمایا جاتا اور پھر تہجد کا سلسلہ شروع ہو جاتا جس میں دو ڈھائی پارے یومیہ ہوتے۔ یہ سلسلہ صبح صادق سے تقریباً نصف گھنٹہ بیشتر تک جاری رہتا۔

نماز تہجد کے لئے حضرت اس خاموشی کے ساتھ اٹھتے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ کبھی اس میں کامیاب بھی ہو جاتے لیکن عموماً یہی ہوتا کہ خاص خاص متوسلین بھی تاک میں رہتے اور جب حضرت نوافل کی نیت باندھ لیتے تو وہ شریک ہو جاتے۔

نماز صبح سے فراغت کے بعد تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ آرام فرماتے اور پھر بیدار ہوتے ہی خطوط کے جوابات وغیرہ میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ اور کبھی سلہٹ یا مضافات سلہٹ کے حضرات

اپنے مکان پر لیجا کر برکت حاصل کرتے جہاں کچھ کلمات وعظ و پند بھی ارشاد فرمائے جاتے دوپہر کو قلیل سے قیلولہ کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جاتی - اور پھر قرآن شریف کے دور کا سلسلہ عصر تک اور عصر کے بعد مغرب سے کچھ پیشتر تک جاری رہتا - اس طرح دن اور رات میں کم و بیش دس دس قرآن شریف کا سلسلہ جاری رہتا۔

نماز عید سے فراغت پاکر واپسی ہوتی تھی آسام سے دیوبند تک متوسلین اور مشتاقان زیارت کے تقاضوں کے بموجب موقع بموقع قیام فرماتے ہوئے آخر شوال تک دیوبند ورود فرماتے - پھر اگر حج بیت اللہ شریف کا عزم بھی ہوتا تو یہ مسلسل سفر متواتر چھ ماہ تک باقی رہتا جس میں آرام و راحت کا نام بھی منزلوں دور ہوتا۔

معلوم ہوا ہے کہ حجاز پہنچکر بھی زائرین کی کثرت آرام کا موقع نہیں دیتی ۱۹۳۳ء میں جب آپ حجاز مقدس تشریف لے گئے تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ایم - ایل - اے - یو پی - بھی ہمراہ تھے - حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں قیام فرما تھے . مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان ہے کہ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کی خواہش رہی کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی سے ایک گھنٹہ تخلیہ کا موقع مل جائے مگر ممکن نہ ہوسکا۔

سلہٹ تشریف لیجانے کا یہ سلسلہ ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء تک جاری رہا - اسکے بعد ۱۹۴۷ء کے انقلابی غلغلشار نے اس سلسلہ کو منقطع کردیا اور جب تک لیگی وزارت کے بل بوتے پر غنڈوں کی غنڈہ گردی باقی ہے شاید حضرت مدظلہ العالی سلہٹ جانا پسند نہ فرمادیں گے - کیونکہ غنڈوں کی جماعت حضرت کی واپسی کے بعد سال بھر حضرت کے خدام پر عرصہ حیات تنگ رکھتی ہے - خدام کی تکلیف کو حضرت

برداشت نہیں کر سکتے۔

دار العلوم دیوبند کی صدارت

دار العلوم دیوبند کی مسند صدارت کے لئے خداوند عالم کے فضل و کرم نے ہمیشہ ایسے بزرگوں کو منتخب فرمایا ہے جو علم و فن کے تبحر کے ساتھ زہد و تقویٰ کے بھی تاجدار رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ اسرارہم کے سینے دریائے علم کے سرچشمہ تھے تو ان کے مبارک قلوب تجلیات الٰہیہ کے عرش معلےٰ۔ اور روحانی فیوض و برکات کے کوثر و تسنیم۔

حضرت علامہ کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کے استعفےٰ کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے سامنے دار العلوم دیوبند کی صدارت پیش کی گئی جس کو آپ نے مصالح دار العلوم کے پیشِ نظر منظور فرما لیا لیکن مسلمانوں کی دوسری مذہبی اور سیاسی خدمات کا جذبہ جو آپ کے رگ و پے میں نفوذ کر کے طبیعت ثانیہ بن چکا تھا اس نے اجازت نہ دی کہ عام مدرسین کی طرح آپ ملازمت اختیار کر لیں بلکہ اہتمام کے سامنے اپنے سیاسی مذاق اور سیاست ملت کی اہمیت کو پیش کرتے ہوئے کچھ شرطیں طے کر لیں جن کا مفاد یہ ہے۔ کہ

(۱) سیاسی خدمات کے لئے آپ آزاد ہوں گے۔

(۲) سیاسی امور میں مدرسہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہ عائد کی جائیگی

(۳) ہر مہینہ میں ایک ہفتہ آپ کو اختیار ہوگا کہ سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے دیوبند سے باہر دوسرے مقامات پر سفر کر سکیں۔ جس کے لئے کسی رخصت یا اطلاع کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اس سے زائد پر تنخواہ وضع کی جائے گی۔

اور پھر آپ کا کمال تقویٰ ہے کہ جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رح کی وفات ہوئی اور فریضہ اہتمام مولانا محمد طیب صاحب (موجودہ مہتمم) کے سپرد ہوا۔ تو آپ نے ارکان شوریٰ سے ان شرائط کی دوبارہ تجدید کرائی۔ مگر چند سال بعد ایک ہفتہ بلا وضع تنخواہ کی شرط ارکان مجلس شوریٰ کے کرم سے حذف کر دی گئی۔ اور اب تمام مدرسین مدرسہ کی طرح آپ کی تنخواہ بھی وضع ہوتی ہے۔ پورے سال میں صرف پندرہ یوم کی رخصت اتفاقیہ بلا وضع تنخواہ مل سکتی ہے۔

لیکن سیاسی، تبلیغی، تدریسی، تینوں قسم کی خدمات اور مزید براں دارالعلوم دیوبند کی صدارت کے (منصبی) فرائض یعنی خصوصی مشورے نگرانی تعلیم۔ چندہ کی مساعی مالیات کی ترقی وغیرہ وغیرہ۔ بیک وقت ادا کرنا درحقیقت حضرت محترم ہی کا ظرف اور آپ ہی کی ہمت ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ راحت و آرام۔ بےفکری اور سکون سب کچھ قربان ہوگیا۔ شب و روز کی ایک مسلسل جد و جہد ہے جس کو وہ انسان انجام دے رہا ہے جس کو خدا نے فوق العادت روحانی قوت عطا فرمائی ہے۔

شب کو کئی گھنٹہ مسلسل تقریر۔ اس کے بعد سفر اور صبح کو مدرسہ میں پہنچکر مسلسل کئی گھنٹہ تک ڈھائی سو طلبہ کی جماعت کو درس دینا جس میں ہر قابلیت اور ہر مذاق کے طلبہ موجود ہوں جن میں بعض وہ بھی ہوں جو کئی سال مدرسی کر کے محض سماعت حدیث کے لئے حاضر ہوئے ہوں۔ پھر وہ دماغ سوز مشقت جو ڈھائی سو تین سو طلبہ کے وسیع حلقہ میں تقریر کرتے ہوئے پیدا ہو۔ پھر اسیطرح ظہر بعد۔ عصر بعد۔ بسا اوقات عشا بعد۔ برابر درس۔

اور پھر ایک دو دن نہیں ہمیشہ مسلسل اور نہ صرف دن کو بلکہ شب کو بھی اسی

طرح مشاغل کا تسلسل مثلاً قیام دیوبند کے زمانہ میں مغرب بعد صلوٰۃ اوابین جن میں کم از کم سوا پارہ یومیہ کی تلاوت پھر مسترشدین کو تلقین۔ یا بیعت۔ پھر عشا بعد ایک دو گھنٹہ درس حدیث۔ کتب بینی اخبارات دیکھنا۔ ان سے یادداشتیں تحریر کرنا۔ جن کا بیش بہا ذخیرہ ہزارہا صفحات کا اس وقت حضرت موصوف کے پاس موجود ہے۔ پھر آخر شب میں تہجد۔ اس کے بعد ذکر و مراقبہ وغیرہ وغیرہ۔

غور فرمایئے کہ کیا کوئی ہے جو اس طرح مسلسل اپنے آپ کو قربان کرتا ہے ہم جیسے آرام طلب مولوی اپنی تن آسانی کو چھپانے کے لئے حضرت شیخ پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ لیکن جبکہ حضرت شیخ کے آغاز درس یعنی ۱۳۴۶ھ سے دورہ حدیث کے داخلہ[۵] کی تعداد روز افزوں ہوگئی ہے اور نہ صرف طلبہ دورہ حدیث بلکہ دارالعلوم کے کل طلبہ کم از کم ۹۰ فیصدی حضرت شیخ کے گرویدہ و جاں نثار بن کر واپس ہوتے ہیں۔

تو کیا کوئی انصاف پسند جو رشک و حسد کے بد ترین مرض سے محفوظ ہو اس قسم کے اعتراضات کی طرف التفات کر سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اختتام سال پر کتاب کے ختم ہونے میں دشواریاں ہوتی ہیں۔ زمانہ امتحان میں بھی بخاری شریف ہوتی رہتی ہے مگر کیا حضرت شاہ صاحب

---

[۵] حضرت العلامہ استاذ مولانا انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے آخری دور میں زیادہ سے زیادہ شرکاء دورہ حدیث کی تعداد ۹۰ (نوے) ہے اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کے زمانہ میں اسی جماعت کے طلبہ کی تعداد ڈھائی سو کے قریب پہنچ چکی ہے اور کل طلبہ کی تعداد تقریباً سولہ سو رہتی ہے۔ اللھم زد و بارک۔

قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا۔؟

حقیقت یہ ہے کہ دورہ حدیث میں بہت سے وہ حضرات شرکت کرتے ہیں جو بار ہا، کتب حدیث پڑھ چکے ہوتے ہیں اور اب ان کا مقصد تشفی اور اطمینان حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ایسے طلبہ کے سوالات بسا اوقات اسباق میں تاخیر پیدا کر دیتے ہیں اور بالخصوص حضرت شیخ مدظلہ العالی کے اخلاق اس درجہ وسیع ہیں کہ کسی طالب علم کے کسی سوال پر کسی وقت بھی آپ چیں بجبیں نہیں ہوتے اس طرح ایک ایک مسئلہ میں پوری جماعت کی طرف سے بسا اوقات دسیوں سوالات ہوتے ہیں۔

گلشن مدنی کے یہ گل چین صرف ہندوستان کے باشندے نہیں ہوتے۔ بلکہ افغانستان ایران چینی ترکستان۔ حجاز۔ یمن اور برما۔ ملایا۔ جاوا وغیرہ جزائر شرق الہند کے طلبہ کی کافی تعداد بھی اس زمرہ میں شریک رہتی ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں کم وبیش پانچہزار طلبہ بلا واسطہ آپ سے فیضیاب ہوئے ہیں جو آج تمام عالم اسلامی میں پھیلے ہوئے ہیں اور علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس عرصہ میں اگر ہر ایک فیض یافتہ کے سلسلہ درس سے دس طلبہ بھی فیضیاب ہوئے ہیں تو آپ کے بالواسطہ تلامذہ کی تعداد پچاس ہزار کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ ان ہزاروں خدا ترس خدا پرستوں کی تعداد جنھوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت طریقت کی۔ ان کے سوا ہے اور جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دس سال آپ نے سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے

حرم اطہر میں طلبہ عرب وعجم کی علمی اور روحانی تربیت فرمائی ہے تو ان مسترشدین ومتوسلین کی تعداد کا تخمین لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے جو حضرت شیخ کے مشکوٰۃ علم وفضل سے نور وضیا، حاصل کر رہے ہیں۔

اور اس بنا، پر آپ کے لئے شیخ العرب والعجم کا خطاب ایک حقیقت کی تعبیر ہے جس میں کوئی مبالغہ نہیں ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

تحریک حریت ۲۶ء تا ۳۲ء شدھی اور سنگٹھن کی تحریک نے اگرچہ فضا کو مکدر کر دیا تھا اور تقریباً اسی فیصدی ہندوستانیوں کے جذبات اس سیلاب کی نذر ہو گئے تھے مگر ایک جماعت وہ بھی تھی جو اس تمام شور وغوغا کو سمندر کے جھاگ سے زیادہ وقعت نہیں دے رہی تھی اور اگرچہ عام طور پر اس کا مذاق اڑایا جا رہا تھا مگر اس کی چشم بصیرت اس اضطراب پر جمی ہوئی تھی جو غلامی کی روز افزوں بندشوں کے سبب سے ہندوستانیوں کے دلوں میں پیدا ہو رہا تھا یہ جماعت کوشش کر رہی تھی کہ اس اضطراب، اور بے چینی کو انقلاب کے راستہ پر لگا دے۔

مسلم حلقہ میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی اس جماعت کے ممتاز رہنما اور اس جد وجہد کے مجاہد اعظم رہے۔ اور آپ کی ہمت عالی مسلم نوجوانوں اور بالخصوص جماعت علمار میں انقلاب کی روح پیدا کرتی رہی۔

تقریباً پانچ سال کی مختلف گردشوں کے بعد ۲۷ء میں سائمن کمیشن کی آمد کی اطلاع نے فضا میں ایک تبدیلی پیدا کی۔ اور ہندو مسلم جنگ وجدال

کی خبروں کے بجائے "سائمن کمیشن" ہی ہندوستانی پریس کا موضوع بحث بن گیا
بنیادی سوال یہ تھا کہ جس کے ستم کی شکایت ہے کیا اسی کی تفتیش و تحقیق
پر اعتماد ہوگا جس کی جفا کا شکوہ ہے اسی کو منصف بنایا جائیگا۔ ابھی انڈین نیشنل
کانگریس اس سوال کے حل کے متعلق کوئی اعلان نہ کرسکی تھی کہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے
سالانہ اجلاس منعقدہ ۲ لغایتہ ۵ دسمبر ۱۹۲۷ء مطابق ، لغایتہ ۱۰ جمادی الاخری
۱۳۴۶ھ میں جو رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رقدس اللہ
سرہ العزیز) کی زیر صدارت پشاور میں منعقد ہوا تھا۔ سائمن کمیشن کے مقاطعہ
کا اعلان کر دیا۔

پھر انڈین نیشنل کانگریس نے بھی اسی تجویز کے مطابق فیصلہ صادر کیا اور اس پر
عمل درآمد کے لئے پروگرام مرتب کیا۔

ابھی یہ قصہ چل رہا تھا کہ مرکزی اسمبلی میں نکاح نابالغان کی ممانعت کے متعلق
ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا۔ جو شاردا بل کے نام سے مشہور ہوا اس بل کا منشا
اگرچہ ہندو رسم و رواج کی اصلاح اور خصوصیت سے اس شرمناک ظلم و ستم کو ختم
کرنا تھا جو ان غریب لڑکیوں پر روا رکھا جاتا ہے جو بدقسمتی سے نکاح کے بعد
سن بلوغ سے پہلے بیوہ ہو جاتی ہیں۔ اس کے وہ رشتہ دار جو فطری طور پر سب سے
زیادہ خیر خواہ ہونے چاہئیں سب سے بڑے جابر اور سنگدل بنتے ہیں اور ہمیشہ کے
لئے لڑکی کی زندگی کو عذاب بنا دیتے ہیں لیکن کچھ جاہ طلب جدت پسند مسلم ممبران
اسمبلی نے اس کو مسلمانوں کے لئے بھی عام کر دینے کی تحریک کرائی۔ چونکہ مسئلہ
نکاح میں حکومت کی مداخلت ایک شرعی قانون میں مداخلت تھی اس لئے جمعیۃ علماء

اس کے برخلاف سخت احتجاج کیا۔ عام مسلمانوں نے پوری سرگرمی کے ساتھ جمعیۃ علماء کی تائید و حمایت کی ملک کے طول و عرض میں جمعیۃ علماء کی زیر قیادت جلوس جلسے اور احتجاجی مظاہرے ہوئے اور پھر سول نافرمانی کا فیصلہ کر کے مؤثر قدم اٹھایا گیا۔ یہ تحریک شباب پر تھی کہ ۱۹۲۹ء میں کانگریس نے مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیکر گاندھی جی کی قیادت میں خلاف قانون نمک بنانے کی تحریک شروع کر دی۔

جمعیۃ علماء ہند نے اجلاس امروہہ ۱۹۲۹ء میں تحریک آزادی کی تائید کی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ بھی جنگ آزادی میں کانگریس کے دوش بدوش حصہ لیں۔ اس تمام دور میں اگرچہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے اور حضرت الحاج مولانا احمد سعید صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ تھے مگر اس پوری جماعت کے لئے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اجلاس امروہہ میں اس جماعت کی صدارت آپ نے ہی فرمائی جو شرکت کانگریس کی حامی تھی۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ شرکت کانگریس کی تجویز آپ نے پیش کی تھی اور اگرچہ یہ تحریک اس زمانہ کے لحاظ سے ہنگامہ خیز تھی اور تقریباً دو روز اس پر بحث ہوتی رہی۔ مگر صرف دو رار کے اختلاف اور جملہ ارکان کے اتفاق سے یہ تحریک منظور ہو گئی۔

کانگریس کی تحریک سول نافرمانی ۱۹۳۱ء میں گاندھی اِروِن "سمجھوتہ" پر ملتوی ہو گئی مگر دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی ناکامی پر ۱۹۳۲ء میں پھر دوبارہ جاری ہوئی

چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔

جب حکومت کی طرف سے آرڈیننسوں کی بھرمار ہوئی اور کانگریس کمیٹیاں خلاف قانون قرار دی جانے لگیں تو جمعیۃ علماء ہند نے بھی مجلس عاملہ کو توڑ کر ڈکٹیٹر مقرر کر دیئے۔ ان ڈکٹیٹروں میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم اور ناظم اعلیٰ کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا اسم گرامی تھا جو سب پر مقدم کر لیا گیا تھا۔

خلاف ورزی قانون کا طریقہ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے یہ مقرر کیا گیا تھا کہ دہلی پہنچکر تحریک کی حمایت میں تقریریں کی جاتیں یا مضامین شائع کیے جاتے جس کے نتیجہ میں ڈکٹیٹر صاحب گرفتار کر لئے جاتے تھے۔ پہلے ڈکٹیٹروں کی گرفتاری کے بعد جب حضرت شیخ الاسلام کا نمبر آیا تو آپ جمعہ کی صبح کو دیوبند سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ پروگرام یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد دہلی میں تقریر فرمائیں گے مگر مظفر نگر کے اسٹیشن پر آپ کی گاڑی کا پولیس نے محاصرہ کر لیا اور آپ کو گرفتار کر کے ٹرین سے اُتار لیا۔ آپ کی گرفتاری کے بعد دوسرے ڈکٹیٹر صاحب نے اپنے منصب کا اعلان کر دیا۔

لیکن اس مرتبہ حضرت محترم مدظلہ العالی کو ایک ڈیڑھ ہفتہ کے بعد رہا کر دیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۷ء سے سنہ ۱۹۳۲ء تک جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے یہ کارنامے تھے اس کے بر مقابل مسلم حلقہ میں دو پلیٹ فارم اور تھے۔ "خلافت کمیٹی" جس کا دائرہ مولانا شوکت علی صاحب مرحوم کی زیر صدارت اپنے مرکز ہی میں محدود

مجمعہ رہو چکا تھا (۲) دوسرے "مسلم لیگ" جو ۱۹۲۲ء میں وفات پا چکنے کے بعد اب پھر زندگی کی آرزو کر رہی تھی۔

یہ جماعت ابتدا روجود سے سرکار پرستوں کی جماعت تھی۔ انگریزوں کے اشارہ چشم نے اس کو پیرایہ وجود عطا فرمایا تھا۔ "برطانوی منشار کو عملی جامہ پہنانا" اس کی غرض وغایت تھی چنانچہ اس کے جنم لینے کے وقت مسلمانوں کو بوڑھے مدبر علامہ شبلیؒ نے فرمایا تھا۔

> لیگ کا سنگ اولین شملہ کا ڈیپوٹیشن تھا۔ اور اب آئندہ جو کچھ اس کا نظام ترکیبی قرار پائے۔ ڈیپوٹیشن کی روح اس میں موجود رہے گی۔
>
> خشت اول گر نہد معمار کج ❊ تا ثریا مے رود دیوار کج

تحریک خلافت کی شدت وحرارت۔ اس کے وجود نازک کے لئے قابل برداشت نہ تھی۔ اس لئے اس کے ناز پروردہ لیڈروں نے "گوشۂ تنہائی" کو ترجیح دی لیکن اس تحریک کی گرم بازاری کے بعد جب انگریز کا اقتدار بحال ہوا تو مسلم لیگ نے دوبارہ بال و پر درست کئے۔ اور مسٹر جناح صاحب کی زیر قیادت میدان سیاست میں نمودار ہوئی۔ مگر مسٹر جناح کے حریفوں کو یہ قیادت پسند نہ آئی۔ اور ایک عدد جماعت کا اضافہ ہو گیا جس کا نام آل انڈیا مسلم کانفرنس طے کیا گیا

دوسری جانب قوم پرور جماعت میں بھی اختلاف ہو گیا۔ اختلاف کا سبب نہرو رپورٹ تھی جو پنڈت موتی لال نہرو (آنجہانی) کی زیر صدارت مرتب کی گئی تھی۔ اور بدقسمتی سے اس کمیٹی میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا نام نہیں رکھا گیا تھا

بلکہ ان کے حریف علی امام صاحب کو کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا تھا۔

اس رپورٹ میں ہندوستان کا نصب العین درجہ نوآبادیت قرار دیا گیا تھا۔ اور مرکزی اور صوبجاتی اسمبلیوں میں تناسب آبادی کے بموجب ہندو مسلم نمائندگی تجویز کی گئی تھی اور طے کیا گیا تھا کہ انتخاب مخلوط ہوگا۔

مولانا محمد علی صاحب نے رپورٹ کے ان بنیادی نظریات سے اختلاف کیا مگر دشواری یہ تھی کہ مولانا موصوف کے پاس کوئی پلیٹ فارم نہ تھا۔

خلافت کمیٹی کا وجود عدم کی برابر ہوگیا تھا۔ مسلم لیگ، اور مسلم کانفرنس حریفوں کے قبضہ میں تھی۔ اب صرف جمعیۃ علماء ہند کا پلیٹ فارم باقی رہگیا تھا۔ مولانا نے اپنی قیادت کا محل اسی پلیٹ فارم کو بنانا چاہا۔ لیکن یہاں دشواری یہ تھی کہ صدارت کے لئے "عالم" ہونا ضروری تھا۔ کانپور کے کچھ حضرات اس دشواری کو حل کرنے کے لئے سامنے آئے اور اپنے خود ساختہ اختیارات سے آل انڈیا جمعیۃ علماء ہند کی ایک ورکنگ کمیٹی بنا کر جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس طے کردیا جس کی صدارت کے لئے مولانا محمد علی صاحب کو منتخب کردیا

یہ غاصبانہ جسارت کوئی بھی باضابطہ جماعت برداشت نہ کرسکتی تھی لہذا جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اس کارروائی کو خلاف ضابطہ قرار دیا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی تقریباً بارہ سال سے مولانا محمد علی صاحب کے رفیق تھے۔ دوستانہ تعلقات۔ اخوت اور قرابت کی حد تک پہونچ چکے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب آپ کو چھیتا بھائی کہا کرتے تھے۔ مگر اس بے ضابطہ کارروائی کی حمایت نہ صرف جمعیۃ علماء ہند کے وقار کا بلکہ انصاف اور اصول پسندی

کا خون کرنا تھا۔ کوئی سنجیدہ انسان بھی اس ستم ظریفی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا حضرت مدظلہ العالی کو بھی مقابل صف میں کھڑا ہونا پڑا۔ اور پھر خداداد جراءت و ہمت نے اس موقع پر بھی آپ کو نمایاں کر دیا۔

بیشک مولانا محمد علی صاحب اور ان کی جماعت ناراض ہو گئی مگر آپ نے جمعیۃ علماء کو فنا کے گھاٹ سے باہر نکال لیا۔ لیکن کانپوری جمعیۃ کے اراکین اب بھی اپنے منصوبہ کی تکمیل کے درپے تھے۔ چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کا سالانہ اجلاس امروہہ میں ہونے لگا تو دوسرا اجلاس مولانا محمد علی صاحب کی زیر صدارت اسی امروہہ میں انھیں تاریخوں میں کیا گیا۔

یہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جس کا ایک نام "توسیع نظام جمعیۃ علماء ہند" بھی تھا۔ اگرچہ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کی محفلوں سے خارج تھی مگر پالیسی میں ان دونوں سے ہمکنار تھی۔

چنانچہ سائمن کمیشن کی ناکامی کے بعد جب لندن میں پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ہونے لگی تو کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے ارکان جیل خانوں میں تھے اور مولانا محمد علی صاحب اس میں شرکت فرما رہے تھے۔ لیکن راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے دعوت نامہ کے ساتھ پروانہ اجل بھی جاری ہو چکا تھا۔ چنانچہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ایک شاندار تقریر کے بعد داعی اجل نے اتنا موقع بھی نہ دیا کہ آپ ہندوستان واپس ہو سکیں اور قدرت نے وہی کر دیا جو آپ نے تقریر میں فرمایا تھا کہ

"اگر ہندوستان کو آزادی نہیں دیتے تو میری قبر کا انتظام کر دو میں غلام ملک میں نہیں جاؤں گا۔"

یہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ناکام رہی کیونکہ جنگ آزادی کے اصل سپاہی جیل خانوں میں تھے اور ان کی تصدیق کے بغیر کوئی فیصلہ ملک کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا ایک دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی ضرورت محسوس کی گئی اور فضا کو موافق کرنے کے لئے "لارڈ ارون وائسرائے ہند" نے گاندھی جی سے ایک سمجھوتہ کیا جو گاندھی ارون پیکٹ" کے نام سے مشہور ہوا اگرچہ حقوق اور اختیارات کے لحاظ سے یہ معاہدہ۔ سادہ چک تھا۔ مگر اس زمانہ کے لحاظ سے یہ ناکامی بہت بڑی کامیابی تھی۔ کیونکہ یہ پہلا قدم تھا کہ ہندوستانیوں کی رضا جوئی ضروری سمجھی گئی تھی اور انگریز مجبور ہوا تھا کہ محکوم غلام۔ اور سیاہ فام ہندوستانیوں کے نمائندہ کو وائسرائے ہاؤس میں گفتگو کے لئے دعوت دے اور اس سے معاہدہ کرے۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں گاندھی جی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن تشریف لیگئے۔

گاندھی جی اور تمام کانگریسی حلقہ نے کوشش کی کہ قوم پرور مسلمانوں کو بھی دعوت دی جائے۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری (مرحوم) کے متعلق خاص طور پر کہا گیا۔ مگر برطانوی سامراج کی مصلحت اس کے برخلاف تھی۔ برطانیہ اس کو پسند نہ کرتا تھا کہ اس موقع پر کوئی مسلمان کانگریس کے نظریات کی تائید کرے اور انگریز کی ثالثی کے بغیر ہندو مسلم مفاہمت ہو سکے۔

چنانچہ اتفاق و اتحاد کی تمام کوششیں جو گاندھی جی نے کیں رائگاں گئیں گاندھی جی نے مسٹر جناح کے مشہور ۱۴ نکات بلا کم و کاست تسلیم کر لئے مگر مسٹر جناح نے ان کو نظر انداز کر کے ناممکن مطالبات پیش کر دئے[۱] ۔ اور ٹوڈی

[۱] مدینہ (بجنور) یکم اگست ۱۹۳۷ء

انگریزوں کے دام فریب میں آکر یہ کوشش کرنے لگے کہ دیگر اقلیتوں کو ملا کر ہندوؤں کے مقابلہ میں جنگ آزمائی کرتے رہیں[۱]۔

مختصر یہ کہ باہمی تصفیہ کی کوششیں ناکام رہیں۔ البتہ تمام نبرد آزما اس پر متفق ہو گئے کہ مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ ایک منشور مرتب فرمادیں۔ چنانچہ اغراض پرست سامراجی مہروں کی جنگ زرگری مسٹر میگڈانلڈ کے مرتب کردہ کمیونل ایوارڈ پر ختم ہوگئی اور ہندوستانیوں کے اندرونی اختلاف کا ایک اور تماشہ دنیا کے سامنے آگیا۔ اس اثناء میں لارڈ اروِن وائسرائے ہند کی جگہ لارڈ ولنگڈن ہندوستان کے وائسرائے ہو چکے تھے۔ اور تحریک کے کمزور ہو جانے کے باعث قوت اور شدت سے اس کو کچل ڈالنے کی پالیسی جدید وائسرائے طے کر چکے تھے۔

چنانچہ گاندھی جی کی واپسی سے پہلے ہی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا اور جب مہاتما گاندھی ہندوستان واپس پہونچے تو ان کو بھی جیل کا راستہ بتادیا گیا۔

گاندھی جی کی گرفتاری پر تحریک کے شعلے دوبارہ بھڑکنے لگے۔ ہندو مسلمانوں نے جیل خانوں کو پر کردیا جو ۳۴ء کے آخر تک خالی ہو سکے۔

اس عرصہ میں اگرچہ مسلمان کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہو سکے۔ مگر مسلم لیگ۔ مسلم کانفرنس۔ خلافت کمیٹی۔ اور توسیع جمعیۃ علماء کے اندرونی نزاعات نے عام مسلمانوں کو ان جماعتوں اور ان کے لیڈروں سے بددل کردیا تھا۔

---

[۱] لیگ اور زعماء لیگ۔ مسلم لیگ کی آٹھ غلطیاں ۱۲

اور وہ جمیعۃ علماء ہند اور قوم پرور مسلمانوں پر اعتماد کرنے لگے تھے۔

مسٹر محمد علی جناح اور مولانا شوکت علی صاحب مرحوم نے اس کو محسوس کیا۔ اور آئندہ الیکشن میں کامیابی کے لئے قوم پرور مسلمانوں اور بالخصوص جمیعۃ علماء ہند کے ساتھ اتحاد واتفاق کی کوشش شروع کردی۔ مولانا شوکت علی صاحب کچھ عرصہ پیشتر تک کانگریس کے سرگرم لیڈر رہ چکے تھے اور مسٹر محمد علی جناح اگرچہ ۱۹۲۰ء سے کانگریس کے ممبر نہیں رہے تھے۔ لیکن اقتدار پسندی اور حُبِّ جاہ کے سوا حکومت پرستی کا الزام کبھی ان پر نہیں لگایا جاتا تھا اور اسمبلی میں عموماً آزاد خیال افراد کا ساتھ دیتے رہے تھے

اتفاقاً جمیعۃ علماء سے رابطہ قائم کرنے کا ایک بہتر موقع میسر آگیا کہ ۲۶ر ۲۷ر مارچ ۱۹۳۶ء کو جب کہ دہلی میں جمیعۃ علماء صوبہ دہلی کا اجلاس ہو رہا تھا انھیں تاریخوں میں مسلم یونٹی بورڈ کا اجلاس بھی سید مرتضیٰ حسن بہادر۔ ایم۔ ایل۔ اے۔ آف مدراس کے قیامگاہ پر دہلی میں ہوا۔

اس تقریب سے مسلم لیگ وغیرہ کے زعماء بھی دہلی آئے ہوئے تھے۔ جمیعۃ علماء ہند کے بہت سے اکابر بھی دہلی میں موجود تھے۔ چنانچہ آئندہ انتخابات کیلئے ایک مشترک بورڈ بنانے کی گفتگو شروع ہوئی۔ اور خود جناح صاحب نے یقین دلایا کہ وہ رجعت پسند خود غرض لوگوں سے تنگ آگئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ایسے عناصر کو لیگ سے خارج کردیں اور ان کی جگہ پر آزاد خیال ترقی پسند مخلص حضرات کو کثرت سے لیگ میں شامل کرکے ان کی آواز کو قوی کریں[1]

---

[1] ملاحظہ ہو مسٹر جناح کا پر اسرار معمہ اور اس کا حل از حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی ص۳ و ص۱۰ و ص۱۱)

مسٹر جناح کے علاوہ مولانا شوکت علی صاحب مرحوم۔ چودھری خلیق الزماں صاحب۔ نواب اسمٰعیل خاں صاحب۔ چودھری عبد المتین صاحب بھی اس گفتگو میں پیش پیش تھے۔

ان حضرات کی جانب سے آئندہ الیکشن کا داعیہ اس عہد و پیمان پر ان کو آمادہ کر رہا تھا۔ اور جمعیۃ علماء ہند کے اکابر کو اتحاد ملت اور ترقی ملک کا شوق اس طرف کھینچ رہا تھا۔

ان حضرات کو یقین تھا کہ اگر مسٹر محمد علی جناح اور ان کے ساتھی رجعت پسند ٹوڈیوں کے ماحول سے نکل آتے ہیں۔ تو مسلمانوں کے اندرونی اختلافات بھی بڑی حد تک ختم ہو جائیں گے اور ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں جو ابتک ناکام تھیں کامیاب ہو جائیں گی[1]۔

شیخ الاسلام مدظلہ العالی اس ابتدائی گفتگو میں شریک نہیں تھے۔ آپ اس عرصہ میں پنجاب کا دورہ فرما رہے تھے۔ آپ کو تار دیا گیا چنانچہ اپنا باقی پروگرام منسوخ کر کے ملتان سے دہلی پہنچے اور اس گفتگو کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔

جماعت کے مشورہ کی رضاکارانہ تعمیل حضرت مدظلہ العالی کی طبیعت ثانیہ ہے۔ چنانچہ اس پیمان اتحاد کو کامیاب کرنے کے لئے آپ ہمہ تن عمل بن گئے۔

---

[1] مسٹر جناح اور لیگ ہائی کمانڈ کے اعلانات اور وعدوں نے جمعیۃ علماء کے ارکین کے قلوب کو جذب کر لیا۔ ان کو اپنی امیدوں کی کامیابی کی جھلک نظر آنے لگی اور یہ یقین ہو گیا کہ لیگ کی پالیسی اور طریق کار اب بدل گیا ہے اور اب وہ اپنی گم کردہ متاع کو لیگ میں پالیں گے۔ (ص۱۵ و ص۱۶ مسٹر جناح کے پر اسرار معمہ کا حل۔ از حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی)

۱۹۳۶ء کے الیکشن میں زمام قیادت مسٹر جناح کے سپرد کر دی گئی۔ اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کرنے کے لئے جمعیۃ علماء کا ہر ممبر سرگرم عمل ہو گیا مسٹر جناح کے لئے قائد کا لفظ اسی زمانہ کی ایجاد ہے۔

اس وقت کانگریس اور لیگ کا پورا اشتراک عمل تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی لیگ کی کامیابی کے لئے اور پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس کی کامیابی کے لئے پورے ہندوستان کی خاک چھان رہے تھے۔ تقریروں کے لئے پلیٹ فارم۔ اور دورے جدا جدا ہوتے تھے۔ مگر قوم سے مطالبہ ایک ہی تھا کہ ملکی مفادات کے لئے ملک کی مشترک جماعت (کانگریس) کو ووٹ دیں اور مسلم حلقوں میں (جہاں کانگریس سے مقابلہ نہ ہو) مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس اشتراک کا نتیجہ تھا کہ اس دور میں لیگ کو کانگریس کا نوزائیدہ بچہ کہا جانے لگا تھا۔ اور جو پروپیگنڈا حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے برخلاف کیا جاتا تھا وہی مسٹر جناح کے برخلاف بھی کیا جاتا تھا۔ انتہا یہ کہ پنجاب اور بنگال میں مسٹر جناح صاحب کے برخلاف اتنا سخت پروپیگنڈا کیا گیا کہ جان بچا کر نکلنے کے سوا ان کے لئے چارہ کار نہیں رہا۔ مسٹر جناح اس جفاکشی کے کب عادی تھے۔ آپ تخت قیادت پر متمکن ہو کر نتیجہ کا انتظار کرنے لگے البتہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے مسلسل دو ماہ شب و روز دورہ کر کے لیگ کے نظام کو زندہ کیا اور اس کے امیدواروں کو کامیاب بنایا۔ لیکن افسوس کامیاب ہونے کے بعد مسٹر جناح اور ان کی جماعت نے حد درجہ عیاری اور غداری کا ثبوت پیش کیا۔

قوم پرور جماعتوں کی رفاقت کے تمام وعدے گاؤخورد ہو گئے۔ اور

انگریز کے خلاف محاذ قائم کرنے کے بجائے یہ جماعت اور اس کے قائد انگریزوں کے اشاروں پر رقص کرنے لگے۔

حضرت مدظلہ العالی کے لئے یہ صورت حال غیر قابل برداشت تھی۔ چنانچہ آپ نے اس جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور اعلان کر دیا "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم"

پھر ان تمام واقعات کو عوام تک پہونچانے کے لئے آپ نے ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جو "مسٹر جناح[1] کا پر اسرار معمہ اور اس کا حل" کے عنوان سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

مسئلہ قومیت متحدہ اور حضرت شیخ کا اعلان حق

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والے مذہب و ملت کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی اختلاف رکھتے ہوں مگر ہندوستانی ہونے کا رشتہ ان سب کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ اس رشتہ کی بنا پر ان کے مفادات مشترک ہیں اور نقصانات بھی مشترک۔ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے جو چیز ہندو کے لئے مفید ہے وہ مسلمان کے لئے بھی مفید ہے اور جو مسلمان کیلئے نقصان رساں ہے وہ لامحالہ ہندو کے لئے بھی نقصان رساں۔

اس رشتہ کی بنا پر ان سب کا "نیشن" ایک اور ان کی قومیت متحدہ ہے انڈین نیشنل کانگریس نے اسی نظریہ کو سنگ بنیاد قرار دیا۔ اور انہی تحریکات کی اساس اسی نظریہ پر قائم کی۔ چنانچہ اس کا نام خود اس کی شہادت ہے

---

[1] یہ رسالہ اب بھی صرف ۲ کے ٹکٹ بھیجنے پر دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی سے مل سکتا ہے ۱۲

درحقیقت یہ نظریہ ہندوستانیوں میں احساس وطن پیدا کرتا ہے۔ دلوں کی سرزمین میں اتحاد واتفاق کے بیج بوتا ہے۔ اور غیر ہندوستانیوں کے مقابلہ میں تمام باشندگان ہند کو ایک محاذ پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ تمام مقاصد اور مفادات اپنی جگہ پر خواہ کتنے ہی بہتر اور ملک کے لئے خواہ کتنے ہی مفید ہوں مگر "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے سراسر مخالف اور برطانوی سامراج کے لئے پیغام فنا تھے۔ لہذا برطانیہ نے اس کی مخالفت ضروری سمجھی اور پہلے ہی دن سے اس کے برخلاف ایک پلان تیار کرلیا۔

سب سے پہلے ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کیا گیا اور معمولی واقعات میں وہ رنگ آمیزی کی گئی کہ جنگجو بادشاہوں اور راجاؤں کو مذہبی پیشواؤں کی حیثیت دی جانے لگی۔ اس کے علاوہ وہ معمولی اختلافات جن کے رجحانات ہندو اور مسلمانوں میں موجود تھے ان کو یہاں تک ابھارا گیا کہ ہر فریق ان کو اپنے مذہب یا اپنے کلچر کا جزو اعظم تصور کرنے لگا۔ اذان اور مسجد کے سامنے باجہ ہندوستان کے ہمہ گیر مسائل بنادیئے گئے۔ ہندوؤں کو یقین دلایا گیا کہ اذان سے ان کے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ ہندو کے باجے سے مسجد[1] کی توہین ہوتی ہے۔

ہندی اور اردو کا سوال پیدا کرکے ملی جلی تہذیب کے گلے پر چھری پھیری گئی پھر باہمی خانہ جنگی کو پائیدار کرنے کے لئے جداگانہ انتخاب کی بدعت ہندوستان میں رائج کی گئی۔ اور ہر فرقہ میں ایسی انجمنیں قائم کردی گئیں جو اس زہر کی حمایت اور تائید میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتی رہیں۔ اور جداگانہ انتخاب کو اپنے فرقہ کا

---

[1] حالانکہ تعزیوں کے ڈھول اور دولہا کی سلامی کا باجہ مسجد کے سامنے بجتا تھا۔

بنیادی مطالبہ بتادیں۔ مسلمانوں میں مسلم لیگ اور ہندوؤں میں ہندو مہاسبھا اسی آب وہوا کی پیداوار ہیں۔

ان اختلاف انگیز مشینوں کی کارکردگی کا لازمی نتیجہ تھا کہ ہر فریق دوسرے فریق سے بدظن ہو۔ بے اعتمادی ترقی کرے۔ منافرت کے جذبات مشتعل ہوں اور قومیت متحدہ کا تصور بھی دماغوں کو برانگیختہ کرنے لگے۔

ایک طرف کانگریس قومیت متحدہ کی داعی اور منادی تھی اور دوسری طرف یہ تمام فتنے ایجاد کئے جارہے تھے۔

تقریباً ۱۹۱۳ء تک برطانوی سامراج کی افتراق انگیز پالیسی بلا مقابلہ کام کرتی رہی۔ کانگریس موجود تھی اور وہ ترقی ہی کررہی تھی۔ لیکن روزافزوں ترقی کے باوجود اس کی آواز بہت کمزور تھی اور اس پر ایسے طبقہ کا غلبہ تھا جس کی سیاست آئین کی حدود سے قدم بڑھانا حرام سمجھتی تھی

لیکن اس عرصہ میں برطانیہ کا جبر وقہر، ہندو اور مسلمان مظلوموں کو ایک محاذ پر جمع ہونے کی خاموش دعوت بھی دے رہا تھا۔ اور یہ دعوت عام طور پر کامیاب اور مقبول تھی حتیٰ کہ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی اس دعوت کو قبول کیا۔ اور ۱۹۱۳ء سے اس نے یہ اعلان شروع کردیا کہ انڈین نیشنل کانگریس، ہندوستان کے بھوکوں ننگوں کی مشترک آواز۔ اور ہندوستان کے فقر وفاقہ کی دردانگیز تصویر ہے۔

اس دعوت نے یہاں تک ترقی کی ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء ہندو اور مسلمانوں کا وہ بے نظیر اتحاد واتفاق سامنے آیا جس نے برطانوی سامراج

کے کار پردازوں کو سراسیمہ کر دیا - اور شہنشاہی مفادات کے ایجنٹوں کو مجبور کر دیا کہ وہ تصویر کے رخ کو پلٹنے کے لئے برطانوی ڈپلومیسی کی تمام مشنری کو متحرک کر دیں۔

چنانچہ کرنل لارنس کا ہندوستان میں ورود مسعود اسی زمانہ میں ہوا - اور اسی زمانہ میں شدھی سنگٹھن اور تنظیم و تبلیغ کی تحریکات شروع کر کے اتحاد کے نقشہ کو مسخ کیا گیا - اور ہندو مسلم کشیدگی کو بحال کیا گیا - مگر تقریباً چار سال بعد جب سائمن کمیشن کی آمد کی اطلاع نے ہندو مسلم اتحاد کی نئی لہر پیدا کر دی - اور کانگریس کے مقابلہ پر برطانوی سامراج اپنی شکست محسوس کرنے لگا تو اب ایک نئے حربہ کے ایجاد کی ضرورت پیش آئی - یعنی تقسیم ہندوستان یا --- مطالبہ پاکستان - چنانچہ مسٹر بلوڈن جج ممالک متحدہ نے اپنے دوست کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا -

> "مدت سے ہندوستان کی صورت حال قابو سے باہر ہو رہی ہے ہم نیم پالیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی - برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکتے سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں - یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈنے سے بھی انگریز کا نام نہ ملے گا - میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے - آئرلینڈ میں کیتھولک

اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لئے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا۔

ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے اب ہمیں مالیہ معاف کردینا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں۔ یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورت حال ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیئے جائیں۔ اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے۔

(مدینہ بجنور ۱۲ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ع ۵۹ صہ)

بحوالہ سنڈے گرافک

اسی زمانہ میں بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا تھا۔

ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے۔

(مدینہ بجنور مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲ ع ۶۹)

اس نامبارک و نامراد حربہ کو بین الاقوامی سیاسی دنیا میں ایک معقول اور صحیح مطالبہ کی حیثیت سے پیش کرنے اور اس کو تسلیم کرنے کے لئے ہندو مسلم

جذبات کی دبی ہوئی چنگاریوں کو ایک نئے انداز سے دوبارہ سلگایا جانے لگا۔ اور نیم مذہبی نیم سیاسی انداز میں قومیت متحدہ کو کفر و شرک اور دو قومی نظریہ کو جزو ایمان کی حیثیت دی جانے لگی۔

جداگانہ انتخابات اور اس کے نفرت انگیز لوازمات۔ کی تقریباً تیس سالہ زہر افشانیوں سے دماغ اس درجہ ماؤف اور معطل ہو چکے تھے کہ بلا سوچے سمجھے دو قومی نظریہ کو کیمیا، سعادت اور اکسیر ہدایت تصور کیا جانے لگا۔

حتےٰ کہ بہت سے پرانے کانگریسی اس نو ایجاد نظریہ کی دلفریبی سے مسحور اور وارفتہ ہو گئے۔ اور مسٹر جناح کو (جن کی زبان فیض ترجمان سے اس الہام کی تلاوت کرائی گئی تھی) مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ۔ اور سیاسیات کا معاذ اللہ پیغمبر تصور کرنے لگے۔ اس وقت جس نے اس تیرہ و تاریک فضاء میں روشنی کی کرن پیدا کر کے بھٹکے ہوئے دماغوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی بیدار مغز جرارت تھی۔ آپ نے دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"ہمارے زمانہ میں قومیں وطنوں سے بنتی ہیں۔ تمام باشندگان ہند خواہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ سکھ ہوں یا پارسی۔ یا عیسائی بیرونی طاقتوں کے مقابلہ میں ایک قوم ہیں"

اس تقریر میں مولانا کے ارشاد کا منشا یہ تھا کہ بیرونی ممالک میں مذہب کے اختلاف کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ غلام ہونے کی وجہ سے ہر ایک ہندوستانی

کو خواہ اس کا مذہب کچھ ہو ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا ہے [1]

لیکن چونکہ یہ بحث برطانوی سامراجی پالیسی کے مخالف تھی لہذا برطانوی پروپیگنڈا کی تمام مشین اس کے مقابلہ کے لئے حرکت کرنے لگی۔ تقریر کے تمام حصوں کو حذف کرکے صرف ایک فقرہ لے لیا گیا۔ اور اس کی تردید کے لئے ہر ایک حربہ استعمال کیا جانے لگا۔ حتے کہ ہندوستان کے سب سے مشہور شاعر "اقبال مرحوم" کے دماغ کو بھی مشتعل کیا گیا۔ اور چند اشعار مرتب کراکر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کو پہنچایا گیا۔ اور صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ وائسرائے کے سکرٹریٹ کے مسلم ملازمان نے ایک انجمن قائم کرکے قومیت متحدہ کی تردید کے لئے نشر و اشاعت کا ایک مستقل ادارہ قائم کرکے قومیت متحدہ کی تردید کیلئے نشر و اشاعت کا ایک مستقل ادارہ قائم کر دیا۔ اور اعلیٰ قسم کی طباعت و کتابت کیساتھ ٹریکٹ، پمفلٹ اور ایک ماہوار رسالہ "طلوع اسلام" شائع

کہا جاتا ہے کہ سکرٹریٹ کے ان ملازمین کو اس مقصد کے لئے کافی دست غیب حاصل ہوتا تھا۔ بہر حال بیشمار رسائل پمفلٹ اور ٹریکٹوں کی اشاعت یہ سوال ضرور پیدا کر دیتی تھی کہ ان سرکاری ملازموں کے پاس حاتم کی سخاوت اور قارون کا خزانہ کہاں سے آگیا۔

انگریزی ایجنٹوں کی شرارت پسندیوں اور ان کے اوچھے ہتھیاروں کا حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو احساس بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ یہ فکر ضرور تھا کہ اس طرح مسلمانوں کی اکثریت راہ راست سے ہٹتی جا رہی ہے۔ اور

---

[1] ملاحظہ ہو متحدہ قومیت اور اسلام از حضرت شیخ الاسلام مدظلہ ص۸ و ص۹ ۱۲

یہ کج رفتاری ان کو تباہی کی خندق کی طرف دھکیل رہی ہے۔ لہذا حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے اوائل ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ میں ایک مفصل بیان اخبارات کو دیا جس سے بڑی حد تک غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا۔ لیکن آپ اس بیان سے مطمئن نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے بعد آپ نے ایک مفصل مضمون تحریر فرمایا جو رسالہ کی شکل میں "قومیت متحدہ اور اسلام" کے عنوان سے ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۷ء میں شائع کیا گیا۔

ترتیب رسالہ کی ضرورت بیان کرتے ہوئے حضرت محترم ارشاد فرماتے ہیں کہ

> اگرچہ پہلے مضمون سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا ہے مگر یہ بات صاف نہیں ہو سکی کہ قومیت متحدہ میرے نزدیک ایک اہم نظریہ ہے اور موجودہ احوال و ادوار میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں (قومیت متحدہ و اسلام ص۵ ملخصاً)

یہ مضمون ابھی زیر ترتیب تھا کہ علامہ اقبال مرحوم نے دنیا بحث و نظر کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہا۔

حضرت مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں

> اس ناساز اور دل گداز خبر نے خرمن خیالات و افکار پر صاعقہ کا کام کیا طبیعت بالکل بجھ گئی اور عزائم فسخ ہو گئے۔ تحریر شدہ اوراق کو طاق نسیاں کے سپرد کر دینا ہی انسب معلوم ہوا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی احباب کے تقاضے پریشان کر رہے تھے۔ لیکن طبیعت

اس قدر بجھ گئی تھی کہ ابھرنے پر نہ آتی تھی۔

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو۔ پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

مگر جب کہ بہت سے اشخاص اور مکاتیب سے معلوم ہوا کہ ان تمام تحریروں کو لوگ رسالہ کی صورت میں جمع کرنا چاہتے ہیں تو ضروری معلوم ہوا کہ میں اپنی معلومات اور خیالات کو ملک کے سامنے پیش کردوں۔

اگرچہ بہت سے وہ لوگ جنکو برطانیہ سے گہرا تعلق ہے یا جن کے دماغ اور قلب برطانوی سحر سے ماؤف ہو چکے ہیں ان سے توقع نہیں کہ وہ اس کو قبول کریں گے مگر امید ہے کہ بہت سے وہ دماغ اور دل جو کہ راہ حق کے متلاشی ہیں یا جو شکوک و اوہام کے اگرچہ شکار ہو گئے ہیں لیکن حقیقت واضح ہونے پر ان کے سالم اور صحیح قلوب راہ راست پر آجائیں گے۔ وہ ضرور بالضرور اس سے مستفید ہوں گے (قومیت متحدہ ص ۲ و ص ۳)

حضرت شیخ نے جو خطرہ ظاہر کیا تھا وہ پوری طرح سامنے آیا۔ اور رسالہ کے شائع ہوتے ہی سحر برطانیہ کے تمام مفتون و مسحور اور مسلم لیگ کے جملہ اصاغر و اکابر پورے ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ اور حضرت مدظلہ العالی پر ہر سمت سے تبرا و تکفیر کے تیر برسانے شروع کر دیئے ایک عرصہ دراز تک حضرت موصوف ان تیروں کا نشانہ بنے رہے۔ اور حضرات

اہل تصوف کی زبان میں ابتلاءِ عظیم میں مبتلا رہے۔

وہی لوگ جو اتحادِ مذہب کے باوجود عربوں کو ترکوں سے جدا قوم قرار دے چکے تھے جو جغرافیائی حدود کے انفصال کی بنا، پر جرمن۔ فرانس پرتگال۔ بلجیم۔ ہالینڈ وغیرہ کو علیحدہ علیحدہ نیشن قرار دے رہے تھے ہندوستان میں مذہبی مراسم کا نام بار بار زبان پر لاکر ہندو اور مسلمانوں کو جدا جدا نیشن گردان رہے تھے۔ ہندو کی تہذیب جدا ہے مسلمان کی تہذیب جدا۔ ان کے مذہب جدا۔ عقائد و خیالات جدا۔ شادی غمی کے مراسم جدا۔ وغیرہ۔

وہی ماہرین سیاست جو مصر، فلسطین۔ شام۔ یمن وغیرہ میں اسلامی قومیت کو جغرافیائی خطوط سے تقسیم کر چکے تھے۔ ہندوستان میں انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ گلے پھاڑ پھاڑ کر وعظ کہہ رہے تھے۔ "اسلام خود قومیت ہے" اور دلیل کے لئے اقبال کی تمام شاعرانہ بندشیں اور فلسفیانہ موشگافیاں پیش کر رہے تھے۔ وہ بزرگ جن کے خاندان کا بچہ بچہ یورپین تہذیب میں غرق تھا۔ نہایت بلند آہنگی سے اسٹیج پر اور پریس میں بیانات دے رہے تھے "اسلام مستقل تہذیب کا حامل ہے"۔

بہر حال یہ رسالہ اس قسم کی تمام عیاریوں کا بہترین جواب ہے جسمیں قرآن حکیم کی نصوص سے ان تمام نکتہ چینیوں کا شافی اور کافی جواب دیا گیا ہے۔

البتہ ایک سوال ان تمام سیاسی خود غرضیوں سے علیحدہ ہو کر ہر ایک مخلص اور سنجیدہ شخص کے سامنے آرہا تھا کہ یہ درست ہے کہ فن سیاست کے ماہرین مذہب کو نیشن کا موقوف علیہ نہیں گردانتے۔ چنانچہ وحدت مذہب

کے باوجود جرمن اور فرانس کو وجداً نیشن کہا جاتا ہے اور اختلاف مذہب
کے باوجود ایک ملک کے یہود اور عیسائیوں کو ایک نیشن مانا جاتا ہے
انگلینڈ کے باشندہ کو انگریز کہیں گے خواہ اس کا مذہب عیسائی ہو یا موسوی
مذہب رکھتا ہو یا مسلمان ہوگیا ہو۔ لیکن قومیت متحدہ کا لفظ ضرور یہ چاہتا
ہے اور اس کی خاموش صدا یقیناً یہ ہے کہ تمام ہندوستانیوں کا کلچر ایک ہو
اور اس صورت میں لامحالہ تمام مذہبی امتیازات مٹ جائیں گے جس کا نتیجہ
یہ ہوگا کہ اقلیت اکثریت میں مدغم اور بھسم ہو جائے گی۔
اس قسم کے خدشات کو رفع کرنے کے لئے حضرت موصوف نے وضاحت
فرمائی۔

ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے
جس کی بنیاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں
ڈالی تھی یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق
رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی ایک قوم ہو جائیں اور اس
پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتے
ہوئے سب کو فنا کر رہی ہے۔ جنگ کرکے اپنے حقوق حاصل
کریں۔ اور اس ظالم وبے رحم قوت کو نکالکر غلامی کی زنجیروں
کو توڑ پھوڑ ڈالیں۔ ایک دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض
نہ کرے بلکہ تمام ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی
اعتقادات، اخلاق۔ اعمال میں آزاد رہیں۔ اپنے مذہبی رسم ورواج

مذہبی اعمال واخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں۔ اور جہاں تک
ان کا مذہب اجازت دیتا ہو امن وامان قائم رکھتے ہوئے اپنی
اپنی نشرواشاعت بھی کرتے رہیں۔ اپنے اپنے پرسنل لا۔ کلچر اور تہذیب
کو محفوظ رکھیں۔ نہ کوئی اقلیت دوسری اقلیتوں۔ اور اکثریت
سے ان امور میں دست وگریباں ہو۔ اور نہ اکثریت اس کی جدو
جہد کرے کہ وہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کرے۔ یہی وہ چیز ہے
جس کا اعلان کانگریس ہمیشہ سے کر رہی ہے۔ کانگریس نے اپنے
پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۸۵ء میں اپنا پہلا اور ضروری مقصد
حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا تھا۔

ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے
مرکب ہے۔ ان سب کو متحد ومتفق کرکے ایک قوم بنانا۔

(بحوالہ روشن مستقبل ص ۲۸۱)

مگر باوجود اس اظہار کے وہ ہمیشہ اعلان کرتی رہی کہ تمام
باشندگان ہند اپنے مذہب۔ کلچر۔ پرسنل لا وغیرہ میں آزاد
ہوں گے۔ (قومیت متحدہ ص ۵۱ و ۵۲)

کچھ عرصہ بعد مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس جونپور کے خطبہ صدارت میں
آپ نے ارشاد فرمایا۔

ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے
ایک اشتراک رکھتے ہیں۔ جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف

تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے۔ جس طرح ہماری
صورتوں کے اختلافات۔ ذاتوں اور صفتوں کے تباین۔
رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت
میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح ہماری مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے
وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں۔ ہم سب وطنی حیثیت سے
ہندوستانی ہیں لہذا وطنی منافع کے حصول اور مضرتوں کے ازالہ
کا فکر اور اس کے لئے جد وجہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے
جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا۔ اس کے لئے سب کو
مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے۔ اگر آگ لگنے کے
وقت تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائیں گے۔ سیلاب آنے
کے وقت تمام گاؤں کے بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام
گاؤں برباد ہو جائے گا۔ اور سب ہی کے لئے زندگی وبال ہو جائیگی
اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ ہندو ہوں
یا مسلمان سکھ ہوں یا پارسی۔ کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت
پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جد وجہد
کریں۔ اس اشتراک وطن کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوتے
ہیں۔ مذاہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری
نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر ایسے
فرائض کو انجام دے سکتا ہے۔ یہی اشتراک میونسپل بورڈوں

ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے۔
اور مختلف مذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کے انجام
دیتے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنے اس جگہ متحدہ قومیت
کے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معنے جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ
غلط اور ناجائز ہیں۔ اس معنے کی بنا پر کانگریس نے فنڈامنٹل
میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان اور رسم ورواج کے
تحفظ کا التزام کیا ہے۔ اس کے خلاف یورپین لوگ قومیت
متحدہ کے جو معنے مراد لیتے ہوں اور جو کانگریسی اشخاص انفرادی
طور پر کانگریس کے فنڈامنٹل کے مفہوم کے خلاف معنے بیان
کرتے ہوں اُن سے یقیناً جمعیۃ علماء بیزار ہے۔ اور تبرّی
کرتی ہے۔ ص۴۵ و ص۴۶

جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت

اور

خطباتِ صدارت

حضرت شیخ مدظلہ العالی نے ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس کوکناڈا کی صدارت فرمائی تھی۔ اس اجلاس کا تذکرہ اور خطبہ صدارت کے اقتباسات گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔

اب تقریباً سترہ سال بعد پھر یہ مرحلہ سامنے آتا ہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند جو ۱۹۱۹ء سے جمعیۃ علمائے ہند کے مستقل صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ اختلاج قلب جیسی مختلف شکایتوں کے باعث آیندہ صدارت کے لئے تیار نہیں ہیں۔

تقریباً دس ماہ پیشتر سے یعنی ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء سے یورپ کی دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہے۔ ہٹلر (ڈکٹیٹر جرمنی) مسولینی (ڈکٹیٹر اٹلی) کے بے پناہ حملوں نے برطانیہ اور روس کے ساتھیوں کو حواس باختہ کر رکھا ہے۔

ہندوستان اور ہندوستان کی طرح تمام غلام ممالک آزادی کے لئے مچل رہے ہیں اور انھوں نے نئی جدوجہد کے لئے کروٹیں بدلنی شروع کر دی ہیں

جمعیۃ علماء کے دستور العمل جدید کے بموجب یہ طے ہو گیا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام کے لئے صوبائی جمعیتیں صدر منتخب کریں گی اور جس کو اجلاس عام کے لئے صدر منتخب کیا جائیگا یہی آئندہ سال مرکزی جمعیۃ علماء ہند کا مستقل صدر رہیگا۔

صوبائی جمعیتیں اس نازک دور میں جب صدر کے مسئلہ پہ غور کرتی ہیں تو متفقہ طور پر ان کے سامنے ایک ہی نام آتا ہے۔ جو اس بار امانت کو برداشت کر سکتا ہے۔ یعنی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کا اسم گرامی۔

حضرت موصوف اس کے لئے قطعاً تیار نہیں مگر مجلس عاملہ کو حد درجہ اصرار کرنا پڑتا ہے تب باخاطر ناخواستہ آپ اس منصب کو قبول فرماتے ہیں۔ ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی اور یکم جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹، جون ۱۹۴۰ء اجلاس کے لئے طے ہے۔ حضرت موصوف ۲۷ کی شام کو تین بجے جونپور پہنچتے ہیں۔ جلوس کا انتظام ہے۔ اسٹیشن پر سواری پہونچی ہوئی ہے۔ مگر حضرت خاموشی کے ساتھ پیدل روانہ ہو جاتے ہیں۔ جون کی شدید گرمی میں خود بھی مجاہدانہ ہمت کے ساتھ پیدل چلتے ہیں اور ساتھیوں اور استقبال کرنے والوں کو بھی پیدل چلنا پڑتا ہے۔

یہ پا پیادہ جلوس جونپور کی جامع مسجد پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ جہاں جلسہ عام کا پنڈال بنایا گیا ہے۔

ـ۵ جو ۱۹۳۵ء میں مراد آباد میں ۱۲

علی حسن صاحب قدوائی مختار (مرحوم) مجلس استقبالیہ کے صدر ہیں۔ ان کی تمنا ہے کہ اجلاس میں امارت شرعیہ کا مسئلہ پیش ہو۔ اور حضرت مدظلہ العالی کو امیر منتخب کیا جائے وہ اس کے لئے فضا تیار کر رہے ہیں۔ حضرت سے تنہائی میں گفتگو کرتے ہیں حضرت مدظلہ العالی مسئلہ کی حمایت کرتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ امارت کے لئے کوئی دوسرے صاحب منتخب کئے جائیں۔

اس اجلاس کے لئے حضرت شیخ الاسلام نے ایک مبسوط خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جو ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا اس خطبہ صدارت میں اگرچہ وقت کے تمام ضروری اور اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی تھی مگر ہم ذیل میں اس خطبہ کا صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جو ان سوالات سے متعلق تھا جو جنگ کے باعث پیدا ہو گئے تھے۔ اور جس کے ذریعہ سے حضرت موصوف نے اس پُر خطر دور میں افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ کے صبر آزما فریضہ کو حیرت انگیز جرات کے ساتھ ادا فرمایا۔

حضرت موصوف نے ان تمام اعلانات اور وعدوں کا اور پھر ان کی خلاف ورزیوں کا مستند حوالوں کے ساتھ مفصل تذکرہ فرمایا جو ہندوستان میں برطانوی شاہنشاہیت کی ابتداء سے جون ۱۹۴۰ء تک صادر ہو چکے تھے۔ ان اعلانات و مواعید کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔

موجودہ حالت میں برطانیہ کی امداد و اعانت کا سوال

ہمارے بہت سے کوتاہ عقل بے سمجھ بھائی کہتے ہیں کہ ایسی مصیبت کے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہ کرنا چاہیئے۔ یہ بالکل غلط فلسفہ ہے۔ ایسے ہی وقت میں برطانیہ

کی خیر خواہی اور محبت کا مظاہرہ لازم ہے۔ برطانیہ نے اپنے فرائض کو عرصہ دراز سے چھوڑ رکھا ہے۔ ان کے ادا کرنے میں کوتاہی اور ٹال مٹول کر رہی ہے خدا کے سینتیس[۳] کروڑ بندوں کو انتہائی ذلت اور تکلیف میں ڈالے ہوئے ہے مظلوم قلوب سسک رہے ہیں۔ خدائے قدوس کا غضب اس وجہ سے جوش میں آرہا ہے۔ وہ اپنے مظلوم بندوں کے انتقام پر تلا ہوا ہے۔ اور جس طرح اس نے ظالم قوموں اور بادشاہوں کو اپنے ضعیف بندوں کی امداد اور ان کی آہ وزاری کی دادرسی میں ہلاک اور نیست ونابود کر دیا اسی طرح ان یورپین ظالم بادشاہتوں انگلینڈ و فرانس پر قہر کی بجلی گرا رہا ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اس خیر خواہی اور ہمدردی کی بنا پر جو ہم کو تاج برطانیہ اور اسکی قوم سے چلی آتی ہے۔ اُس کو ان موجبات قہر الٰہی اور اسباب غضب غیر متناہی سے روکیں اگر وہ کہنا نہ مانیں تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں۔ اور قوت کو استعمال کریں۔

قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً قیل یارسول اللہ کیف انصرہ ظالماً قال تکفہ عن الظلم۔

جس طرح ہم اپنے عزیز و قریب کو جبکہ وہ برائی کرتا ہے زبان سے روکتے ہیں اور اگر نہیں مانتا تو ہاتھ سے روکتے ہیں اور اگر نہیں رکتا تو طاقت اور قوت کو

---

۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ جبکہ وہ ظالم ہو تو اس کی امداد کس طرح کر سکتا ہوں؟

فرمایا۔ اس کو ظلم سے روک دو۔ ۱۲

استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب کی خیر خواہی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ضروری ہے۔ بلکہ اگر ہم نے حسب استطاعت برطانیہ کو نہیں روکا تو خوف ہے کہ ہم پر بھی کہیں عقاب الٰہی نہ برس پڑے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یاخذوا علیٰ یدیہ یوشک اللہ ان یعمھم بعقاب فیدعونہ فلا یستجیب لھم۔

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو برطانیہ اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ اور اس کو خلق خدا کو ستانے سے روکا جائے جو کہ باعث غضب الٰہی ہوا ہے۔ ورنہ نہ روکنے والے بھی موجب غضب ہو جائیں گے۔

برطانیہ کی امداد و اعانت کا صحیح طریقہ

آج بہت سے ناعاقبت اندیش یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی امداد و اعانت اس میں ہے کہ اس کو لڑنے کے لئے سپاہ اور مال دیا جائے اور ان کی فتح مندی کی کوشش کی جائے۔ ہمارے خیال میں حسب نصوص شرعیہ یہ لوگ برطانیہ کے سخت ترین دشمن ہیں۔ اور اس کو اور اس کی قوم کو قعر جہنم میں جھونکنا چاہتے ہیں۔

وہ برطانیہ جس نے دنیا کی قوموں کی آزادی سلب کر لی ہو۔ جو انسانی امتوں کو غلامی کے عذاب الیم میں مبتلا کرتی اور رکھتی ہو۔ جو بجز یوروپین اقوام کے تمام ایشیائی اور افریقی اقوام وغیرہ کو انسانیت سے خارج اور مثل بہائم سمجھتی ہو۔ جو کہ خدا کے کروڑوں بلکہ اربوں بندوں پر مظالم کے پہاڑ نہایت

سنگدلی سے ڈھاتی رہتی ہو۔ جو کہ قوموں کی تجارت۔ دستکاری۔ دولت حکومت
رفاہیت۔ عزت۔ علوم۔ زراعت، صنعت وغیرہ وغیرہ چھین چھین کر اپنا
پیٹ پالتی ہو۔ جو کہ ابلہ فریبی۔ مکر و دغابازی۔ جھوٹے وعدوں اور عہد شکنیوں
سے خدا کی پیدا کی ہوئی قوموں کو ستاتی رہتی ہو۔ اس کی امداد اسی میں اور
صرف اسی میں ہے کہ اس کو ان افعال شنیعہ سے روکا جائے۔ اور اگر خدا
نخواستہ اس کی امداد مالی یا فوج یا رسد وغیرہ سے کی گئی تو اس کے یہ معنی ہیں
کہ یہ امداد کرنے والے ان تمام مظالم اور گناہوں کے موید اور نشر کرنے والے
ہیں۔ وہ خلق خدا کو اور ستانا چاہتے ہیں۔ بیشک ایسے لوگ خدا کے قہر عظیم
کے مستحق ہوں گے۔ اور سخت ترین پکڑ میں مبتلا کئے جائیں گے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

ہم کو برطانیہ کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہئے۔ اس میں ہماری اپنی خیر خواہی
ہے۔ بدخواہ نہ ہونا چاہیے کہ اس میں اپنی بھی بدخواہی ہے۔

اگر کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ حسب طریقہ مذکورہ برطانیہ کی مدد
قول یا فعل سے کر سکے تو کم از کم دل میں اس کی سنگدلی اور بربریت کو برا سمجھتے ہوئے
سکوت کو عمل میں لائے۔

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ۔
فان لم یستطع فبقلبہ۔ وذلک اضعف الایمان۔

اسی بنا پر میرٹھ کے جلسہ میں جمعیۃ نے اپنا اعلان موجودہ جنگ کے
متعلق صاف اور واضح الفاظ میں شائع کر دیا تھا جس کا حرف حرف صحیح اور

قابل عمل تھا۔

محترم بزرگو۔ حالات موجودہ اور زیادہ مجبور	آزادی ہند کے متعلق ہماری جدوجہد

کرتے ہیں کہ آزادی ہند کے لئے اپنی مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے۔ اور تمام خلق خدا کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعہ سے ہر قسم کے عذاب الیم سے نجات دلائی جائے۔ ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لئے باعث مصائب و آفات ہے بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اس کی وجہ سے انتہائی تکالیف میں مبتلا ہیں۔

اگرچہ یہ فرض ہندوستان کے تمام باشندوں کا ہے۔ مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے زیادہ ہے۔ چند	مسلمانوں پر آزادی ہند کا فریضہ سب سے زیادہ ہے

وجوہ سے (۱) ہندوستان مسلمانوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آبائی وطن ہے۔ (۲) مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اس سرزمین سے نفع اٹھانا ہے (۳) ہمارے پیغمبر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہاں بہت سے پیغمبر گذرے ہیں۔ ان سب کا دین اسلام ہی تھا۔ اگرچہ لوگوں نے اس میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے۔ (۴) انگریزی حکومت نے اس ملک کو مسلمانوں سے چھینا ہے (۵) اس ملک کی آزادی میں قرب و جوار کے اسلامی ملک مثل یاغستان۔ افغانستان۔ ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے (۶) مقامات مقدسہ اور دیار عرب۔ مصر۔ شام فلسطین سوڈان۔ شمالی ہند وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے۔ اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں۔ آزاد ہو سکیں گے۔

(۷) موجودہ حکومت نے عام باشندگان ہند سے زیادہ مسلمانوں کو برباد کیا ہے
(۸) یہ آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو۔ یا اہون البلتین مشترک راج کی طرف (بہر حال) مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ (۹) آزادی کے بغیر یہ ہلاک کرنے والا افلاس قحط اور گرانی زائل نہیں ہو سکتے۔ اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ دینی فرائض و واجبات پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات دیانت کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی
کاد الفقر ان یکون کفرا۔ (معاذ اللہ) بہت سے مسلمان شدت فقر و افلاس کی وجہ سے مرتد ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں۔ (۱۰) بغیر آزادی بیکاری اور بے روزگاری کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس کے ازالہ کے ہر قسم کی دینی اور دنیوی مصائب سے چھٹکارا غیر ممکن ہے۔

بہر حال مسلمانوں کے لئے موجودہ غلامی سے آزاد ہونا اور اس کیلئے انتہائی جد و جہد عمل میں لانا عام باشندگان ہند سے زیادہ تر ضروری اور لازم ہے

پاکستان کے متعلق آپ نے فرمایا اس زمانہ میں پاکستان کی تحریک زبان زد عوام ہے اگر اس کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ (جس میں تمام احکام اسلامی، حدود و قصاص وغیرہ جاری ہوں) مسلم اکثریت والے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو ماشاء اللہ نہایت مبارک اسکیم ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس میں گفتگو نہیں کر سکتا مگر بحالت موجودہ یہ چیز متصور الوقوع نہیں۔ اور اگر اس کا مقصد انگریزی حکومت کے ماتحت کوئی ایسی حکومت قائم کرنا ہے جس کو مسلم حکومت کا نام دیا جا سکے۔ تو میرے نزدیک یہ اسکیم محض بزدلانہ اور سفیہانہ ہے۔ جو

ایک طرف برطانیہ کے لئے "ڈیوائیڈ اینڈ رول" کا موقع بہم پہونچا رہی ہے
اور یہی عمل برطانیہ نے ہر جگہ جاری کر رکھا ہے۔ ٹرکی کو اسی طرح تقسیم کیا گیا۔
عربی ممالک کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا گیا۔ اور یہی عمل ہندوستان
میں مختلف پیرایوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس کی بھی وحی۔ لندن
اکسفورڈ۔ کیمبرج۔ شملہ۔ نئی دہلی وغیرہ سے ہوئی ہو۔ جیسا کہ معتبر ذرائع سے
معلوم ہوا ہے۔

اور دوسری طرف اسلامی ہمہ گیری کے آگے سخت روڑہ بلکہ چٹان ہے۔
مدافعت وطنی کے متحدہ محاذ کے راستہ میں بہت بڑی خندق ہے۔ فرقہ وارانہ
جنگ و جدال کے لئے نہایت زہریلا سفوف ہے۔ ہندوستانی امن و
امان۔ خوش حالی اور فارغ البالی کے لئے سم قاتل ہے۔ مسلم اقلیت والے
صوبوں کے لئے موت کا پیغام ہے۔ جو جو بھلائیاں آجتک اس میں دکھائی
گئی ہیں۔ ہم ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ لیڈروں نے
مسلم عوام کو جذب کرنے کے لئے ایک ڈھونگ نکالا ہے۔ کیونکہ کانگریسی حکومت
کے استعفا سے ان کی جاذبیت کم ہو گئی تھی۔ واللہ اعلم۔

اجلاس لاہور

تقریباً دو سال بعد ۲، ۳، ۴، ربیع الاول ۱۳۶۱ھ ۲۰، ۲۱، ۲۲، مارچ
۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کا تیرھواں اجلاس عام لاہور میں ہونے والا تھا
حالات کی نزاکت۔ اور فضا کی عدم مساعدت کے لحاظ سے یہ زمانہ اجلاس

جونپور کے دورے سے بھی زیادہ سخت تھا۔

یورپ کی جنگ کو اب ڈھائی سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اور اسکی ہلاکت باری دنیا کے تقریباً نصف حصہ کو تباہ کر چکی تھی۔ دفعۃً جاپان نے جنگ میں شرکت کر کے دشواریوں اور نزاکتوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس کی فوجیں سنگاپور کو فتح کر کے ۹ مارچ کو رنگون فتح کر چکی تھیں۔ اور اب ہندوستان کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

نیتاجی سوبھاش چندر بوس۔ ہندوستان سے غائب ہو چکے تھے۔ اور جاپان پہنچکر آزاد ہند فوج کی بنیاد ڈال چکے تھے۔

برطانیہ محسوس کرنے لگا تھا کہ ایک خاص مشن کے ذریعہ ہندوستان کے مسئلہ آزادی کا کوئی حل نکالا جائے۔ اور کانگریس کے نیتاؤں کو کسی طرح رہا کیا جائے۔ چنانچہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو وزیر اعظم برطانیہ (مسٹر چرچل) نے اعلان کر دیا تھا کہ سر اسٹیفورڈ کرپس اہل ہند سے گفتگو کرنے کیلئے عنقریب ہندوستان آنے والے ہیں۔ اس پُر آشوب اور پُر خطر دور میں بھی صوبائی جمعیتوں کی نظر انتخاب نے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو صدارت کے لئے منتخب کیا۔

اجلاس کے لئے شہر لاہور طے کیا گیا تھا۔ جہاں چند روز پہلے مسلم لیگ کا اجلاس عام ہو چکا تھا۔ اور گویا لاہور کے در و دیوار میں جمعیۃ علماء سے مخالفت کے کانٹے کھچ چکا تھا۔ مسئلہ متحدہ قومیت۔ اور اقبال مرحوم کے اشعار۔ مخالفین کے ہاتھ میں تھے۔ اور جگہ جگہ۔ سڑکوں۔ گلیوں۔ اور

چوراہوں پر اشتعال انگیز زہریلے پوسٹر چسپاں تھے۔
مگر خطرات اور خدشات سے بھرے ہوئے شہر میں صدارت کے لئے وہ شیر دل رہنما منتخب ہو چکا تھا۔ جو خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کا عادی ہے۔
خطبہ صدارت شروع ہوا تھا کہ پنڈال کی ایک جانب سے پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے۔ رضا کار متوجہ ہوئے اور پوری بہادری سے ایک شدید حملہ کا مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ جلسہ کا بڑا حصہ درہم برہم ہو گیا۔ اور اضطراب و انتشار کی لہر پنڈال کو تہ و بالا کرتی ہوئی اسٹیج تک پہنچی۔ مگر بہادر صدر اپنی جگہ پر بدستور خطبہ دے رہا تھا۔
صدر کے استقلال نے پورے مجمع کو استقلال و استقامت کی دعوت دی۔ اور چند منٹ بعد ہیجان و اضطراب کی جگہ متانت اور سکون نے لے لی پورے پنڈال پر خاموشی چھا گئی اور اطمینان کے ساتھ خطبہ صدارت سنا جانے لگا۔
اگرچہ برطانیہ نے ابھی تک کچھ دیا نہیں تھا مگر ہندوستانیوں کا عزم آزادی۔ حریت و استقلال کو یقینی امر بنا چکا تھا۔ اب آزاد ہندوستان کے نقشے دماغوں میں تھے۔ اور اپنی اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق ان نقشوں میں فرضی رنگ بھرا جا رہا تھا۔
آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا موقف کیا ہو۔ وہ مکمل آزادی سے کس طرح بہرہ اندوز ہوں اور ان کی تہذیب اور ان کا کلچر کس طرح محفوظ ہے۔ یہ سوالات

ہر مفکر اور ہر مقنن کے سامنے تھے لیگی ذہنیت مسلمانوں میں اقلیت کا احساس کمتری پیدا کر کے ان کو بزدل اور دہشت زدہ بنا رہی تھی۔ اور اس خوف و دہشت سے نجات پانے کے لئے مطالبہ پاکستان کو لازم اور ضروری قرار دے رہی تھی۔

حضرت مدظلہ العالی نے اس خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کو جس صورت کی رہنمائی فرمائی وہ کمتری۔ خوف اور دہشت کے بجائے مسلمانوں کے سامنے خود انکی صحیح حیثیت پیش کر کے ان میں ہمت۔ جرارت، حب الوطن اور جذبہ ایثار پیدا کر رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

مسلمان اور آئندہ آئین حکومت ہندوستان کے داخلی مسائل میں مسلمانوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گذشتہ ایک صدی سے ہندوستان میں جو طاقت کی حکمت عملی نے مسلمانوں کو بھی ہندوستان کی اقلیتوں میں داخل کر کے ان کے متعلقہ مسائل کو اقلیتوں کے مسائل سے وابستہ کر دیا ہے۔ برطانوی سیاسین اور مدبرین ہمیشہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت کی صف میں شمار کرنے اور ان کے معاملے کو اقلیتوں کے معاملات میں شامل کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر ہندوستان کی غیر مسلم قومیں بھی ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں مسلمانوں کے متعلقہ مسائل کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہیں جو اقلیتوں کے مسائل کے ساتھ کرنے والی ہیں۔

یہ خیال انگریزوں اور غیر مسلموں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ

ہندوستان میں ایک سیاسی اقلیت ہیں اور اسوجہ سے وہ تمام اندیشے اور وسوسے اور خطرات ان کے دلوں پر چھا گئے جو ایک اقلیت کو اپنی زندگی اور انفرادیت کے متعلق اکثریت کی طرف سے پیش آتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کی مجموعی مردم شماری میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان بھی عددی اقلیت میں ہیں لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ بجائے خود ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد یورپ کے کسی بڑے سے بڑے خطے کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے نیز ہندوستان کی تعمیر میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں ان کی تعداد ۹ اور دس کروڑ کے درمیان ہے۔ تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے وہ اہم خصوصیات کے مالک ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے انھیں قدرتی استحکام حاصل ہے۔

ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں وہ اکثریت رکھتے ہیں اور اگر صوبوں کی از سر نو تجدید اور توسیع کی جائے تو وہ تیرہ مجوزہ صوبوں میں سے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کرلیں گے۔ ان تمام حالات میں بھی اگر مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت قرار دیکر دیگر اقلیتوں میں انہیں شامل کردیا جائے تو اس سے زیادہ سیاسی غلطی اور کیا ہوسکتی ہے۔

اور اس سے بڑا اور کیا فریب دنیا کو دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر مسلمان ابھی تک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ ان کی زندگی بغیر برطانیہ کی سرپرستی کے قائم نہیں رہ سکتی تو مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ المناک اور کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔

مسلمان ہندوستان میں اپنی پوری مذہبی آزادی اور پوری تہذیب و ثقافت کے ساتھ زندہ رہیں گے اور کسی غیر کی غلامی قبول کرنے سے وہ عزت کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔ شعر

هما خُطّتا اِمّا اسار و ذلّة ۔۔ و اما دمٌ والقتل بالحر اجدرُ

دو باتیں ہیں (۱) قید اور ذلت (۲) یا موت۔ خود دار شریف کیلئے خون کیا جانا زیادہ ؟

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی مقام

آئندہ آزاد ہندوستان میں برطانیہ نے اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے لئے کونسا سیاسی مقام تجویز کیا ہے۔ میں اس وقت اس بحث کو چھیڑ کر تلخیوں میں اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن خود ہندوستان کے سیاسی مفکرین کے سیاسی تصورات کا جہاں تک تعلق ہے انھیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اگر ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین حکومت کی تشکیل اس طریق پر کرنا چاہتا ہے کہ فرقہ وارانہ اکثریت کی ایسی مستحکم مرکزی حکومت قائم ہو کہ مسلمانوں کو تمام ہندوستان میں ایک اقلیت کی جگہ ملے۔ اور ان کی زندگی اور بقا تمام تر ایک طاقتور اور ناقابل تسخیر اکثریت کی مرضی سے وابستہ ہو۔ لیکن یہ تصور محض ایک پریشان خواب ہے۔ جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

یہ تصور اندھی سیاست ہونے کے علاوہ صائب الرائے مفکرین کے نزدیک ناقابل عمل بھی ہے۔ اس تصور کو جس قدر جلد دماغوں سے محو کر دیا جائے

اسی قدر ہندوستان کے مجموعی مفاد کے لئے بہتر اور ہندوستان کے لئے مفید ہوگا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو پہلے گروہ کے تصور اور اس کے عواقب و نتائج سے گھبرا کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لئے صرف یہ راستہ تجویز کرتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اپنا جداگانہ سیاسی منطقہ بنا کر براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کر دے اس گروہ نے اپنے تقسیم ہند کے مطالبہ کو تو نہایت بلند آہنگی اور شدت کے ساتھ منظر پر لانا شروع کر دیا ہے۔ لیکن اس کے کسی پہلو پر ہلکی سی روشنی بھی نہیں ڈالی۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی آبادی۔ ان کے مذہبی مقدس شعائر مساجد۔ مزارات علمی ادارے۔ اوقاف وغیرہ اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ تقسیم ہند کی صورت میں ان کا کیا حشر ہوگا۔ اس پر مجوزین تقسیم بالکل خاموش ہیں۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مجوزین تقسیم کے نزدیک اسلامی منطقہ میں قائم ہونے والی حکومت کا دستور اساسی اسلامی اور الٰہی حکومت کا دستور نہ ہوگا۔ اسکی بنیاد بھی یورپین طرز حکومت پر ہوگی۔ اور اپنے تحفظ کا اطمینان ہو جانے پر اسے قبول کرنے میں بھی وہی اہون البلیتین اختیار کرنے کا اصول برتنا ہوگا نیز اس نظریہ کے ماتحت ہندو منطقے اور مسلم منطقے قائم ہو جانے کی صورت

میں ہندو منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۲۴ فیصدی اور اکثری طور پر، یا ۵ فیصدی ہو گی۔ بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے۔ اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فیصدی تک ہو گی۔ مسلم حکومت کے لئے وبال جان ہوں گے۔ پس مسلم منطقے ہندو منطقوں کے تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی اور ہلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کر کے اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب مؤثر اقلیتیں ان کے لئے وبال جان ہوں حاصل کر کے کونسی فلاح و بہبود اور اطمینان و مسرت حاصل کر سکیں گے۔

کیا یہ غضب کچھ کم ہے کہ مسلم اقلیتوں کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جو کام کیا گیا ہو وہ ایسے طرز پر کیا جائے کہ انھیں غریب، بے کس۔ مسلمانوں کی ساڑھے تین کروڑ کی تعداد ہلاک و برباد کر دی جائے۔ اور اپنی اکثریت بھی شدید خطرہ میں مبتلا ہو جائے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین کو وفاقی۔ لامرکزیا اصول پر مرتب کرنا۔ ہندوستان کے لئے اور اس کے تمام صوبوں اور قوموں کے لئے مفید اور قابل عمل سمجھتا ہے۔ وفاق میں شامل ہو جانے والی حکومتیں اپنی اپنی جگہ کلیتہً خود مختار اور آزاد ہوں گی۔ مرکزی حکومت ان کی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کر سکے گی۔ مرکز کو صرف وہ اختیار ملیں گے جو وفاق کے اجزا اسکو اتفاق رائے سے سپرد کریں گے۔ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبائی حکومتوں کو حاصل رہیں گے۔

ہر حکومت میں اقلیتوں کے تہذیبی۔ سیاسی۔ مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے۔ اور ان کی صوابدید کے موافق تحفظات دیے جائیں گے۔ اکثریت اپنے حقوق اکثریت سے مستفید ہوگی اور اقلیتیں امن و اطمینان کی زندگی بسر کریں گی۔

غیر مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیت کو کسی تکلیف اور بے انصافی کا خوف نہ ہوگا۔ ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق۔ اور مقدس شعائر بجائے خود محفوظ ہو جائیں گے۔ اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں اقلیتیں امن و اطمینان سے زندگی بسر کریں گی اور ان کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کی جائے گی۔ اور ان کے تمام سیاسی و مذہبی حقوق اور شعائر محفوظ ہو جائیں گے۔

ہندوستان کے ذی بصیرت اصحاب رائے اس تجویز کو موجودہ ماحول میں قابل عمل۔ اور ہندوستان کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں۔ (خطبہ صدارت اجلاس لاہور از ص ۴۱ تا ص ۴۴)

خطبہ صدارت کے اشارات کے بموجب اجلاس لاہور میں اسلامیان ہند کے صحیح موقف اور مقام کے متعلق ایک تجویز پاس کی گئی جس نے آگے چلکر جمعیۃ علماء ہند کے مشہور فارمولا کی شکل اختیار کر لی۔ اور کبھی کبھی اس کو "مدنی فارمولا" بھی کہا گیا۔

تجویز ـــــــ جمعیۃ علماء بارہا اس امر کا اعلان کر چکی ہے کہ اس کا نصب العین آزادی کامل ہے اس پر تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

جمعیۃ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جسکی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

جمعیۃ علماء ہند ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں۔ اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کر دیں۔ اور جنکا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔ جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے۔ مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی۔ یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

عہ۔ ایسی تشکیل کی صورتیں اس کے بعد کے اجلاس عام میں جو سہارنپور میں ہوا تھا چند دفعات کی صورت میں بیان کر دی گئی تھیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علماء حق جلد دوم محمد میاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی اسارت

سر اسٹیفورڈ کرپس۔ تقریباً دو ہفتہ تک ہندوستانی زعماء سے گفتگو کرتے رہے۔ مگر نتیجہ ناکامی رہا۔

کرپس مشن کی ناکامی کے بعد حکومت برافروختہ تھی کہ کانگریس نے اس کے کورے چک کو قبول کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔ اور عام ہندوستانیوں کے جذبات مشتعل تھے کہ جس آزادی اور جمہوریت کے نام پر ہندوستان کے نونہالوں کو میدان جنگ کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے اور اس کی دولت کو لوٹا جارہا ہے۔ خود ہندوستان کو اس سے کیوں محروم رکھا جارہا ہے اور کیا وجہ ہے کہ اس کے مطالبوں کو ڈپلومیسیوں سے ٹالا جارہا ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس۔ انفرادی ستیہ گرہ کی تحریک پہلے چلا چکی تھی اور عوام کے جذبات اب کانگریس کو دوبارہ عوام کی ترجمانی پر مجبور کر رہے تھے

لارڈ لنگلتھگو۔ وائسرائے ہند۔ مسٹر چرچل وزیر اعظم اور مسٹر امیری وزیر ہند کی ملی بھگت تھی کہ ہندوستان کے جذبات کو قوت سے دبا دیا جائے۔

مگر تحریک چلنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی گرفتاری کم از کم مسلم حلقہ میں تحریک کے دائرہ کو زیادہ وسیع کر دیتی۔ اور حکومت کی اس پالیسی پر زیادہ اثر انداز ہوتی کہ مسلمان تحریک سے علیحدہ رہیں۔ تاکہ وہ کانگریس کی تحریک کو صرف ہندوؤں کی تحریک کہہ کر مقصد تحریک کو زیادہ سے زیادہ

ناکام کرسکے۔

اتفاق سے جمعیۃ علماء ضلع مرادآباد نے ۲۳، ۲۴، ۲۵ اپریل ۱۹۴۲ء کو قصبہ بچھراؤں میں اپنی کانفرنس منعقد کی۔ اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی سے شرکت کانفرنس کی منظوری حاصل کرلی۔ حکومت نے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھا اور حضرت موصوف کی تحریر کے نوٹ حاصل کرنے کے لئے خاص انتظام کیا گیا۔ نوٹ حاصل کرنے کے بعد مقدمہ مرتب کیا گیا۔ اور وارنٹ جاری کردیا گیا۔

دیوبند میں گرفتار کرنا خطرناک تھا لہذا ۲۴ جون ۴۲ء کی شب میں جب کہ حضرت مولانا پنجاب کی ایک اتحاد کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے تھے تقریباً دو بجے شب کو سہارنپور اور دیوبند کے درمیان ٹپری کے اسٹیشن پر سب انسپکٹر پولیس حضرت موصوف کے ڈبہ میں آیا۔ اور وارنٹ گرفتاری پیش کردیا۔

رات کو سہارنپور حوالات میں رکھکر صبح کو مرادآباد روانہ کیا گیا۔ جو تار شب کے وقت جمعیۃ علماء سہارنپور کے کارکن حضرات نے مرادآباد دیا تھا وہ احقر کو مرادآباد میں اس وقت پہنچایا گیا جب کہ حضرت کو مرادآباد اسٹیشن سے اتار کر جیل خانہ میں داخل کیا جاچکا تھا۔

جماعت کی پالیسی اس وقت یہ تھی کہ ایسے مقدمات کی پیروی کیجائے چنانچہ مقدمہ کی پیروی کے لئے ایک دفاع کمیٹی بنادی گئی۔ اور حافظ محمد ابراہیم صاحب وکیل کی زیر قیادت وکلاء کی ایک جماعت نے مقدمہ کا کام شروع کردیا

مگر چونکہ ایک طے شدہ اسکیم کے ماتحت گرفتاری عمل میں لائی گئی تھی لہٰذا وکلار کی تمام جدوجہد بے سود رہی - اور سرپو استوا - اسپیشل مجسٹریٹ درجہ اول نے ۸ ماہ قید با مشقت اور پانچسو روپیہ جرمانہ کا حکم سنادیا - اور اے کلاس کی سفارش کی -

دفاع کمیٹی نے طے کیا کہ ضمانت پر حضرت کو رہا کرایا جائے - دسٹرکٹ جج نے درخواست ضمانت منظور کر لی - صرف پانچسو روپیہ کے دو مچلکے طلب کیے - مگر جب سرپو استوا کے سامنے منظور شدہ درخواست ضمانت پیش کی گئی تاکہ مچلکے لیکر رہائی کا آرڈر دیدے تو اس نے قانونی موشگافیاں شروع کردیں - اور پھر دسٹرکٹ مجسٹریٹ (مسٹر ھیک) کے پاس چلا گیا -

مسٹر ھیک (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جو حضرت موصوف کی گرفتاری کو اپنی بڑی کامیابی سمجھ رہا تھا - فوراً جج کے پاس پہنچا - اور جج کو چیلنج کردیا کہ اگر وہ رہائی کا حکم دیگا تو فوراً مولانا کو دفعہ ۱۲۹ ڈیفنس آف انڈیا رول کے ماتحت گرفتار کرلیا جائیگا - ڈسٹرکٹ جج کی یہ کمزوری تھی کہ اس نے منظور شدہ ضمانت کو منسوخ کردیا -

بہرحال دفاع کمیٹی نے اپیل دائر کردیا - ۲۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو مسٹر آصف علی صاحب مرادآباد پہنچے اور تقریباً چار گھنٹہ اپیل میں بحث کی - مگر جج نے تاریخ فیصلہ ۱۳ اگست ۱۹۴۲ء مقرر کی اور ۱۳ اگست سے پانچ روز قبل ۸ اگست ۱۹۴۲ء کی مشہور تحریک شروع ہوگئی -

دیگر اضلاع کی طرح ضلع مرادآباد کے ہندو مسلمان فوجی کارکن بھی

۸ر اور ۹ر اگست ۴۲ء کو گرفتار کر لئے گئے۔ ایک عام ہیجان اور ناگہانی گرفتاریوں کا نتیجہ تھا۔ بازار بند ہو گئے۔ کارخانوں میں ہڑتال ہو گئی۔ طلبہ نے کالجوں اور اسکولوں کا اسٹرائیک کر دیا۔ جلوس اور جلسوں نے شہر کی فضا کو گرما دیا۔

۱۱ر اگست ۴۲ء کو بازار چوک میں پولیس کے فائرنگ نے چند آدمیوں کو ہلاک اور بہت سے نہتے ہندو مسلمانوں کو مجروح کر دیا۔

۱۳ر اگست ایسی حالت میں آئی کہ کچہری میں سناٹا تھا۔ اور مخصوص حکام کے علاوہ نہ مقدمہ باز موجود تھے نہ پیروکار۔

بہرحال ۵ر جون ۴۲ء سے ۸ر اگست ۴۲ء تک حضرت مدظلہ العالی مرادآباد جیل میں تنہا رہے۔ ایک احاطہ میں چار کوٹھریاں ہیں۔ ان کے سامنے برآمدہ ہے۔ پہلے پھانسی کے ملزمین کو ان کوٹھریوں میں رکھا جاتا تھا۔ اسی لئے اس احاطہ کو پھانسی گھر کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پھانسی کے ملزمین کے لئے دوسرے احاطہ کی کوٹھریاں مخصوص کر دی گئی تھیں۔ اور اس احاطہ کی کوٹھریاں سیاسی قیدیوں کے لئے خالی کرا لی گئی تھیں۔ حضرت مدظلہ العالی کو اسی احاطہ کی ایک کوٹھری میں رکھا گیا۔

موت اور بالخصوص پھانسی کا تصور انسان کے دماغ کو خوف زدہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس احاطہ میں وارڈر بھی رات کو آتے ہوئے ڈرتے تھے چابی والا وارڈر بھی رات کو جیل کے میٹ کو لیکر اس احاطہ کا چکر لگایا کرتا تھا وارڈروں کی خوف زدگی کے متعدد واقعات مشہور تھے۔ مشہور یہ تھا کہ اس احاطہ میں بھوت رہتے ہیں۔

مگر حضرت مدظلہ العالی کی ذاکرانہ زندگی کے لئے یہ تنہا کوٹھری بہت ہی موزوں تھی۔ چنانچہ حضرت پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ اس کال کوٹھری میں مقیم رہے۔

۹ اگست سنہ ۴۲ء کی صبح کو سب سے پہلے حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یوپی خدمت میں باریاب ہوئے۔ حافظ صاحب کے بعد رفیق محترم مولانا قاری عبداللہ[۱] صاحب (رحمۃ اللہ) اور پھر مولانا الحاج مولوی محمد اسمٰعیل

---

[۱] مولانا حافظ قاری عبداللہ صاحب ساکن قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب مکی کے تلمیذ خاص اور اپنے زمانہ کے فن قرات کے امام مانے جاتے تھے۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب مکی نے آپکو فخر القراء کا خطاب دیا تھا۔ تقریباً پندرہ سال تک مراد آباد کی عربی درسگاہوں میں اور پھر دس سال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تجوید و قرات کا درس دیا۔ سیکڑوں طلبہ نے دور دراز سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فن قرات کی تکمیل کی اور دنیا ئے اسلام کے اطراف و اکناف میں پہنچکر قرآن عزیز اور فن قرارت کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔

قاری صاحبان کے عام طرز کے خلاف قاری عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ سیاسیات سے آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ تدبر۔ دانشمندی۔ خداوند عالم پر اعتماد اور بھروسہ آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔ خودداری اور استغنا یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ بہت ہی مشکل سے کسی کی دعوت منظور فرماتے تھے۔ آپ کے شریفانہ اخلاق نے آپ کو مراد آباد کا ہر دلعزیز عالم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد و ایم۔ ایل۔ اے۔ اسی تاریخ کو خدمت میں حاضر ہو گئے۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۸) اور رہنما بنا دیا تھا۔ ہر ایک طبقہ آپ کی عزت کرتا تھا۔ اور نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ جماعت کے مدبرین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی مخصوص عنایت و شفقت نے احقر کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تربیت ہی نے احقر میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ گرفتاری کے وقت آپ کانگریس کمیٹی شہر مراد آباد کے صدر تھے۔ مئی ۱۹۴۳ء میں آپ رہا کئے گئے۔ اور رہائی سے تقریباً ۴ ماہ بعد آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات کا سانحہ انتہا درجہ رقت انگیز ہے۔ ۵ رجب ۱۳۶۲ھ کو آپ کے چار سالہ پوتے کا ہیضہ میں انتقال ہوا۔ ۶ رجب یوم چہارشنبہ کو آپ خود ہیضہ میں مبتلا ہو گئے۔ اگلے روز صبح کو آپ کے نوجوان صاحبزادہ قاری محمد طیب صاحب مرحوم ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور رات کو آپ کی ۱۳ سالہ لڑکی مبتلا ہیضہ ہوئی۔ جمعہ کو نماز سے پہلے لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ نماز کے بعد صاجزادہ قاری محمد طیب صاحبؒ کا۔ اور دو روز بعد ۱۰ رجب یوم یکشنبہ کو بوقت عصر قاری صاحب کی روح مبارک نے پرواز کی۔ اس حادثۂ جانکاہ نے سارے شہر کو چند روز کے لئے وقف الم کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاری صاحب کی وفات سے تیسرے روز نواسی کا انتقال ہو گیا۔ چوتھے یا پانچویں روز ایک لڑکا تولد ہوا۔ خیال کیا گیا کہ شاید قاری صاحب کی یادگار رہتا بست ہو مگر دو ہفتہ بعد وہ بھی راہی ملک بقا ہو گیا۔

پھر رفتہ رفتہ حضرت الحاج مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمیعۃ علماء ہند، منشی معین الدین صاحب رئیس قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد مولانا عبدالقیوم صاحب سنبھلی اور کامریڈ محمد ابراہیم صاحب مرادآبادی ممبر صوبۂ کانگریس وغیرہ بھی رفقائے جیل کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے چند طلبہ کرام[1] اور کچھ دوسرے حضرات جو ضلع مرادآباد سے گرفتار کئے گئے تھے۔ اگرچہ وہ نظربند نہ تھے اور ان کی کلاس بھی مختلف تھی۔ مگر حضرت کی عمومی شفقت نے ان کو بھی رفیق کی حیثیت دیدی تھی۔

جملہ رفقاء حضرت کو اپنا مربی سمجھتے تھے۔ اور حضرت کی بزرگانہ شفقت کے سامنے اپنے اہل و عیال کو بھی فراموش کر گئے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کی عقیدت اور انسیت بھی حد سے زیادہ تھی۔ اور نہ صرف

---

[1] مولوی غلام حسین صاحب (چمپانگر بھاگلپور) فاضل جامع قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

مولوی منصور علی صاحب 〃 〃 〃 〃 〃

مولوی قربان علی صاحب فاضل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (بھاگلپوری)

مولوی عبدالمنان صاحب گنگی فاضل دارالعلوم دیوبند۔

مولوی عصمت علی صاحب سنبھلی متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد۔

مولوی ملیح الدین صاحب بھاگلپوری فاضل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

مولانا مقصود احمد صاحب ترکی سنبھلی۔

کانگریسی ہندو بلکہ جیل کے ملازم اور افسر بھی احترام کرتے تھے۔ اور عقیدت سے پیش آتے تھے۔ اپنی ضرورتوں میں حضرت سے دعا کے طالب ہوتے تھے اور متعدد بار حضرت کی دعاء کی برکت بھی دیکھ چکے تھے۔ لہذا انکی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ایک مبارک خواب غالباً دسمبر ۴۳ء میں ایک صاحب نے اطلاع دی کہ ان کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند امام الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے تعبیر بیان فرمائی کہ مسلک جمعیۃ علماء ہند کی صداقت کی بشارت ہے کیونکہ ایک جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہیں اور دوسرے جمعیۃ علماء کے ناظم اعلیٰ۔

نظر بندی کا نوٹس | حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی چھ ماہ کی سزا ۴ جنوری ۴۳ء کو ختم ہونے والی تھی۔ مگر اس سے چار پانچ روز قبل ہی آپ پر دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا نوٹس تعمیل کرا کر آپ کو غیر محدود عرصہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔

قیدیوں اور نظر بندوں کو عموماً گرفتاری اور سزایابی کے مقام سے منتقل کر کے کسی دوسرے جیل میں یا کسی سنٹر میں پہنچا دیا جاتا ہے مگر چونکہ ۴۲ء کی تحریک جداگانہ نوعیت رکھتی تھی۔ اس لئے

اس[۵] مرتبہ قیدیوں کو منتقل نہیں کیا گیا۔

مگر جنوری ۱۹۴۳ء میں تحریک اپنی عمر طبعی ختم کر رہی تھی۔ لین اکھاڑنے۔ تار کاٹنے اور ریل توڑنے وغیرہ کے واقعات تقریباً بند ہو گئے تھے۔ اور راستہ کے خطرات سے گورنمنٹ مطمئن ہو گئی تھی۔ لہذا سیاسی قیدیوں کو منتقل کرنا شروع کر دیا گیا۔

۱۴ محرم ۱۳۶۲ھ ۲۳ جنوری ۱۹۴۳ء کی شب کو اطلاع ملی کہ حضرت مدظلہ العالی کو صبح کو نینی جیل الہ آباد کو منتقل کر دیا جائیگا۔ اگرچہ یہ خبر توقع کے خلاف نہ تھی مگر تاہم اس خبر نے رفقاء کے دلوں پر بجلی کا کام کیا۔ ایک عجیب اضطرابی کیفیت تھی جو سب پر طاری تھی۔ اور روانگی کے وقت تو وہ بھی جنکو اپنے ضبط و استقلال پر اعتماد تھا اپنے قابو میں نہ تھے۔ کسی

---

[۵] اس مرتبہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اے اور بی کلاس کے نظر بندوں اور قیدیوں کی بھی وہ تمام رعایتیں سلب کر لی گئی تھیں جو کتب بینی یا خط و کتابت کے سلسلہ میں ان کو حاصل ہوتی ہیں۔ نہ کوئی خط ان کو مل سکتا تھا نہ وہ کسی کو خط لکھ سکتے تھے۔ نہ کوئی اخبار ان تک پہنچ سکتا تھا۔ حتی کہ کسی کتاب کے رکھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں ان کو تین کتابوں کے رکھنے کی اجازت ملی۔ پھر چند ماہ بعد مہینہ میں ایک خط کی اجازت نصیب ہوئی اور ۱۹۴۴ء میں ان کو لکھنے پڑھنے کی وہ رعایتیں مل گئیں جو قانوناً انکو ملنی چاہئیں تھیں۔

فراق کے وقت رنج والم کی یہ کیفیت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ آج حضرت کے رفقار اور خدام کو یہ محسوس ہوا کہ وہ جیل میں ہیں۔ اور غالباً یہی احساس پیدا کرانا مقصود تھا کہ حضرت کے تبادلہ کو مقدم رکھا گیا۔

قفس میں رہتے ہوئے احساس گرفتاری نہ ہو۔ صیاد ستمگر کی اس سے زیادہ ناکامی کیا ہوسکتی ہے۔

حضرت مدظلہ العالی نینی جیل میں

۲۴ جنوری ۱۹۴۳ء کو حضرت نینی جیل الٰہ آباد میں داخل کئے گئے مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری خلف حضرت مولانا محمد فاخر صاحبؒ الٰہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہ (الٰہ آباد) مولانا عبدالحیٰ صاحب۔ عبدالمجید صاحب۔ مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی۔ مولانا عبدالباری صاحب عباسی گورکھپوری جیسے احباب وہاں بھی موجود تھے۔ یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے۔

یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی۔ صرف اس بناء پر کہ گنتی کے لئے جسقدر عجلت سے وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرت اس کی تعمیل نہ کرسکے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی سے جیل کے تمام نظربند برافروختہ ہوگئے اور جب رفتہ رفتہ باہر خبر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا چنانچہ تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی

تھی۔ مگر جیل سے باہر تمام ہندوستان میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا۔ چنانچہ ۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے۔

بالآخر ۲۷ نومبر ۱۹۴۳ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک "کیمونکے" شائع ہوا۔ جس میں اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا افسران جیل سے مطمئن ہیں۔ لیکن حضرت کے متوسلین کے لئے یہ کیمونکے بھی اطمینان بخش نہ تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے حضرت کے ساتھیوں نے اس پر دعوے دائر کرنے کی بھی تیاری کرلی تھی لیکن حضرت کا ایک پیغام پہونچا۔ کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کردیا ہے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ لہذا تمام خدام کو اپنے ارادوں سے باز رہنا پڑا۔

رہائی اور اس کی اطلاع

۷ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کی صبح کو تقریباً ۱۰ بجے ایک صاحب نے غربت کدہ پر دستک دی۔ باہر نکلکر دیکھا تو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے ایک طالب علم صاحب موجود تھے۔ ایک پرچہ ان کے ہاتھ میں تھا کہ

"تار آیا ہے کہ ۷ رمضان ۱۳۶۳ھ ۲۶ اگست ۱۹۴۴ء کو حضرت بلاشرط رہا کردیئے گئے"

رمضان شریف کی حرمت وعظمت بشیر کا مونہہ میٹھا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ لہذا احقر نے افطار کے لئے مدعو کرلیا۔

مختصر یہ کہ۔ اس مرتبہ۔ ۲۴ جون سنہ ۴۲ء سے ۲۶ اگست سنہ ۴۴ء تک یعنی دو سال دو ماہ۔ دو دن حضرت جیل خانہ میں رہے۔

مشاغل اور معمولات | پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مدظلہ العالی کو پھانسی گھر کے احاطہ کی ایک کوٹھری میں رکھا گیا۔ باقی دوسرے مسلمان نظر بندوں نے بھی حضرت کی رفاقت نیز یکسوئی اور علیحدگی کے باعث اسی احاطہ کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ دن کو اسی احاطہ میں رہتے تھے۔ مگر رات کو ان کے لئے ایک دوسری بیرگ میں سونے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔

چونکہ رات کے وقت نماز عشاء کے بعد سے نماز صبح تک حضرت مدظلہ العالی کی خدمت سے محرومی رہتی تھی لہذا رات کے پروگرام کا مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ جیل کے پہرہ دار یہی کہا کرتے تھے کہ حضرت رات بھر جاگتے ہیں اور نوافل و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔

اذان صبح کے وقت جب بارکیں کھلتی تھیں اور شب ہجر کے تاریک لمحات رخصت ہو کر سپیدہ صبح کے ساتھ خدمت میں حاضری ہوتی تھی تو وہ احاطہ حضرت مدظلہ العالی کے ذکر جہری سے منور ہوتا تھا۔

اذان صبح پڑھی جاتی۔ رفقاء استنجے اور وضو سے فارغ ہوتے اتنی دیر میں روشنی خوب پھیل جاتی۔ اور پورے اسفار کے بعد حضرت مدظلہ العالی صبح کی نماز شروع کرتے۔ اور حسب سنت طوال المفصل کی قرارت فرماتے۔ آغاز جنگ سے حضرت قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے۔ جیل خانہ میں بھی یہی معمول رہا۔

نماز صبح اور تسبیحات مسنونہ کے بعد کوٹھری میں جا کر بیس پچیس منٹ ورزش کرتے۔ اور پھر بیچ کی کوٹھری میں چائے کے لئے تشریف لے آتے اور تمام رفقاء کے ساتھ چاء نوش فرماتے۔ چاء کے بعد تقریباً نصف گھنٹہ تک یہ مجلس جاری رہتی۔ حضرت مدظلہ العالی مجلس میں تشریف فرما رہتے۔ کبھی کبھی ہندو ساتھی بھی اس مجلس میں شرکت کرتے تھے۔ بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ مختلف علمی[5]، سیاسی یا مذہبی مسائل پر گفتگو رہتی۔ دسمبر اور جنوری میں ساڑھے آٹھ کا گھنٹہ اس مجلس کے خاتمہ کا اعلان ہوتا۔ ہر شخص اپنے مذاق کے بموجب اپنے کام میں لگ جاتا۔ اور حضرت مدظلہ العالی تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہو جاتے۔

سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ میں بیان

---

[5] اصحاب کہف و رقیم۔ ذوالقرنین سد سکندری کا جار و قوع۔ یاجوج و ماجوج کی تعیین۔ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہیں۔ حضرت مجدد صاحب الف ثانی رحمۃ اللہ کا ایک مقولہ "معرفت بر آں کس حرام ست کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند"۔ بلقیس کا تخت۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کی حاضری۔ حیلۂ شرعی کا جواز۔ پاکستان کے موضوع پر ان مجالس میں کئی کئی روز تک گفتگو رہی۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب بحث کا مدار علیہ رہا کرتے تھے حافظ محمد ابراہیم صاحب کے زمانہ وکالت اور وزارت کے دلچسپ واقعات اور لطیفے بسا اوقات مجلس میں رنگینی پیدا کر دیتے تھے۔

کیا جاتا ہے کہ دربار رسالت کے حاضرین بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ
زمانہ جاہلیت کے قصے بیان کرتے مختلف مسائل پر بحث فرماتے۔
سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم بھی مساویانہ انداز میں شریک گفتگو رہتے۔
جو بات صحابہ کرام کو عجیب معلوم ہوتی۔ آپ بھی اس پر تعجب کا اظہار فرماتے
اور جس بات سے صحابہ کرام ہنستے آپ بھی اس پر تبسم فرماتے۔ سب کا انداز
مساویانہ ہوتا۔ سب کو گفتگو کی آزادی ہوتی۔ مگر نہ کسی پر چوٹ ہوتی تھی
نہ کسی پر فقرہ چست کیا جاتا۔ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ دوسرے کی بات
کاٹے۔ جب تک پہلے شخص کی بات ختم نہ ہو جاتی۔ دوسرا شخص بات نہ
شروع کرتا۔ بارگاہ رسالت کا التفات ہر ایک کی طرف مساوی رہتا
حتے کہ ہر شخص یہی سمجھتا کہ سب سے زیادہ حضرت کی مہربانی میرے اوپر ہے
حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی اس مجلس میں شریک ہونیوالا
یہی محسوس کرتا کہ یہ مجلس دربار نبوت کی مقدس مجلس کا نمونہ ہے اور یہ اجتماع بھی
اس لئے ہے کہ ایک معاشرتی سنت ادا کی جائے اور ناواقفوں کو اس کی تعلیم دیجائے۔
تقریبًا ساڑھے نو بجے سے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی مولانا
قاری عبداللہ صاحب کو قرآن پاک سنانا شروع کردیتے
کھانے کے وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔
رفقاء کرام میں وہ آزاد منش بھی تھے جنکو پروگرام کی پابندی دشوار
تھی۔ کھانا تیار ہو جاتا اس کی اطلاع بھی دیدی جاتی تاہم دسترخوان پر پہنچنے کے
لئے باربار تاکید کرنی پڑتی۔ لیکن حضرت مدظلہ العالی کے لئے پروگرام کی

پابندی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ کھانے کے سلسلہ میں بھی پابندی پروگرام کی یہی شان تھی۔ کھانے کے وقت سے پہلے ہی کلام اللہ شریف کے دور کا سلسلہ ختم فرما دیتے۔ ورنہ جیسے ہی اطلاع ملتی فوراً دسترخوان پر تشریف لے آتے۔

علماء حق کے نزدیک وجد وکیف۔ کشف وکرامت۔ یا خلق خدا سے قطع تعلق اور ترک دنیا۔ کمال طریقت اور انتہاء سلوک نہیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ۔ اکمل الکاملین۔ افضل الانبیاء والمرسلین کی عادتیں اور خصلتیں اس کی طبیعت ثانیہ بن جائیں۔ جملہ جذبات اور تمام احساسات سنت سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہو جائیں۔ صحاح کی مندرجہ ذیل متفق علیہ اور مشہور حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔

یعنی رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مومن کامل نہیں جب تک اس کی خواہش اس (تعلیم وسنت) کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں نے پیش کیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کی سیرت وخصلت کا جس قدر زیادہ قریب سے مطالعہ کیا جائے آپ کے اس باطنی کمال کا اندازہ ہوگا جس کا نام "فنا فی السنۃ" ہے۔ ذکر وفکر میں استغراق اور وارفتگی ذات بحت کے علاوہ ہر ایک سے نفرت وبیگانگی، بیشک ایک اونچا مرتبہ ہے۔ مگر وارث انبیاء (علیہ السلام) کی شان اس سے زیادہ وسیع ظرف کی خواہاں ہے۔

انبیاء علیہم السلام ایک طرف ذات اعلیٰ واقدس کے ساتھ انتہائی تعلق رکھتے ہیں۔ سبع سموات کی سیر کرنے میں عرش معلےٰ تک شرف معراج حاصل کرتے ہیں اور دوسری طرف خلق خدا کے ساتھ اس طرح گھلے ملے رہتے ہیں کہ کوتاہ نظر یہی کہا کرتے ہیں مما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے)

ما ھذا الا بشر مثلکم۔ یاکل مما تاکلون ... ویشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون۔

یہ تو تم جیسا بشر ہی ہے جو تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے۔ جو تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت کی تو یقیناً تم خسارہ میں رہو گے۔

ایک صاحب باطن اپنے ظرف میں یہ وسعت نہیں رکھتا اگر اس کی نگاہیں ما زاغ البصر وما طغیٰ کی یہ قوت اپنے اندر نہیں رکھتیں کہ تجلیات جمال ان کو خیرہ نہ کر سکیں۔ عظمت و جبروت کی برق تابیاں اس کے کاشانۂ دل کو آتشکدہ جذب و اضطراب نہ بنا سکیں۔ تو ولایت کا جو خطاب چاہو اس کو دیدو مگر وارث نبی کے خطاب کا وہ مستحق نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے عام مشاغل۔ آپ کی سادگی اور بے تکلفی اور خلق خدا کے ساتھ آپ کا ربط و ضبط ظاہر بین نگاہوں کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ اور وہ آپ کی شان کو نہیں پہچان سکتیں۔ لیکن جن دقیقہ رس نگاہوں کو خدا نے دین کی بصیرت عطا فرمائی ہے۔ جو

سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واقفیت کا نور اپنے اندر رکھتی ہیں۔ وہ حضرت کی قدر و منزلت کو پہچانتی ہیں۔ اور سیاسی خیالات میں اختلاف کے باوجود حضرت مدظلہ العالی کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرتی ہیں۔ ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔ ؎ "قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

ساتھ کھانا۔ اس طرح بیٹھنا کہ کسی چیز پر تکیہ لگائے ہوئے نہ ہو۔ مثلاً دوزانو بیٹھنا۔ چھوٹی تشتریوں کے بجائے طشت یا بڑی پلیٹ میں چند آدمیوں کا ساتھ ساتھ کھانا۔ اپنے آگے سے کھانا۔ پلیٹ یا طشت کے بیچ میں یا دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ مارنا۔ برتن کو لھسا ہوا نہ چھوڑنا بلکہ پونچھ کر صاف کر لینا۔ دسترخوان پر گرے ہوئے ٹکڑوں کو کھالینا۔ ورنہ احتیاط سے رکھنا اس قسم کے بہت سے آداب ہیں جنکو شمائل مبارکہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے ساتھ جن حضرات کو کھانے کا اتفاق ہوا ہے وہ واقف ہیں کہ یہ تمام باتیں حضرت مدظلہ العالی کی عادت میں اس طرح داخل ہوگئی ہیں کہ ان کی خلاف ورزی آپ کے لئے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

حضرت شیخ مدظلہ العالی کے دسترخوان پر بڑی پلیٹیں رہتی ہیں ایک ایک پلیٹ میں آٹھ دس آدمی شریک ہوجاتے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ اگر ایسی بڑی پلیٹ نہ ہو تو چھوٹی پلیٹ میں بھی کم از کم اپنی برابر کے آدمی کو حضرت ضرور شامل کر لیتے ہیں۔ جیل خانہ میں بھی حضرت کے اس معمول میا

فرق نہیں آیا۔ مراد آباد میں مہذب اہل علم کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ جنکے ساتھ کھانے میں چنداں تکلف نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن الہ آباد میں جبکہ دوسرے رفقاء رہا ہو جانے کے بعد حضرت تنہا رہ گئے تھے تو وہ مسلمان اخلاقی قیدی جنکو جیل خانہ کی طرف سے کھانا پکانے وغیرہ کی خدمت کے لئے معین کیا جاتا تھا۔ حضرت موصوف انکو ساتھ کھلاتے تھے۔ عموماً ہندو اس طرح ساتھ کھانے سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق انسان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کہ کتے یا خنزیر کا جھوٹا۔ اور انگریزوں کی اوہام پرستی نے جنکو ہر ایک چیز میں جراثیم نظر آتے ہیں۔ اور انسان کے لعاب میں تو ان کو زہر بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کو مزید تقویت پہنچا دی۔ با ایں ہمہ ہمنے ایسے ہندوؤں کو بھی دیکھا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ کھانے پر رشک کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ چھوت چھات کے ساتھ انسانی مساوات کی حمایت کا دعویٰ کرنا سراسر عبث ہے۔ اور کردار و گفتار کے باہمی تضاد کا بین ثبوت۔ جو لوگ چھوت چھات کو جزو مذہب سمجھتے ہیں از روئے انصاف ان کو حق نہیں کہ وہ انسانی برادری کی مساوات کا دعویٰ کریں

لیگی دوستوں نے اسلامی تہذیب کی حمایت و حفاظت کے بلند بانگ دعووں سے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ مگر کیا ان غریبوں کو یہ خبر بھی ہے کہ اسلامی کلچر کیا ہے۔

منشیات کا استعمال۔ عورتوں کی بے حجابی۔ عورتوں کا بن سنور کر

باہر نکلنا۔ غیر مردوں سے اختلاط۔ نیم برہنہ لباس۔ وغیرہ ان نو عمارلت کی معاشرت کے قابل فخر اجزا ہیں۔ جو کلچر اسلام کی حفاظت کے نام پر مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرتے ہیں۔

ایک معزز خاندان کی لڑکی کو حال ہی میں میں نے دیکھا کہ وہ کتے کے پلے کو اس طرح آغوش میں لے رہی تھی اور پیار کر رہی تھی کہ اپنے چھوٹے بہن بھائی کو بھی اس طرح پیار نہ کرتی ہو گی یعنی یورپ کا ملعون طرز اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ اور اسلامی تعلیم سے اس کا ذہن قطعاً سادہ ہو چکا ہے۔ باقی رہا نماز روزہ۔ یا وضع قطع میں اسلامی احکام یا سنت نبویہ کی تعمیل واتباع۔ تو محافظین کلچر اسلام کے نزدیک ان کا تو ذکر ہی کیا معاذاللہ۔ یہ تو دور دقیانوسیت کی چیزیں ہیں۔ دور ترقی میں ان کا زندہ رکھنا ایک ہزار سالہ مردہ ہڈیوں کو اکھاڑنا ہے (معاذاللہ)

پلیٹ فارم پر یہ شور کہ ہندو کے ساتھ اشتراک عمل بدترین کفر و فسق اور عملاً اس کے طرز و طریق کی دریوزہ گری۔ کیا۔ اس کا نام دھوکا دہی اور غداری نہیں۔؟

کہا جاتا ہے کہ داڑھی کے ساتھ جو کچھ معاملہ کیا جاتا ہے وہ یورپ کی تقلید ہے۔ ہندو کی نہیں۔ لیکن اکبر بادشاہ نے کسی کرزن یا کچنر کی تقلید کی تھی یا ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے اس نے داڑھی منڈائی تھی۔ کہا جاسکتا ہے کہ میز اور کرسی۔ چھری اور کانٹا۔ یورپ سے آیا لیکن میز پر ہر ایک کی پلیٹ جدا۔ کھانے کی تبدیلی کے ساتھ پلیٹ کی

تبدیلی۔ ہر ایک کا گلاس جدا۔ کھانے کے بعد منی ہوئی پلیٹوں کو گندی چیز کی طرح چھوڑ دینا۔ کیا ہندو کلچر کے ساتھ اشتراک نہیں۔

یہ تو صرف کھانے سے متعلق چیزیں ہیں ان کے سوا زندگی کی ہر چیز پر نظر ڈالی جائے تو سیکڑوں رسومات اور عادات ملیں گی جن میں اسلامی کلچر کی حفاظت کے مدعی ہماکا اتباع کرتے ہیں اور اتباع سنت کو معاذ اللہ دقیانوسیت تصور کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا طرز اس تمام یورپین اور ہندوانی تہذیب کے برعکس خالص اسلامی اصول پر اتنا سخت ہے کہ جیل خانہ میں اگرچہ بڑی پلیٹیں نہیں ملتی تھیں تو چھوٹی پلیٹ میں برابر کے آدمی کو شریک کر لیتے تھے۔

دستر خوان پر نشستیں متعین ہو گئی تھیں۔ حضرت کے ایک طرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی بیٹھتے تھے۔ دوسری جانب منشی معین الدین صاحب سنبھلی۔ ان تینوں کی ایک پلیٹ ہوتی تھی۔ منشی صاحب کی برابر میں حافظ محمد ابراہیم صاحب پھر رفیق محترم مولانا قاری عبداللہ صاحب ان کی برابر کا مرید محمد ابراہیم صاحب۔ پھر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب وغیرہ۔

لقمہ چھوٹا لینا۔ آہستہ کھانا۔ کھاتے وقت آواز کا نہ نکلنا۔ اگرچہ اس کے متعلق احقر کو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تصریحات نہیں ملتیں جو بظاہر احقر کی کوتاہی ہے۔ مگر بزرگوں سے یہی سنا ہے کہ

یہ چیزیں کھانے کے آداب میں داخل ہیں۔ حضرت مدظلہ العالی ان آداب پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے۔ تاکہ مہمان اطمینان سے شکم سیر ہو سکے جلدی جلد کھا کر یہ معذرت کر دینا کہ آپ کھاتے رہیئے۔ میں جلد کھانے کا عادی ہوں۔ مہمان کو خوامخواہ محجوب کر دیتا ہے۔ اور وہ قبل از وقت ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حضرت مدظلہ العالی کا مخصوص انداز یہ ہے کہ لقمہ چھوٹا لیتے ہیں اور آہستہ کھاتے ہیں یہاں تک کہ ساتھ کھانیوالے سیر ہو چکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ برتن صاف کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ مراد آباد کے چند حضرات موسم سرما میں تقریباً دس بجے شب کو حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے دولت کدہ پر پہونچے۔ جو کچھ گھر میں کھانا تھا حضرت لے آئے اور گھر میں روٹی پکوانی شروع کر دی۔ خود حضرت گھر میں سے کھانا لاتے رہے۔ جب یہ مہمان کھانا کھا چکے تو خود حضرت دسترخوان پر رہ گئے تھے۔ اور پلیٹوں میں بچے ہوئے سالن کو تناول کر کے سیری حاصل کر لی۔

خورد و نوش کے متعلق احادیث مبارکہ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ کھانے پینے کا طرز متکبرانہ نہ ہو۔ نہ ایسا انداز ہو جس سے کھانے کی حرص و طمع معلوم ہو۔ بلکہ کھانے کا انداز ایسا ہو جس سے منعم حقیقی رزاق مطلق کے سامنے عجز و انکسار کا ظہور ہو۔ اور انعام خداوندی کی حیثیت سے کھانے کی قدر اور تعظیم مترشح ہو۔

ہر ہر لقمہ پر الحمد للہ اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنا تو کسی حدیث

میں نہیں وارد ہوا البتہ سرور کائنات کا متین اور سنجیدہ طرز شمائل ترمذی شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ

کسی کھانے کی چیز کی مذمت نہیں کیا کرتے تھے۔ اگر پسند ہوتی کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔ کبھی کسی کھانے کی تعریف میں بھی رطب اللسان نہ ہوتے تھے جس سے کھانے کی طمع اور حرص مترشح ہو۔

جیل خانہ کے کھانے کی مذمت کوئی انوکھی چیز نہیں بلکہ مذمت نہ کرنا قابل تعجب ہے۔ چنانچہ کھانے کے وقت دسترخوان کے شرکاء تنقید کا کام بھی انجام دیتے رہتے تھے۔ مگر حضرت محترم اس سلسلہ میں بھی مکمل طور پر متبع سنت ثابت ہوئے۔ آپ کبھی کھانے کی مذمت نہ کرتے تھے حتے کہ تنقید سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ ایک کھانا پکانے والا بہت چالاک تھا۔ کھانے کے وقت اس کی شکائتیں سامنے آئیں۔ مگر حضرت والا چشم پوشی فرماتے رہے۔ جب رفقاء کا اصرار بہت زیادہ ہوا تب اس کے بدلوانے کی اجازت دی۔

قیلولہ کھانے سے فراغت کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے قیلولہ مسنون ہے اور بالخصوص شب بیدار حضرات کے لئے مفید بھی ہے دوپہر تک کا تھکان جاتا رہتا ہے۔ شام کے وقت چستی رہتی ہے اور آخر شب میں آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔

قیلولہ سے فراغت کے بعد عموماً مثل اول کے آخر میں نماز ظہر ادا فرماتے تھے۔ نماز ظہر کے بعد چاء کی عادت تھی۔ اور چائے سے فراغت

کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ بیان فرماتے۔ جو رفقار کے انتہائی اصرار کے بعد
حضرت نے شروع کرایا تھا۔ مگر افسوس اس گراں قدر استفادہ کا زیادہ
موقع نہ مل سکا۔ چشم فلک نے اس پر لطف اجتماع پر رشک کیا اور چند
روز بعد حضرت کے ٹرانسفر نے اس سلسلہ کو منقطع کر دیا۔
تقریباً ایک گھنٹہ ترجمہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب
مولانا محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ حضرات علماء کرام اپنی اعلیٰ استعداد کے
بموجب سوالات پیش کرتے۔ اور مخزن علم سے عجیب وغریب جواہر پارے
حاصل کرتے۔
ترجمہ قرآن حکیم کے بعد نماز عصر تک حضرت مخدوم قرآن پاک سناتے
نماز عصر کے بعد رفقار اپنے تفریحی مشاغل میں مصروف ہو جاتے۔
اور شیخ الاسلام اپنی کوٹھری میں تشریف لیجا کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے
نماز مغرب تک مراقبہ جاری رہتا۔

نماز مغرب کے بعد حضرت مدظلہ العالی ایک گوشہ میں تشریف
لیجا کر ایک یا سوا پارہ نوافل میں پڑھتے۔ نوافل کے بعد کھانا کھایا
جاتا۔ پھر نماز عشاء کے بعد رفقاء دوسری بیرک میں چلے جاتے جو ان کے
سونے کے لئے معین کر دی گئی تھی۔ اور حضرت مدظلہ العالی شب کے
معمولات میں مصروف ہو جاتے۔

آخر میں بیرکیں بند کرنے کا وقت مغرب بعد کر دیا گیا تو نماز مغرب
کے فوراً بعد کھانے کا وقت مقرر ہوا۔ اس کے بعد رفقار اپنی بیرک میں

چلے جاتے اور حضرت مدظلہ العالی نوافل میں مشغول ہو جاتے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں کوئی عارضہ بھی پیدا ہو گیا تھا جس سے وضو زیادہ دیر نہ ٹھیر سکتی تھی تو سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے بار بار وضو کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ ایک ایک گھنٹہ میں دو تین بار وضو کرنے کی نوبت آتی تھی۔ تیمم اگرچہ جائز تھا مگر حضرت نے افضل فعل ہی پر عمل کیا۔

لطیفہ حضرت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مولانا شوکت علی مرحوم کو میٹھے کا بہت شوق تھا۔ کھانے کے بعد میٹھے کی تلاش ہوتی۔ جیل میں کوئی اچھی مٹھائی ملنی ممکن نہیں تھی تو صرف گڑ پر قناعت کی جاتی۔ مگر مولانا شوکت علی صاحب۔ مرحوم۔ گڑ کے لفظ میں توہین محسوس کرتے تھے۔ لہذا مولانا موصوف نے گڑ کا نام "قندوز" رکھا تھا۔ چنانچہ اس لطیفہ کے سننے کے بعد مراد آباد کے رفقاء بھی یہی نام استعمال کرنے لگے۔ پھر کچھ دوستوں نے اس پارٹی کا نام ہی "قندوزی پارٹی" رکھ لیا۔

رہائی کے بعد حضرت مدظلہ العالی کی طبیعت تقریباً دو ماہ سے خراب تھی بخار نزلہ کام کی شکایت رہی۔ تقریباً چالیس پونڈ وزن کم ہو گیا۔ جب آپ رہا ہوئے تو بہت زیادہ دبلے اور کمزور تھے۔ ضرورت تھی کہ کم از کم ختم رمضان تک آپ ایک جگہ قیام فرما کر آرام فرمادیں لیکن ارادتمندوں کے ہجوم اور حضرت کے وسیع اخلاق نے ایک دن بھی آرام کا موقع نہ دیا رہائی کے بعد ہی متعدد مقامات سے تشریف آوری کا اصرار شروع ہو گیا

اور حضرت نے فرمائشوں کی تعمیل شروع کر دی۔ جونپور فیض آباد. لکھنؤ وغیرہ قیام فرماتے ہوئے رہائی سے ایک ہفتہ بعد ۱۴ ر رمضان المبارک ۶۳ھ کو آپ دیوبند پہنچے۔

دارالعلوم دیوبند کے طلبہ و مدرسین۔ قصبہ دیوبند کے باشندگان اور مضافات دیوبند کے مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع اسٹیشن پر موجود تھا۔ جس نے شاندار استقبال کیا۔ اور پھر صرف دو روز دیوبند میں قیام فرما کر اس ضعف و نقاہت کے باوجود ۱۶ ر رمضان کو حسب معمول سلہٹ (صوبہ آسام) کے لئے روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچکر اپنے دیرینہ معمولات کو مکمل طور پر انجام دیا۔ پھر نماز عید سے فارغ ہو کر مشتاقان زیارت کی فرمائشوں کو پورا کرتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ کے مسلسل سفر کے بعد دیوبند رونق افروز ہوئے۔

فارمولے میں تشریح کا اضافہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے فارمولا (منظور کردہ اجلاس لاہور ۴۲ء) میں اگرچہ تصریح کر دی تھی کہ "مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کیطرف سے مطمئن ہوں۔ لیکن ایک طبقہ کا مطالبہ تھا کہ تشکیل مرکز کے ان اصول کی توضیح بھی ہونی ضروری ہے۔ جن کی بنیاد پر مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہو سکے لہذا حضرت محترم شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی صدارت میں ۳۱ ر جنوری اور یکم و دوم فروری کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل تشریح کا اضافہ کیا گیا۔ پھر اصل فارمولا مع تشریح اجلاس سہارنپور میں پیش ہوا۔ اور تقریباً بارہ گھنٹہ کی نہایت سنجیدہ بحث تمحیص کے بعد بہت

بڑی اکثریت سے پاس ہوا۔ تقریباً پانسو اراکین اور نمایندگان کے اجتماع میں مخالف ووٹ تیس سے زیادہ نہ تھے۔

تشریح:۔ اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور انکا مقصد واضح ہے کہ جمعیۃ علماء مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور ایک مرکز پسند کرتی ہے، کیونکہ اس کے خیال میں مجموعہ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لئے حق خود ارادیت تسلیم کرلیا جائے۔ اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی اکثریت مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کرسکے۔ مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے۔ باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم و غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہوجائے۔ ممکن ہے۔

(۱) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو۔ ہندو ۴۵ مسلمان ۴۵ - دیگر اقلیتیں ۱۰۔

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثرانداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہوسکے گی۔

(۳) ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد

مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم وغیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔ یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے تنازعات کے آخری فیصلے کرے گا۔ نیز تجویز نمبر ۳ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے نہ ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

(۴) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

صدارت اجلاس سہارنپور اور خطبہ صدارت کے اہم اقتباسات

۱،۲،۳،۴ / ۲۳،۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۷،۶،۵،۴ مئی ۱۹۴۵ء کو سہارنپور میں مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کا چودھواں سالانہ اجلاس ہوا۔

چونکہ صوبجاتی جمعیتوں کی اکثریت نے حضرت مدظلہ العالی کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کیا تھا۔ لہذا اجلاس جونپور اور اجلاس لاہور کے بعد اجلاس سہارنپور کی صدارت بھی حضرت نے فرمائی۔

خواجہ اظہر حسن صاحب رئیس سہارنپور استقبالیہ کے صدر اور مولانا منظور احمد صاحب سہارنپوری مجلس استقبالیہ کے ناظم اعلیٰ تھے۔

چونکہ سیاسی فضا کے طویل جمود کے بعد یہ اجلاس ہو رہا تھا اس لئے اس اجلاس کی حاضری تمام سابق اجلاسوں سے بہت زیادہ تھی۔ تمام

ہندوستان کے قوم پرور رہنماؤں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔
صوبجات کی جمعیتوں نے اپنے باوردی رضاکاروں کے دستے بھیجے۔
جن میں صوبہ بہار کے دستہ نے جو مسٹر حسن امام کی زیر کمان تھا۔ بہترین
نظم اور پریڈ وغیرہ کے اعلیٰ مظاہرہ کے باعث انعامی تمغہ حاصل کیا۔
اسٹیشن کے قریب پڑاؤ کے تقریباً ایک مربع میل وسیع میدان میں خیموں
اور ٹینٹوں کا ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اہل شہر اور حاضرین اجلاس کے
اصرار نے جلوس کی شرکت پر حضرت کو مجبور کیا۔ یہ جلوس اپنی شان میں
بالکل نرالا تھا جس کو تقریباً دس گیارہ شاندار گیٹوں سے گذرنا پڑا۔
جو مختلف مقامات پر بنائے گئے تھے۔

اس اجلاس میں حضرت نے تقریباً ۴۰ صفحات کا خطبہ صدارت ارشاد
فرمایا۔ ایک طویل عرصہ کی قید وبند کے بعد جس جرارت اور حق گوئی سے
اس خطبہ صدارت میں حکومت پر تنقید کی گئی تھی وہ یقیناً حیرت انگیز تھی
ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کے حالات سے بے تعلق رہنے
کے باوجود اسی زمانہ کے واقعات کو جس خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا تھا
وہ حضرت کی بیدار مغزی کی اعلیٰ مثال ہے۔

یہ خطبہ اتنا مقبول ہوا کہ بار بار طبع ہو کر فروخت کیا گیا۔ اس خطبہ
کے اہم اقتباسات علماء حق حصہ دوم میں پیش کئے گئے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ
اتنی گنجائش نہیں رکھتا

جنگ کا خاتمہ | یہ عجیب اتفاق تھا کہ جیسے ہی ہندوستان میں اگست ۱۹۴۲ء

کی تحریک شروع ہوئی۔ برطانیہ اور روس کے حلفاء کے حق میں جنگ کی حالت بہتر ہونے لگی۔ اور اتحادیوں کی بین الاقوامی پوزیشن بلند ہونے لگی روس کی فوجیں جو پیچھے ہٹ رہی تھیں انھوں نے اسٹالن گراڈ پر چھ کر کئی ماہ تک مقابلہ کیا۔ بالآخر جرمنی کو اپنی کئی لاکھ فوج تباہ کر کے پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد روس کا دفاع مضبوط ہوتا رہا۔ اور جرمنی کے مقابلہ کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔

امریکہ نے نو لاکھ فوج افریقہ میں اتار دی لہذا جرمنی اور اٹلی کی فوجوں کو العالمین (مصر) سے پسپا ہو کر بالآخر براعظم افریقہ کو الوداع کہنا پڑا۔

لیکن امریکہ اور برطانیہ کی فوجوں نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ ان دونوں کے بحری بیڑے نے اٹلی پر حملہ کر دیا۔ اور اگرچہ بے انتہا نقصان اٹھانا پڑا مگر کامیابی نے برطانیہ اور امریکہ کے قدم چومے اٹلی میں مسولینی اور بڈوگلیو۔ کی قدیمی رقابت بھی اتحادیوں کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔ جب کہ اتحادیوں کی فوجیں ستمبر سنہ ۱۹۴۳ء میں اٹلی پر حملہ کر رہی تھیں۔ اٹلی میں بڈوگلیوں کی پارٹی نے انقلاب پیدا کر دیا۔ اور مسولینی کو گرفتار کر لیا۔ ہٹلر نے عین وقت پر مسولینی کی امداد کی۔ اور فوجی حفاظتوں کے بیچ میں سے پابزنجیر مسولینی کا سرقہ کرا کر اس کو قبل از وقت پھانسی سے نجات دلا دی۔

لیکن نظریہ کا اتحاد اس کے لئے ایثار (بغض) وجفاکشی اور (۳) وفاداری

کے ساتھ صبر و استقلال وہ جوہر ہیں، وہ اصول ہیں، وہ بنیادیں ہیں کہ جو قوم ان سے بہرہ اندوز ہوتی ہے۔ قانون قدرت یہی ہے کہ وہ کامیابی کا پرچم لہراتی ہے۔ روس نے لاکھوں جوان کٹوا کر کروڑوں انسانوں کو برباد کر کے ان اصول پر پختگی کا ثبوت دیا۔ برطانیہ نے متواتر چار سال کی گولہ باری کو برداشت کر کے کامیابی اور کامرانی کا حق ثابت کر دیا۔

جرمن فوجوں کا اقدام بہترین تھا۔ ان کے اقدام کی ہیبت اعصاب کو مفلوج کر دیتی تھی لیکن جب ان کو رزمگاہ انقلاب میں امتحان دینے کے لئے کھڑا ہونا پڑا۔ تو ان کا خزانہ ثبات و استقلال کے جوہر سے خالی تھا۔ گولہ باری کے مقابلہ میں، برلن صبر و استقلال کا ثبوت پیش نہ کر سکا۔ جس مصیبت کو لندن نے چار سال تک برداشت کیا تھا برلن اس کو ۶ ماہ بھی برداشت نہ کر سکا۔ لہٰذا قانون قدرت نے اتحادیوں کے حق میں فتح و کامرانی کا فیصلہ صادر فرما دیا۔

چنانچہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۵ء کو مسولینی دوبارہ گرفتار ہو گیا۔ یکم مئی ۱۹۴۵ء کی شام کو ہٹلر نے خودکشی کر لی۔ ڈونٹینز اس کا جانشین مقرر ہوا برلن پر روسی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو یورپ کے ہر محاذ پر جرمن فوجوں نے بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور روس اور امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے اتحادی فوجوں کے نام اعلان کیا گیا کہ ۹ مئی شروع ہوتے ہی جنگ بند کر دی جائے۔ اس کے بعد تین ماہ تک جاپان مقابلہ کرتا رہا۔ مگر ایٹم بم کے ایجاد نے اس کی ہمت

پست کر دی۔ چنانچہ اس نے ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو شکست تسلیم کر لی۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو لندن سے مسٹر اٹلی وزیر اعظم نے اور واشنگٹن سے صدر ٹرومین[1] نے بیک وقت اعلان کیا کہ جاپان نے بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

ویول اسکیم اور شملہ کانفرنس

مارچ ۱۹۴۵ء میں وائسرائے ہند۔ لارڈ ویول ہندوستان کے جمود کو حل کرنے کے لئے لندن تشریف لے گئے۔ اور شروع جون ۱۹۴۵ء میں ہندوستان کے لئے نئی پیشکش لیکر واپس آئے۔ ۱۴ جون ۱۹۴۵ء کی صبح کو مولانا ابوالکلام آزاد۔ پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر جیل خانوں سے رہا کر دیئے گئے۔ اور اسی روز شام کو نئی دہلی سے وائسرائے ہند نے وہ نئی پیشکش براڈ کاسٹ کی جو ویول اسکیم کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اسی وقت لندن سے مسٹر ایمری نے پیشکش کی تائید میں تقریر کی۔ اس کے بعد کانگریس اور

---

[1] قدرت کا کس قدر عبرت انگیز کرشمہ تھا کہ روز ویلٹ پریزیڈنٹ امریکہ جس نے اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ انتہا تک پہنچایا تھا فتح کی خوشخبری نہ سن سکا۔ اور ہٹلر کی موت سے صرف ۱۸ روز پیشتر ۱۲ اپریل ۱۹۴۵ء کو دماغ کی رگ پھٹ جانے سے دفعۃً انتقال کر گیا۔ ٹرومین اس کی جگہ پریزیڈنٹ منتخب ہوا۔ اور فتح کا سہرہ مفت میں حاصل کر لیا۔

مسلم لیگ کے لیڈروں کا اجتماع شملہ میں ہوا۔ اور تقریباً دو ہفتہ تک شملہ سیاسی شعبدوں کا تماشا گاہ بنا رہا۔

ویول اسکیم کی ترتیب کچھ ایسے انداز سے تھی کہ لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور کانگریس کو ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہونے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

مسٹر جناح کی ذہین طبیعت نے ان اشاروں کو مضبوطی سے سنبھال لیا اور یہ اصرار شروع کر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہے۔ حالانکہ اس وقت لیگ کی آئینی پوزیشن یہ تھی کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان کی کانگریس منسٹری برسر اقتدار تھی۔ پنجاب میں خضر حیات خاں کی یونینسٹ وزارت تھی۔ اور باوجودیکہ مسٹر جناح خضر حیات خاں کو وزارت سے خارج کرنے اور شوکت حیات خاں کو وزیر اعظم بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ بنگال میں سر ناظم الدین کی لیگی وزارت ختم کی جا چکی تھی۔ دفعہ ۹۳ کے ماتحت حکومت کی باگ ڈور گورنر کے ہاتھ میں تھی۔ صرف سندھ میں لیگ کی وزارت قائم تھی۔ مگر وہ بھی کانگریس گروپ کی امداد سے۔

ان تمام حالات سے قطع نظر کر کے مسٹر جناح صاحب نے واحد نمائندگی کا اعلان کیا۔ اور منجملہ دیگر مطالبوں کے ایک مطالبہ آپ نے یہ پیش کر دیا کہ۔

وائسرائے ہند ہندوستان کے آئندہ دستور میں مطالبہ پاکستان کی منظوری کا یقین دلائیں۔[۱]

مسٹر جناح کے انداز سے سنجیدہ مسلمانوں کو یقین ہو گیا تھا کہ کانفرنس ناکام ہو گی اور مسٹر چرچل اور مسٹر امیری وزیر ہند کو ہندوستان کے برخلاف تمام دنیا میں پروپیگنڈے کا موقع ملیگا اور اس تماشہ کا نتیجہ ہندوستان کی بدنامی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ لہذا ضروری سمجھا گیا کہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس کر کے ان حالات پر غور کیا جائے اور کم از کم یہ ظاہر کر دیا جائے کہ لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ قرار دینا برطانوی ڈپلومیسی ہے جس کا مقصود صرف یہ ہے کہ خانہ جنگی اور اختلاف و نزاع باقی رہے۔ اور ہندوستان کی نااہلیت کا ڈھنڈورا تمام دنیا میں پیٹا جائے۔

چنانچہ صرف تین روز کے نوٹس پر مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس طلب کیا گیا۔ اور مجلس عاملہ کے ارکان کے علاوہ دوسری جماعتوں کے زعماء کو بھی اس اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی زیر صدارت ۲۸ جون ۱۹۴۵ء کو دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند میں یہ اجلاس منعقد ہوا۔

اس اجلاس میں ایک تجویز منظور کی گئی جس میں لارڈ ویول کی اسکیم پر موجودہ حالات کے لحاظ سے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا

---

[۱] اس تمام واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو علماء حق جلد دوم (اور) روح روشن مستقبل۔

تھا کہ مسلم لیگ بھی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ بلکہ ملک میں اور جماعتیں بھی ہیں جو اپنی پشت پر قربانیوں کی عظیم الشان تاریخ رکھتی ہیں اور ان قربانیوں کے سبب سے ملک میں نمایاں اور ممتاز عظمت حاصل کر چکی ہیں

اس تجویز کے علاوہ ملک کے تمام اطراف سے بیشمار تار دئے گئے جنمیں مولانا آزاد کی قیادت پر اعتماد و اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

ویول اسکیم کے بموجب عارضی حکومت کے لئے ناموں کی فہرست مرتب کرنے کے واسطے ۳ر جولائی ۴۵ء کو مولانا ابو الکلام صاحب آزاد صدر کانگریس نے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا۔

آزاد خیال مسلم جماعتوں کے مشترک رہنما کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ حضرت موصوف اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے ۳ر ۴ر جولائی کو ورکنگ کمیٹی کی چند نشستوں میں شرکت فرمائی۔

۶ر جولائی ۴۵ء کو کانگریس نے پندرہ ناموں کی فہرست مرتب کرکے وائسرائے کے پاس بھیجدی مگر مسٹر جناح صاحب نے یہاں بھی یوروپین گروپ کے اشاروں پر رقص کرتے ہوئے طرح طرح کی شرطیں لگائیں۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ ویول نے اسی میں نجات سمجھی کہ ۱۴ر جولائی ۴۵ء کو کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کردیا۔

کانفرنس سے واپسی پر فوٹو کا قصہ جب حضرت مدظلہ العالی شملہ تشریف فرما تھے تو کسی موقع پر فوٹو گرافر نے آپ کا فوٹو لے لیا۔ حضرت موصوف کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ یہ فوٹو اخبارات میں شائع ہو گیا۔ حضرت مدظلہ العالی شملہ سے واپس ہوئے

تو راستہ میں سوالات کی بوچھار شروع کر دی گئی۔ فوٹو کا مسئلہ بھی مخالفانہ پروپیگنڈے کا موضوع بن گیا۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مدظلہ العالی زیادہ سے زیادہ احتیاط برتتے ہیں اور فوٹو گرافروں کو سختی سے منع کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ دہلی میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں تشریف لیجا رہے تھے تو پنڈال کے قریب جیسے ہی کار سے اترے تو فوٹو گرافروں نے حضرت کو گھیر لیا۔ حضرت چہرہ کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے اسکو ہلاتے رہے۔ انکار کا اشارہ بھی تھا اور یہ بھی ہوا کہ ہاتھ کی حرکت کے باعث چہرہ کا فوٹو نہ لیا جا سکا چنانچہ ایک فوٹو گرافر نے برہم ہو کر کہا۔ "اچھا صاحب نہیں لیتے"۔

جمعیتہ علماء ہند کے اجلاس کے موقع پر یوروپین فوٹو گرافر اور نمائندے پہنچ جاتے ہیں اور وہ فوٹو لینا چاہتے ہیں۔ جب ان سے معذرت کی جاتی ہے تو ان کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ یہ عجیب مذاق ہے کہ جس کو یورپ والے اعزاز سمجھتے ہیں یہ لوگ توہین سمجھتے ہیں۔

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات

اور

حضرت شیخ الاسلام کی جرات و استقامت

۱۹۴۵ء میں اتحادیوں کی کامیابی کے آثار اس امر کی پیشین گوئی کر رہے تھے کہ ہندوستانی اسمبلیوں کے انتخابات قریب آ رہے ہیں۔ کیونکہ مرکزی اسمبلی کے انتخاب کو تقریباً نو سال گذر چکے تھے اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کو تقریباً

سات سال۔

سنہ ۳۷ء کے بعد سے سنہ ۴۷ء تک لیگ کا کارنامہ یہ تھا کہ ہندو مسلم منافرت کی خلیج کو وسیع کر کے پاکستان کے طلسم سے مسلمانوں کے دماغوں کو مسحور کر دیا۔ چنانچہ مسٹر جناح اور ان کے ساتھی مطمئن تھے کہ آئندہ انتخابات میں ان کی کامیابی یقینی ہے۔ اور اسی اطمینان کے زعم میں مسٹر جناح مسلم نوجوانوں پر اس احسان عظیم کا اظہار خود اپنی زبان سے کر چکے تھے کہ میں نے علماء کے اقتدار کو ختم کر دیا۔ ان کے پنجہ سے مسلم نوجوانوں کو رہائی دلا دی"۔

چودھری خلیق الزماں صاحب لیڈر لیگ پارٹی۔ یو پی اسمبلی ایک تقریر میں فرما چکے تھے کہ "میں نے مولوی حسین احمد کے سامنے سے پلاؤ کا پلیٹ چھین لیا ہے"۔

اگرچہ سنہ ۴۲ء کی تحریک کو (جس میں انگریز سے ہندوستان چھوڑنے کا مطالبہ کیا گیا تھا) مسلمانوں کے خلاف اور منطقی طور پر مسلمانوں کے لئے نقصان دہ گردان کر زعماء لیگ کی طرف سے یہ کوشش برابر ہوتی رہی۔ کہ اس تحریک میں شریک ہونے والے مسلمانوں کے وقار کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ ان کے متعلق یہی پروپیگنڈا ہوتا رہا کہ یہ ہندو پرست اور غداران ملت ہیں۔ ہندو کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں (وغیرہ وغیرہ)[1]

---

[1] مسلم لیگ کے چند ذمہ دار قائدین کے ارشادات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مسٹر جناح نے ۱۶ مارچ سنہ ۴۵ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "قوم پرور مسلمان مسلمان ہی نہیں ہیں۔ ہندوؤں کے زر خرید خیمہ بردار ہیں۔ (بقیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

مگر تاہم قربانی کا اثر عوام پر ضرور ہوتا ہے چنانچہ یہ حضرات جیلخانوں سے باہر آئے تو مسلمانوں کے دلوں میں ان کی وقعت و عزت تھی۔ مگر بدقسمتی سے انکا نظام منتشر تھا۔ ان کے پاس نہ پریس تھا نہ کوئی اخبار۔ نہ ان کو پروپیگنڈے کا موقع تھا۔ نہ تقریر کی آزادی حاصل تھی۔ ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں عائد تھیں۔ کاغذ کا کنٹرول حامیان لیگ کے ہاتھوں میں تھا۔ اسٹاک کے تالے صرف انھیں لوگوں کے لئے کھل سکتے تھے۔ جو حمایت جنگ یا سرکار پرستی کا سارٹیفیکٹ اپنے پاس رکھتے ہوں۔ آزاد خیال مسلمانوں کے لئے کاغذ کی ایک سیٹ بھی ملنی محال تھی۔

اس کے برخلاف پروپیگنڈے کی جو سہولتیں حامیان لیگ کو حاصل تھیں انھوں نے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ایک قوم پرور مسلمان دو ڈھائی سال کی سزا کاٹ کر اپنے گھر نہیں پہونچنے پاتا تھا کہ لیگی پریس کسی افترا اور بہتان کے ہدیہ سے اس کا خیر مقدم کرتا تھا۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی رہائی پر تو لیگی پریس کی ساری مشنری حرکت میں آگئی۔ اور پوری قوت کے ساتھ لیگ کے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۹) چندریگر نے ۱۰ ستمبر ۴۵ء کو بمبئی میں کہا قوم پرور جماعتیں کانگریس کے اشاروں پر ناچنے والی طوائف ہیں۔ مسٹر جناح نے ۱۳ اپریل ۴۵ء کو بی بی سی کے نمائندے کے سامنے مولانا آزاد اور مولانا مدنی کو انگریزی زبان کی سب سے بڑی گالی دی۔ اور کہا ہر قوم میں کوئزلنگ ہوا کرتے ہیں۔ آپ کے لارڈ ہاہا کہاں ہیں۔

(مدینہ ص ۲ مورخہ ۱۳ اپریل ۴۶ء)

قلعوں سے گولہ باری شروع کردی گئی

جمیعۃ علماء ہند کے اجلاس سہارنپور کی بے نظیر کامیابی نے لیگی دوستوں کو اور بھی زیادہ چراغپا کردیا۔ اور پہلے اگر ایک مہینہ میں ایک دو مضمون حضرت کے خلاف ہوتا تھا تو اب حضرت شیخ الاسلام اور ان کے متوسلین کے خلاف روزانہ مضمون شائع ہونے لگے۔ لیگی اخبارات کے فائل شہادت کیلئے کافی ہیں۔

اسی اثناء میں لارڈ ویول نے اپنی اسکیم پیش کردی اور شملہ کانفرنس کا ڈرامہ ہندوستان کے سامنے آگیا۔ اس کی ناکامی کا حقیقی سبب اگرچہ مسٹر جناح اور خضر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کی باہمی چشمک تھی۔ نہ خضر حیات خاں صاحب ایک نشست کے مطالبہ سے دست بردار ہوئے۔ نہ مسٹر جناح نے واحد نمایندگی کے دعوے میں کوئی ترمیم گوارا کی۔ مگر اس جرم پر کہ آزاد خیال مسلمانوں نے اپنے وجود سے انکار کرکے لیگ کو واحد نمایندہ قبول نہیں تسلیم کیا۔ ناکامی کا تمام الزام قوم پرست مسلمانوں کے سر تھوپا گیا۔ اور ان کے برخلاف اشتعال انگیزی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد۔ شملہ سے کلکتہ واپس جا رہے تھے اسی روز اسی ٹرین سے لیگ کے چند سربرآوردہ لیڈر روانہ ہوئے۔ اور روانگی کے وقت علی گڈھ یونیورسٹی میں ٹیلیفون کردیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شرارت پسند طلبہ کا ایک انبوہ کثیر اسٹیشن پر جمع ہوگیا ان شریف خاندانوں کے شریف طلبہ نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر اپنی تہذیب کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔ اور

جب گاڑی چلنے لگی تو زنجیر کھینچدی اور اس طرح ایک گھنٹہ متواتر گاڑی کو لیٹ کرکے تہذیب جدید کا ننگا ناچ ناچتے رہے۔[له]

مولانا آزاد صحت درست کرنے کے لئے کشمیر تشریف لے گئے۔ پنڈت جواہرلال نہرو ہمراہ تھے۔ سری نگر میں جلوس نکالا گیا لیگی دوستوں نے جلوس پر خشت باری کی۔ ایک مسلمان رضا کار شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔

بہرحال شملہ کانفرنس کے بعد لیگ کی طرف سے انتخابات کی تیاریاں شد و مد سے شروع ہو گئیں۔ نقرئی گولیوں کے لئے مسٹر جناح کی اپیل لیگی اخبارات میں مسلسل شائع ہونے لگی۔ اور اس میں شک نہیں کہ قوم نے اس اپیل پر پوری توجہ کی مسٹر جناح کی تجویز۔ حیدرآباد میں پانچ پانچ سو روپیہ میں بکی۔ اگرچہ آمد و صرف کا حساب کبھی بھی شائع نہیں ہوا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ لیگ نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ اس الیکشن پر صرف کیا۔

[له] لیگ کے ترجمان اخبار ڈان نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ۲۷ ستمبر کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا۔

جہاں تک اس سلوک کا تعلق ہے جو لیگی لیڈروں کی جانب سے مولانا کے ساتھ ہونا بیان کیا جاتا ہے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ گلدستہ کے مقابلہ میں تو ان لوگوں کے حصہ میں اینٹ پتھر ہی آئیں گے جو شو بوائے کا کام کرتے ہیں۔ جب لیگ کے سرکاری ترجمان کا یہ فتویٰ ہو تو پھر شرارت پسند طبقہ کی حرکات کا کیا ٹھکانا۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ ۱۲ محمد میاں

جمعیۃ علماء اسلام کا قیام ہندوستان میں مولویوں اور پیرزادوں کی ایک جماعت ہے۔ جو ہمیشہ سے علماء دیوبند کے مخالف ہے۔ اس کو سیاسیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان میں نہ کوئی سیاسی احساس ہے۔ نہ ان کا کوئی نظم ہے۔ مگر اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ کے لئے لیگ کو ان کی ضرورت تھی۔ اور علماء دیوبند اور ان کے ہم نواؤں کی منظم مخالفت کے لئے ان کے واسطے لیگ کا نظام بسا غنیمت تھا۔ لہذا کلکتہ میں ایک شہرۂ آفاق مولانا کی زیر سرکردگی ان حضرات کا اجتماع ہوا۔ اور جمعیۃ علماء اسلام۔ قائم کردی گئی۔ علماء دیوبند کے بھی وہ چند افراد جو ہمیشہ سے تحریک حریت کے مخالف رہے تھے۔ اور اس وقت سرکاری مدارس کے ملازم یا پینشنر تھے۔ اور ایک وہ بزرگ جو پاکستانی تحریک کو اسلامی تحریک سمجھ بیٹھے تھے اور بدقسمتی سے نظام حیدرآباد کے ساتھ خصوصی تعلق نے سیاسی دریوزہ گردن اور ریاست کے وظیفہ خواروں کو ان کے معتمد حوارین میں داخل کردیا تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ میں داخل ہوگئے۔ بہر حال جمعیۃ علماء ہند کی خودداری۔ حریت پسندی اور اس کے عزم و استقلال کا یہ اثر تو ہوا کہ لیگ کے دینی زعماء اور قائدین جو اس پر نازاں تھے کہ وہ علماء کے اقتدار کو ختم کرچکے ہیں علماء کے سامنے جھکنے اور ان سے امداد کی اپیل کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اور جب الیکشن میں لیگ کو کامیابی ہوئی تو ان کو حضرات علماء و مشائخ کا شکریہ ادا کرنا پڑا

الیکشن کے سلسلہ میں حکومت نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا تھا۔ مگر اسی غیر جانبدار حکومت کا یہ کارنامہ صرف دہلی میں تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کو باربار درخواستوں اور کوششوں کے باوجود ایک اخبار کی اجازت بھی نہ ملی۔

احرار اسلام کو بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آخر میں ایک اخبار کی اجازت ملی مگر کاغذ کا اتنا تھوڑا کوٹہ منظور ہوا کہ ہفتہ وار پانسو پرچوں کے لئے بھی وہ کافی نہ تھا۔

مدینہ - زمزم - انصاری - جو پہلے سے جاری تھے اور ہندوستان کے مقبول پرچے تھے ان کے کوٹہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ البتہ لیگ کے تقریباً ایک درجن اردو اور انگریزی اخبار۔ پوری شان وشوکت کے ساتھ صرف دہلی سے شائع ہو رہے تھے۔ اور تمام ہندوستان میں تو لیگی اخبارات کی شمار کئی سو تک پہونچ جاتی تھی اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کو ۴۴ء اور ۴۵ء میں اشاعت کی اجازت ملی تھی۔ ان تمام اخبارات نے قوم پرور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کی توپوں کے دہانے کھول دیئے اور بے تحاشا گولہ باری شروع کر دی۔

عام شہرت یہ تھی کہ جگہ جگہ کے شرارت پسند غنڈوں سے کارکنان لیگ نے ساز باز کر کے اپنے مخالفین کے مقابلہ کے لئے ایک مسلح محاذ تیار کر لیا ہے مسلمان خود بھی اپنے اندھے جوش میں کافی بدنام ہیں اب اس طبقہ کی پشت پناہی نے ان کے جوش کو انتہا درجہ خطرناک بنا دیا تھا۔ چنانچہ جمعیۃ علماء کے سرگرم اراکین۔ اور قوم پرور مسلمانوں کے نام گمنام خطوط کا تانتا بندھ گیا تھا۔ جن میں ان کو قتل کی دھمکی دی جاتی تھی۔

مختصر یہ کہ خطرات کی ایک تاریک فضا تھی جو پشاور سے مدراس تک اور بمبئی سے آسام تک پورے ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔

قوم پرور جماعتیں ہر صوبہ میں موجود تھیں۔ بعض بعض جماعتوں کا نظام "آل انڈیا" بھی تھا۔ وہ دیانت داری کے ساتھ لیگ کی پالیسی کو مسلمانوں کیلئے تباہ کن سمجھتی تھیں اور اس کے برخلاف جد وجہد اپنا مذہبی اور ملی فرض تصور کرتی تھیں مگر ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس خطرناک مسموم فضا کے برخلاف آواز بلند کریں۔ جمعیۃ علماء ہند کو اپنے ارکان کی سیاسی سربلندی کے لئے الیکشن کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس کے اراکین اپنے لئے نہ اسمبلیوں کی ممبریوں کو پسند کرتے ہیں۔ نہ اس راستہ سے کسی سیاسی سربلندی کے خواہاں ہیں۔ ان کی حقیقی دلچسپی ان قربانیوں کے ساتھ رہتی ہے جنکو فریضہ جہاد کی حیثیت سے اپنی علمی اور فقہی بصیرت کے بموجب ملک وملت کی بہبود وترقی کے لئے وہ انجام دیتے ہیں۔

البتہ مفاد ملت کی خاطر وہ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ سیاسیات پر مذہب اور مذہبی طبقہ کا اقتدار ہو۔ قانون ساز اسمبلیوں میں وہ لوگ پہونچیں جو جمعیۃ علماء ہند کے مینوفسٹو کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی تکمیل کا عہد کریں کیونکہ ایسی صورت میں جمعیۃ علماء ہند اپنے مذہبی مقاصد انجام دے سکتی تھی۔ اور اسی صورت میں یہ ممکن تھا کہ وہ قانون ساز اسمبلیوں کی نگرانی کرے اور حسب ضرورت شرعی امور کے متعلق ان سے قانون مرتب کراتے اس ضرورت نے جمعیۃ علماء ہند کو الیکشن کی طرف متوجہ کیا۔ اور جس طرح حق وصداقت کو سربلند کرنے کیلئے ان کے اراکین ہمیشہ خطرات کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتے رہے ہیں۔ وہ اس وقت بھی دہشت انگیز فضاؤں کو دیکھ کر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی۔ کی ہمت عالی۔ اور آپ کی اولوالعزمی

قیادت ان کے لئے پشت پناہ تھی - اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی جرأت اور بامردی ہی نے ذمہ داران جمعیۃ علماء ہند کے اندر اس بھیانک فضا کے مقابلہ کی ہمت پیدا کی تھی -

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک آل پارٹیز کانفرنس کا اعلان کیا گیا - ہندوستان کی قوم پرور جماعتوں[1] کو جو اپنے نظام یا اپنی خدمات کے

---

[1] مندرجہ ذیل جماعتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنکو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا - (۱) آل انڈیا مسلم مجلس - جو اگرچہ عمر تھوڑی رکھتی تھی مگر ہندوستان کے سب مسلمانوں کی جماعت تھی جس کو لیگ کے مقابلہ پر قائم کیا گیا تھا (۲) مجلس احرار اسلام ہند - جو ہندوستان میں اپنی سیاست اور اپنی قربانیوں کی ایک مستقل تاریخ رکھتی ہے - اور ہندوستان کا بچہ بچہ اسکی عظمت سے واقف ہے - (۳) آل انڈیا مومن کانفرنس - جو ہندوستان کی مومن برادری کی سب سے بڑی جماعت ہے اور تمام ہندوستان میں اپنا نظام رکھتی ہے (۴) خدائی خدمتگار - صوبہ سرحد اس جماعت کی تاریخی قربانیوں نے صوبہ سرحد کو نوکرشاہی کے بے آئین دور سے نکالکر ہندوستان کے ترقی یافتہ دستوری اور آئینی صوبوں میں داخل کیا - اور جمہوری نظام حکومت اس صوبہ میں رائج ہے - (۵) انڈی پنڈنٹ پارٹی صوبہ بہار - اس جماعت نے ۳۷ء کے الیکشن میں نصف کے قریب مسلم نشستیں صوبہ بہار میں حاصل کرلی تھیں - چند ماہ تک صوبہ بہار میں اس پارٹی کی وزارت رہ چکی تھی - اور اسی وزارت نے صوبہ بہار میں اردو زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تھا - اس کے بعد کانگریس منسٹری نے اپنے دور میں اسکی تصدیق کردی - (۶) کرشک پرجا پارٹی - صوبہ بنگال ۳۷ء میں اسی پارٹی نے صوبہ بنگال کے الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی - چنانچہ ایک عرصہ تک یہی پارٹی صوبہ بنگال کی وزارت پر قابض رہی تھی

لحاظ سے ہندوستان میں کافی شہرت اور ہندوستانی سیاست میں کافی اہمیت رکھتی تھیں اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔

یہ جماعتیں اپنی اپنی جگہ پر خود ایسی کانفرنس کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں صرف باہمت داعی کی دعوت کا ان کو انتظار تھا۔ چنانچہ ان جماعتوں نے جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر پوری گرم جوشی کے ساتھ لبیک کہا اور اپنے اپنے نمائندوں کو کانفرنس کی شرکت کے لئے بھیجدیا۔

ان جماعتوں کے پچاس سے زائد نمائندوں اور جمعیۃ علماء ہند کے تقریباً سوا سو اراکین کا اجتماع نواب قدیر الدین صاحب مرحوم کی محلسرا کے واقع گلی قاسم جان میں ۱۷ ستمبر سے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء تک یعنی چار روز متواتر ہوتا رہا مسئلہ کے ہر پہلو پر پوری طرح غور کیا گیا۔ مخالف اور موافق ہر قسم کی رائے نہایت آزادی کے ساتھ سامنے آئی۔ بالآخر ایک مشترک پارلیمنٹری بورڈ کے قائم کرنے اور اس کے ذریعہ سے الیکشن لڑانے کا فیصلہ کر دیا گیا۔

اس آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی صدارت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب جیسا صداقت کیش۔ جفاکش۔ سرگرم عمل مجاہد۔ اور مخلص رہنما ان کے پاس نہ تھا۔ لہذا منصب صدارت حضرت موصوف کے سپرد کیا گیا۔ حضرت مدظلہ العالی نے بإخاطر ناخواستہ۔ انتہائی اصرار کے بعد اس منصب کو منظور فرمایا۔ اختتام اجلاس پر حضرت موصوف نے ایک تقریر فرمائی۔ یہ تقریر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ رہی آیات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شواہد نے اس تقریر کو۔ ایک پر مغز۔ بصیرت افروز

علمی تقریر بنا دیا تھا۔ اس کا مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اس کے لئے مناسب موقع تلاش کرنا ہر مسلمان بالخصوص علمار کرام پر فرض ہے۔ ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا جب خاتمہ ہوا تو مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲ ½ کروڑ تھی۔ ایک صدی سے کم میں ان کی تعداد دس کروڑ ہو گئی۔ اس اضافہ میں علمار کرام کی تبلیغ کو بہت زیادہ دخل ہے۔

رحم وکرم، عدل و انصاف، خدمت خلق اور تعلقات کی خوشگواری، تبلیغ اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ انھیں اصول کی پابندی سے اسلام پھیلا ہے۔

پورے ہندوستان میں مکمل طور پر اشاعت اسلام کا مقصد عظیم ہم نفرت انگیزی سے حاصل نہیں کر سکتے۔ غیر مسلم اقوام ہی تبلیغ اسلام کا میدان عمل اور اس مقصد عظیم کا میٹریل ہیں۔ آج ہندوستان سے نفرت لاکر تبلیغ اسلام کے میدان کو بند اور اس کے میٹریل کو ختم کیا جا رہا ہے۔

تبلیغ اسلام کے دائرہ کو کسی رقبہ میں محدود کر دینا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ۔ اور آپ کی عمومی رحمت کے قطعاً مخالف اور اس کے برعکس ہے۔

پاکستانی اسکیم سے جو منافرت کی خلیج پیدا کی جا رہی ہے اس کو پاٹا جائے تبلیغ اسلام کے حق کو کسی ایک رقبہ میں محدود نہ کیا جائے۔ ہندوستان کے چپہ چپہ میں مسلمانوں کا حق ان کے بزرگوں کی جد وجہد اور ان کی گرانقدر قربانیوں سے قائم ہو چکا ہے۔ اسکو باقی رکھنا اور اس سے دست برداری کے بجائے اسکو

بڑھانے کی کوشش کرنا۔ آج ہمارا فرض ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے جس جانفشانی سے اپنا ملی اور ملکی فرض انجام دیا وہ اس پیرانہ سالی میں مخصوص طور پر آپ کا حصہ تھا۔ آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ نے جسقدر مالی امداد حاصل کی اس کا بیشتر حصہ حضرت مدظلہ العالی کی توجہ عالی کا نتیجہ تھا، قلمی امداد میں بھی حضرت موصوف کی خدمت سب سے زیادہ ہے۔ حضرت موصوف نے گرانقدر اور پراز معلومات[1] رسائل تحریر فرما کر آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے کارکنوں کے لئے دلائل کا ایک ذخیرہ فراہم کر دیا۔ ان رسائل نے واضح کر دیا کہ جمعیۃ علماء ہند یا آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی تمام جدوجہد معقول اور مضبوط بنیاد پر قائم ہے اور اس کے برخلاف جو کچھ کیا جارہا ہے وہ محض جذبات ہیں جو فہم و بصیرت سے قطعاً محروم ہیں۔

سید پور ضلع رنگپور اور بھاگلپور کا واقعہ

حضرت مدظلہ العالی نے عام عادت کے بموجب بنگال اور بہار کے چند مدارس کے جلسوں میں شرکت کا وعدہ فرما رکھا تھا۔ الیکشن کے لئے دورہ شروع کرنے سے پہلے حضرت نے ان وعدوں

---

[1] اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل رسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند دہلی سے قیمتاً اب بھی مل سکتے ہیں۔

(۱) مسٹر جناح کا پر اسرار معمہ اور اس کا حل (جس میں مسلم لیگ سے علیحدگی کے وجوہات بیان فرمائے گئے ہیں۔) (۲) مسلم لیگ کیا ہے (۳) زعماء لیگ اور مسٹر جناح کی سیاسی غلطیاں (۴) سول میرج اور لیگ (۵) شریعت بل اور لیگ (۶) پاکستان کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک رسالہ کی قیمت تقریباً ۲ دو آنہ ہے۔

کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ اور ستمبر ۱۹۴۶ء کی آخری تاریخوں میں بنگال روانہ ہو گئے
حضرت موصوف کے عزیز۔ مولانا نصیر الدین احمد صاحب فیض آبادی موجود
تھے۔ آپ نے معیت کی درخواست کی۔ احقر نے بھی درخواست کی تائید کی
اور مولانا وحید الدین صاحب انچارج دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند نے بھی منظوری
درخواست کے متعلق اصرار کیا۔ مگر حضرت موصوف نے اس کو غیر ضروری فرمایا
اور جب اس طویل سفر میں تنہائی کی دشواریوں کا تذکرہ کیا گیا۔ تو ارشاد ہوا
ان اللہ معی (اللہ میرے ساتھ ہے) میں تنہا نہیں ہوں۔
بہرحال حضرت مدظلہ العالی تنہا تشریف لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ
لیگ کے بہادروں نے اس موقع پر بہت کچھ منصوبے باندھ رکھے تھے
لیکن حضرت کا اعتماد علی اللہ ہر موقع پر کام آیا۔ اور شرارت پسندوں کے
تمام منصوبے خاک میں مل گئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر جناب
محترم محمد طیب صاحب بھاگلپوری کا مکتوب اور مولانا محمد کفیل صاحب بجنوری کا
ایک مضمون جو اخبارات میں شائع ہوا تھا نقل کر دیں۔

محمد طیب صاحب بھاگلپوری کا مکتوب۔ بنام محمد میاں عفی عنہٗ

مورخہ ۹ اکتوبر ۴۶ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی خدمت میں یہ تحریر ارسال کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔
جذبات قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں یعنی لیگی غنڈوں نے اسلام کی
دشمنی کے سلسلہ میں حضرت سیدی شیخ الاسلام سیدنا مولانا

حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے ساتھ جو شرارتیں اور مظالم کئے ہیں وہ تحریر کرتے ہوئے قلم رکتا ہے۔ اور دل رو رہا ہے کہ حضرت شیخ جیسی فنافی الاسلام ہستی کے ساتھ لیگی مسلمانوں کا یہ سلوک بداخلاقی بدتمیزی۔ شرارتیں۔ اور مظالم نہ معلوم کن نتائج تک پہونچنے والے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور انقلاب عظیم الشان نتائج کا حامل ہے۔ لادینی پوری قوت کے ساتھ دین اسلام کے مٹانے کے درپے ہے مصیبت یہ ہے کہ خود حکومت وقت پشت پناہی کر رہی ہے۔

راقم الحروف کو ۲۶ ستمبر کی شام کو کٹھیار (ضلع پورنیہ) میں حضرت مدنی مدظلہ العالی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی وقت حضرت مونگیر سے تشریف لائے تھے۔ شب کو مدرسہ دار العلوم لطیفی کٹھیار۔ میں طلبہ اور چند مذہبی لوگوں کے سامنے حضرت نے مذہبی تقریر ارشاد فرمائی۔ جس میں شریعت کی پابندی پر سختی سے زور دیا۔ اور ساتھ ہی جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد اور موجودہ سیاسی مسلک اور اسلام کی روشنی میں جمعیۃ کی سیاست کو پیش کیا۔ یہ تقریر بہت اثر انگیز تھی دوسرے روز ۲۷ ستمبر کو پورنیہ شہر سے ۸ــ۱۰ میل دور ایک گاؤں اسلام پور میں تقریر ہوئی۔ تقریر یہاں خالص مذہبی تھی۔ لوگوں کو مذہب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اتباع کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ موجودہ نظام سیاست میں علماء اسلام کا گامزن ہونا اور اپنی آواز کو مؤثر بنانا اور موجودہ نظام سیاست میں داخل ہو کر بے دینوں اور غیر مسلموں نیز حکومت وقت کے حملوں سے اسلام کی مدافعت کرنا کس قدر ضروری ہے اور اس وقت اگر نظام سیاست بے دین لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائے تو آئندہ اور کس قدر نقصانات پہونچ سکتے ہیں

بہرکیف وہاں سے حضرت اسی شب کو روانہ ہو کر ۲۸ کو پاربتی پور (بنگال) پہونچے۔ پاربتی پور میں حضرت ہی نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ چار بجے روانہ ہو کر شام کو ڈومر (ضلع رنگپور) پہونچے۔ وہاں سے موضع سوتا پرائے ایک بڑے جلوس کے ساتھ وارد ہوئے۔ وہاں ایک گھنٹہ سے زائد دیر تک تقریر ارشاد فرمائی۔ لوگوں کو اسلام کی پابندی اور تعلیم مذہبی کی طرف توجہ دلائی۔ اور کہ جمعیۃ کی حمایت کر کے اسلام دوستی کا ثبوت دیں۔

مولانا ریاض الدین صاحب نے بعد میں بنگلہ زبان میں ترجمانی کی۔ کیونکہ بہت سے دیہاتی اردو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔ دوسرے روز ناشتہ کے بعد علمی مجلس رہی۔ عصر کے وقت بعد نماز عصر ڈومر میں تقریر فرمائی

بعد مغرب سید پور روانہ ہوئے۔ وہاں لیگی غنڈوں کے ایک جم غفیر نے حضرت اور ان کے رفقاء کو گھیر لیا۔ اور راستہ روک دیا بمشکل تمام پلیٹ فارم سے باہر نکلے۔ لیگی بلوائی حضرت کو کسی صورت سے آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے۔ سیاہ جھنڈیاں لئے ہوئے مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ اکثر غنڈے شراب کے نشہ میں مست تھے۔ ایک لیگی نے حضرت مدنی مدظلہ العالی کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ لیگیوں نے رفقاء سفر کو پوری سرگرمی سے گھونسوں اور مکّوں سے زدو کوب کیا۔ گاڑی بان کو زخمی کر دیا۔ پولیس کو خبر دی گئی لیکن منزل مقصود یعنی اس گاؤں تک پہنچانے کی ذمہ داری نہ لے سکی۔ اس لئے آگے بڑھنا لیگیوں نے ناممکن کر دیا۔ شب بھر اسٹیشن ہی واپس ہو کر قیام فرمایا۔ صبح کو واپس کٹھیار تشریف لائے۔ یہاں کا واقعہ اپنی نوعیت میں سب سے زیادہ شرمناک اور افسوس ناک ہے لیگیوں نے (جن میں شہر کے غنڈوں کے علاوہ اسکول کے طلبہ زیادہ تھے) ایک گھڑے میں کیچڑ گھولا اور ایک ہار بوسیدہ جوتوں کا اور ایک شہد کا چھتہ نالی کی غلاظت میں ڈبو کر لائے سیاہ جھنڈیاں دکھا کر مردہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دئے

حضرت بھاگلپور جلنے والی گاڑی میں سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں تشریف فرما تھے۔ ڈبے کے پاس آکر نہایت فحش اور

گندی گالیاں اور نعرے لگا لگا کر شور مچا رہے تھے۔ ان کی
تعداد بہت کافی تھی۔ (اس کے بعد چھ سطروں میں ان گندہ اور
فحش الفاظ کو نقل کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ کہ "نقل کفر کفر نباشد"
مگر ہمارے خیال میں نقل کفر اگر کفر نہیں تو خلاف تہذیب و متانت
ضرور ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کفر نہ ہو لامحالہ
اس پر عمل ہو۔ لہذا ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔)

نقل کفر کے بعد طبیب صاحب تحریر فرماتے ہیں

حضرت شیخ کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ رفقاء کو جواب دینے
سے منع فرما دیا تھا۔ آخر کار ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد گاڑی چھوٹی۔ ۹ بجے
شب کو بھاگلپور پہونچے۔ دن کو ناتھ نگر میں پھر چمپا نگر میں عظیم الشان جلسے
ہوئے۔ حاضرین کی تعداد کئی ہزار تھی۔ انصار اللہ کا دستہ۔ باقاعدہ موجود
مصروف نظم تھا۔ حضرت کی تقریر دو گھنٹہ کے قریب نہایت ہی ولولہ انگیز
ہوئی۔ ہر جگہ کی طرح یہاں بھی شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین۔ دعوۃ
التقوی اور جمعیۃ کے احیاء و ترقی کی طرف توجہ دلائی۔ عوام میں بہت جوش
وخروش تھا۔ اسی روز کانگریسی طلبا کی کانفرنس لاجپت پارک میں ہو رہی
تھی۔ ارباب کانفرنس نیز کانگریس کے ارکان نے حضرت سے درخواست کی کہ
کانفرنس میں تقریر سے مستفیض کیا جائے۔ اصرار کے بعد حضرت نے منظور
فرما لیا۔ سہ پہر کو جلسہ گاہ جاتے وقت لیگیوں نے شور برپا کیا۔ جو میاں
سے باہر ہے۔ یہاں حضرت کو غنڈوں نے گھیر لیا۔ یہاں بھی شہر کے غنڈوں

کے علاوہ مسلم ہائی اسکول کے طلبہ کے ایک جم غفیر نے حضرت کے رفقاء کو گھیر لیا۔ اور جلسہ گاہ جانے سے روکنے لگا تیس چالیس لڑکے سیاہ جھنڈیاں لئے ہوئے تھے۔ غدار قوم مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے مکّے گھونسے چلانے لگے۔ خدا کے فضل سے حضرت کو ضرب نہیں آئی۔ جب پتھر وغیرہ چلانے لگے تو پولیس کو اطلاع دی گئی۔ پولیس نے مداخلت کی۔ ایس۔ پی وغیرہ پہنچے۔ وہ موٹر میں بٹھا کر حضرت کو جلسہ گاہ میں لے گئے۔ جہاں تقریباً آٹھ دس ہزار ہندو مسلمانوں کا مجمع تھا۔ حضرت نے ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک ہندو مسلم اتحاد پر پرزور تقریر ارشاد فرمائی۔ مغرب کی نماز وہیں جلسہ گاہ میں تقریباً سات آٹھ سو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ادا فرمائی۔ امامت حضرت ہی نے فرمائی۔ تمام انگریز حکام مثلاً ایس۔ پی وغیرہ اور ہندوستانی پولیس افسران کے سامنے انگریزی حکومت کے نقصانات و مظالم اور ہندوستان سے انگریزی حکومت کے اخراجات پر انتہائی بے باکی اور طمانینت کیساتھ تقریر فرمائی۔ بعدہ ایس۔ پی نے جو انگریز تھا حضرت شیخ سے کہا کہ شہر میں آپکی وجہ سے نقض امن کا خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے آپ یہاں سے جہاں جانا چاہتے ہیں تشریف لے جائیں۔ پولیس آپ کو اپنی نگرانی میں میں حضرت کے ساتھ بارہ بجے شب تک رہے۔ اگرچہ اکثر انسپکٹر پولیس صاحب جو وہاں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ خدام کو ملنے سے منع فرماتے تھے۔ صبح کو حضرت مدظلہ العالی کو اسٹیشن پہونچایا گیا۔ انسپکٹر پولیس اور غالباً ڈی۔ ایس۔ پی ساتھ تھے یہاں جلسہ ختم ہونے کے بعد حضرت کو اچانک موٹر میں بٹھا کر پہلے اسٹیشن لایا گیا

میں رکھیگی چنانچہ حضرت کو رات بھر کوتوالی تھانہ میں رکھا گیا۔ ہم خدام تھانہ کے

کہ رات ہی کو روانہ کر دیا جائے لیکن اس وقت گاڑی چھوٹ چکی تھی۔ بعدہ
کوتوالی لاکر رکھا گیا۔ اس درمیان میں شہر کے تمام خدام و متوسلین پریشان پھر
رہے تھے۔ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے۔ شہر میں عجب غل مچا ہوا تھا
کہ حضرت مدنی کو گرفتار کر لیا گیا۔ خیر جب راقم الحروف کو معلوم ہوا کہ حضرت کوتوالی
میں ہیں تو ہم قریب پندرہ بیس خدام وہاں حاضر ہوئے۔ میں نے دست بستہ
اپنی جانب سے نیز کل محبان شیخ مدظلہ العالی کی جانب سے عرض کیا کہ حضرت ہم
سب غلاموں کی ایک درخواست ہے۔ وہ یہ ہے کہ کم از کم الیکشن تک حضور والا
سفر موقوف فرما دیں۔ کیونکہ لیگیوں کی اشتعال انگیزی کو دیکھ کر خطرہ معلوم ہوتا
ہے کہ مخالفین حضور کی جان لینے کے درپے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں
حضرت کی بہت زیادہ توہین کرتے ہیں اور اذیتیں دینے پر تلے ہوئے ہیں۔
اس لئے عزت و جان کے خطرہ کے مدنظر ہماری درخواست ہے کہ چار پانچ مہینہ
ضرور سفر بند رکھیں۔ جواب میں حضرت والا نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"بھائی تم کہتے ہو اس میں بڑی اذیتیں و تکالیف ہیں۔ لیکن یہ
اذیتیں و مصائب جو دی جاتی ہیں یا اٹھانی پڑتی ہیں۔ میرے لئے
عین راحت ہیں۔ باقی رہا عزت تو خدا و رسول کے راستہ میں جو بھی
توہین کی جائے یا اذیت دی جائے میرے لئے عین عزت اسی
میں ہے۔ اگر لعد حق گوئی کی پاداش میں ہماری توہین کی جاتی ہے یا
گالیاں دی جاتی ہیں تو میں اس کو عزت تصور کرتا ہوں۔ باقی رہا
مرنا تو مرنا ایک ہی دفعہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جس وقت اور جس

طرح مقدر کر دیا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ جمعیۃ مرکزیہ نے جب
فیصلہ کر دیا تو ہم قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ میں جمعیۃ علماء کا ایک
معمولی حقیر خادم ہوں۔ اطاعت ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستان
کے ہر ایک صوبے اور ہر ایک گوشہ سے یہی حکم آتا ہے کہ تو ہی آ
تو ہی آ۔ تیرا آنا ضروری ہے۔ تو میں کس طرح اعراض کر سکتا ہوں"

ہم سب خدام اور پولیس سب انسپکٹر صاحب یہ الفاظ سنکر ششدر رہ گئے تھے
حضرت کی حقانیت۔ عزم۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور للہیت پر سب حیران
تھے۔ حضور دن بھر تقریریں فرماتے۔ دن رات سفر میں رہتے۔ مخالفوں کی
ہنگامہ خیزیوں کا مقابلہ سکوت وسکون وعدم تشدد سے فرماتے۔ ہر جگہ
اصلاح۔ وعظ۔ تقویٰ کی تلقین۔ مریدوں کی روحانی تعلیمات۔ بیعت
ارشاد۔ تبلیغ۔ ہر حرکت وسکون پر کمال اتباع سنت و تعلیم سنت۔ مخالفت
پھر گالی ودشنام پر۔ توہین پر گھبراہٹ کا نام ونشان نہیں۔ وہی بشاشت
وہی خندہ پیشانی۔ ٹھیک وقت پر نماز با جماعت کی سختی سے پابندی۔ ہر جگہ
تمام سفر وغیرہ میں تہجد۔ مراقبہ۔ اور حیران کن شب بیداری۔ یہ تمام امور ایک
انسان کو حیرانی میں ڈالنے والے ہیں۔ اور ہر شخص انگشت بدنداں ہے کہ
حضرت انسان ہیں یا انسان سے بالا مافوق العادۃ کوئی ہستی ہیں۔ کہیں
چائے نہیں ملی۔ کہیں روٹی نہیں ملی۔ کہیں تیل کا سالن ملا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ جو
کچھ سامنے آیا خوش خوش شکریہ کے ساتھ تناول فرمالیا۔ نہیں ملا۔ بھوکے
ہیں۔ مجال کیا۔ پتہ چل جائے۔ اللہ۔ اللہ ایسی ہستی کو اسلام کا دشمن۔ غدار

قوم - ہندوؤں کا ایجنٹ - کا خطاب دیا جا رہا ہے - حضرت شیخ کی مخالفت جمعیۃ علماء کی مخالفت - حکومت کے اشارہ پر لیگیوں کی منظم پالیسی کے ماتحت عمل میں آ رہی ہے - چنانچہ ان تینوں جگہوں میں جو مظاہرے اور دشنام طرازی کی گئی لیگ کے ذمہ دار سکرٹریوں اور صدروں اور تمام کارکنوں کی میٹنگ میں طے شدہ پروگرام کے ماتحت عمل میں آئی - اسکول کے ناسمجھ لونڈوں اور شہر کے غنڈوں کو پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے کسی مجنون دیوانگل کے پیچھے شور مچاتے گالیاں دیتے ہوئے - اینٹ پتھر پھینکتے ہوئے جاتے ہیں -

اس سفر میں حضرت کو کوتوالی میں دیکھکر راقم الحروف کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے - کہ یا اللہ - اس تیرے بندہ کو کونسا نشہ یا جنون سوار ہو گیا ہے - یا کونسی بے چینی پیدا ہو گئی ہے - کہ سونے کا ٹھکانا نہ کھانیکا ٹھکانا - نہ نہانے غسل کرنے کا ٹھکانا - آرام نہ راحت - رات دن سفر - مخالفوں وہ بھی مسلمانوں سے انتہائی ناروا سلوک دیکھتا ہے -

اس وقت تھانہ میں مقید ہے اپنے اعزہ و اقارب کو چھوڑے ہوئے اپنے وطن و مکان کو خیرباد کہے ہوئے قریہ - قریہ - گاؤں گاؤں مارا مارا پھر رہا ہے اور التجا کر کرکے لوگوں سے محبت و پیار کے ساتھ اسلام کی طرف بلا رہا ہے - خدا و رسول کے حکم کی طرف دعوت دے رہا ہے - دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت والا کیوں نہیں یکطرف ہو کر یاد خدا میں مصروف ہو جاتے اور بے پناہ مصائب کیوں مول لے رہے ہیں - یا اللہ تو ہی اس عاشق کو اپنی پناہ میں لے لے - آمین آمین

بہر کیف اصل غرض یہ ہے کہ (الف) حضرت والا مدنی صاحب مدظلہ العالی کی

جان کو بلا شک خطرہ ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ سب لوگ حضرت کا سفر الیکشن بلکہ۔۔۔ بند کرادیں۔ جیسا کہ ہند کلکتہ نے لکھا ہے کہ حضرت دو مرتبہ شہید ہوتے ہوتے بچے۔ کیونکہ لیگی غنڈوں کی شرارت و اشتعال انگیزی کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں۔ کٹیہار کے اسٹیشن پر لیگی حضرات خوب چلا کر کہہ رہے تھے اب کے الیکشن کے بعد جب ہمارا اقتدار ملک کے اندر ہو جائیگا تو اس وقت ایک ایک ملا کو ہندوستان کے صفحۂ ہستی سے مٹا کر دم لیں گے سب سے پہلا پروگرام ہمارا یہی ہوگا۔

(ب) علانیہ لیگی حضرات در باب لیگ تمام تقریروں و تحریروں میں صاف صاف اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانو! مولویوں کو اپنے یہاں مت آنے دو" ان کو تقریر مت کرنے دو۔ ان کی تقریر کو کسی مسلمان کو نہ سننے دو۔ یہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ یہ کانگریس کی طرف سے آئیں گے جو مسلمانوں کو فنا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اگر یہ لوگ کسی صورت سے اچانک پہونچ جائیں تو جس صورت سے ہو اپنے یہاں سے نکال کر دم لو۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کا ایک اشتہار کل بھی یہاں تقسیم ہوا ہے۔ اور اسی مضمون پر کل لیگیوں کی تقریریں ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کا عملی مظاہرہ ہر جگہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ اس لئے اب سوال یہ ہے کہ آزاد خیال مسلمانوں یا جمعیۃ علماء کا الیکشن کے متعلق کام کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جمعیۃ علماء کے افراد و اشخاص کی راہ میں بے حد رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ لیگ والے کثیر تعداد میں آکر مار پیٹ دھر بونگ مچانے پر تیار ہو جاتے ہیں اور صاف کہتے

ہیں کہ ہم لوگ تمہیں ہرگز ہرگز جلسہ تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ چاہے اسکے لئے مارپیٹ کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ چنانچہ اکثر جگہ یہی مشاہدہ میں آرہا ہے محکمہ پولیس ہر جگہ لیگیوں کی شرارت اور ہر بونگ کو نظرانداز کردیتا ہے۔ دیکھئے اس سفر میں بھی بجائے لیگیوں پر سختی کے حضرت ہی کو اپنی نگرانی میں رکھا۔

محمد طیب۔ بھاگلپوری

طیب صاحب نے ہمدردانہ اور مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ الیکشن کے سلسلہ ہی کو ختم کردیا جائے کچھ مخلص حضرات نے اس کو علمی لطیفہ کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا کہ یہ تو لازمی ہے کہ لا[1] تقولوا الا الحق کے بموجب جب بھی بات کہی جائے حق بات کہی جائے۔ مگر اعلنوا بکل حق (ہر حق بات کا اعلان کرتے پھرو) کا حکم شریعت میں نہیں وارد ہوا۔

بہر حال رخصت کا ایک درجہ یہ بھی تھا۔ مگر حضرت شیخ جیسا صاحب العزم اگر رخصت پر عمل کرتا تو ایک مرتبہ بھی جیل میں نہ جاتا۔ جو جماعت رخصت کو ترک کرکے پچیس سال متواتر عزیمت پر عامل رہی۔ اور ہر موقع پر ملک و ملت کی ترقی کے لئے ایک فریضہ کی حیثیت سے سینہ سپر ہوکر جد و جہد کرتی رہی اس کے لئے کب ممکن تھا کہ وہ اپنے اس اقدام سے قدم پیچھے ہٹاتی یا مصائب سے مرعوب ہوتی جس کو اس نے وقت کا اہم ترین ملی فریضہ تصور کیا تھا۔

بالخصوص جبکہ عجیب و غریب روحانی لطیفے بھی موقع بموقع ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں مثلاً اسی موقعہ پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ حضرت نے ڈاک دیکھتے ہوئے پہلے طیب صاحب

[1] مت کہو مگر حق بات ۱۲

خط پڑھا۔ اس کے بعد دوسرا لفافہ کھولا تو دھام پور ضلع بجنور کے ایک بزرگ کا خط تھا۔ اور اس میں تحریر تھا کہ "یہاں ایک صاحب ہیں صوم و صلوٰۃ کے پابند بظاہر نیک اور سچے آدمی ہیں انھوں نے خواب میں دیکھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمرہ میں تشریف فرما ہیں۔ دروازہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ برابر میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک کے بال پراگندہ ہیں اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہ، العالی ان کو درست کر رہے ہیں۔

صاحب الشریعت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں رفیق خاص صاحب الغار۔ محی السنت۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک کو سنوارنا کس قدر عجیب و غریب بشارت ہے؟ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں۔ بالخصوص ایسے زمانہ میں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو ایک ایک کر کے مٹایا جا رہا ہو۔ اور خصوصیت کے ساتھ ڈاڑھی کے خلاف تہذیب جدید نے طوفان بپا کر رکھا ہو۔

بہر حال طیب صاحب کے مکتوب سے واقعات کے علاوہ حضرت مدظلہ، العالی کے اخلاق آپ کی ہمت عالی۔ جرارت۔ وسعت ظرف اور للٰہیت وغیرہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس طویل خط کو نقل کرنا مفید سمجھا گیا۔ ذیل میں مولانا کفیل احمد صاحب کا مضمون اخبار روزنامہ حقیقت (لکھنؤ) سے نقل کیا جاتا ہے۔

جس میں سید پور کے واقعہ کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی صاحب کی توہین اور اس کا عبرت خیز انجام

سید پور اور بھاگلپور میں جس نوعیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات بابرکات پر قاتلانہ اور وحشیانہ حملے ہوئے وہ ہر سنجیدہ شخص کے لئے انتہائی رنج و قلق کا موجب ہیں۔

حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سید پوری جو کہ حضرت الشیخ مدظلہ کے میزبان اور سید پور لانے کے باعث تھے وہ کلکتہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ موصوف نے راقم الحروف کو نماز جمعہ سے قبل نماریان مسجد کولوٹولہ کی موجودگی میں اپنی درد بھری داستان سنائی کہ حضرت مدنی صاحب اپنے خادم احسان الحق صاحب مرحوم کی تعزیت میں قصبہ سونار تشریف لائے ہوئے تھے اور میری درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کے لئے سید پور اسٹیشن پر اترے تھے اور افسوس کہ ممدوح کو میرے غریب خانہ تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ دفعۃً تقریباً .. لوگوں کا انبوہ لیگی نعرے لگاتا ہوا اسٹیشن پر آدھمکا اور حضرت شیخ کو عریاں دشنام دہی شروع کر دی۔ ہاتھوں میں لاٹھیاں، ڈنڈے اور چھریاں تھیں۔ بے تمیزی سے نام لے کر قتل کر دو۔ مار ڈالو۔ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو یہ غدار ہے۔ ایسا ہے ویسا ہے جو کچھ منہ پر آ رہا تھا بکواس کی۔ ہم بنا بر استقبال صرف دس پندرہ آدمی تھے اور ان لوگوں میں برابر ایک شخص کے ناقوس پر ناقوس بجلانے پر زیادتی ہو رہی

تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سیدپور ورکشاپ اور مضافات سے جمع ہو گئے اور پھر کربلا کا منظر حسین احمد بن حسین کے سامنے آگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مار دھاڑ شروع کردی اور ہم چند لوگ جو شیخ مدظلہ کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے کچھ مجروح اور کچھ مضروب ہو رہے تھے اور خدا جانے ہم لوگوں میں آیا فرشتے آگئے تھے یا کیا بات تھی کہ بے انتہا قوت ہمارے اندر پیدا ہو رہی تھی اور ہم کالنھو بنیان مرصوص بنے ہوئے تھے اسی اثنا میں ایک فرعون بے سامان نے اپنی فرعونیت کا شدید ترین مظاہرہ کیا۔ مدنی صاحب کو زمین پر پچھاڑنے کی کوشش کی بے دردی سے گریبان اور آخر میں سخت مدافعت کے باوجود کلاہ سر مبارک سے اتار لی۔ بیہودہ کلمات بکتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا اور پھر اس کو جلا دیا۔ ہم میں سے بعض اشخاص نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی تھا امداد کے لئے متوجہ کیا مگر افسوس اس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے ابتدائً لطائف الحیل سے کام لیکر کچھ دیر بعد صاف و صریح انکار کر دیا کہ ہم اس بڑے مجمع کو قابو میں لانے سے معذور ہیں۔ جب اس پولیس افسر نے اپنی شرعی و قانونی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا تو ہم میں سے بعض مایوسانہ طریقہ پر ورکشاپ کے انگلو انڈین افسر کے پاس پہونچے وہ فوراً اسٹیشن پر آیا اور اس نے فی الواقع امن و امان قائم کرنے کی بہت کچھ کوشش کی اپنے ماتحت مزدوروں سے یہاں تک کہا کہ خبردار! یہ تم کیا کام کرتے ہو؟ ہم جانتے ہیں یہ شخص تمہارا بہت بڑا پوپ ہے، زبردست پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے، کیا تم اسیطرح

غنڈہ پن سے شراب پی پی کر پاکستان لینا چاہتے ہو، دور ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ تمہارے منہ سے شراب کی بو آتی ہے۔ غرض اس افسر نے سب کو سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور مدنی صاحب اسی درمیان میں بمشکل تمام ویٹنگ روم میں داخل کئے جانے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی کی طرح مظلومانہ محصور تھے۔ اس ناکامی کے بعد اسٹیشن افسران وغیرہ کی سعی کے ذریعہ غنڈوں سے یہ طے پایا کہ مولانا کو اس صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ اسی شب کی دارجلنگ میل سے واپس ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت شیخ ۸½ بجے شام سے لیکر ۱½ بجے شب تک ۵ گھنٹہ اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا رہ کر دارجلنگ میل سے بھاگلپور کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر بھاگلپور میں پہنچکر دوبارہ جو مصیبت آئی وہ بھی اخبارات میں مجملاً آ چکی ہے۔

یہ ہے وہ رقت خیز اور روح فرسا داستان کہ جس سے سوائے لیگی پریس کے ہر شخص مغموم و متاثر ہے اور ارباب لیگ کی طرف سے واقعہ کی تکذیب کی جارہی ہے۔ افسوس صد افسوس۔

ہم آہ بھی کہتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مولانا ریاض الدین صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت اپنے دوستوں کو صبر وسکون کے ساتھ تسلی و تشفی دیتے رہے اور فرمایا یہ تو کچھ بھی نہیں آئندہ ملک کی اس سے زیادہ خراب حالت ہونے والی ہے حملوں اور سب و شتم کے وقت حضرت شیخ کی کیا حالت تھی؟ مولانا ریاض الدین صاحب فرماتے ہیں کہ چہرہ پر قطعاً

خوف و ہراس نہ تھا اور مدنی صاحب اکثر مراقبہ کی حالت میں ہو جاتے تھے
یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح سے دیگر اشخاص نے تحریری طور پر اجازت
طلب کی کہ ہم غنڈوں کے قلع قمع کے لئے حاضر ہیں مگر مولانا مدظلہٗ نے بلوہ
کے اندیشہ اور اپنے اعتماد علی اللہ کی بنا پر اجازت نہیں دی۔ غالباً حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس میں رسول اللہ ص نے " نام الملک و قع
الشیطان" فرمایا تھا۔ ممدوح کے پیش نظر تھا۔ یہ ہے عمل بالحدیث ادام
اللہ فضلہ و ظلہٗ علی المسلمین والمسترشدین۔

شیخ الاسلام کی کھلی کرامت

اولیاء اللہ سے جو عداوت کرتا ہے وہ در اصل باری تعالیٰ سے جنگ کرتا
ہے۔ حق تعالیٰ کے نیک بندوں کا بحالت مظلومیت صبر و ضبط رنگ لائے
بغیر نہیں رہتا۔ سیدنا امام حسین رضؓ کے قاتلین نے زیادہ عرصہ میں نہیں تھوڑے
ہی دنوں میں اپنی ذلت و رسوائی کا جو مہیب نقشہ دیکھا وہ اسلامی تاریخوں
میں آج بھی روشن ہے۔ مظلوم حسین احمد بھی غالباً حدود بنگال سے باہر نہیں
نکلے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا قہر و غضب ظالموں کی طرف متوجہ ہو گیا اور منتقم
حقیقی کی گرفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ مولانا محمد صالح صاحب سید پوری فاضل دیوبند
خلف رشید مولانا ریاض الدین صاحب کا گرامی نامہ آج ہی اپنے پدر بزرگوار
کے نام کلکتہ پہونچا۔ مکتوب بنگلہ زبان میں ہے۔ مگر راقم الحروف اس کا اردو ترجمہ
جناب قاری عتیق الرحمٰن صاحب فرید پوری مدرس اعلیٰ شعبہ تجوید مدرسۂ عالیہ
کلکتہ اور جناب قاری شریعت اللہ صاحب میمن سنگی مدرس تجوید مدرسہ عالیہ

کرلکے بعینہ درج ذیل کرتا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ جس فرعون بے سامان نے زیادہ فرعونیت سے کام لیا تھا وہ تو لگے ہی دن تالاب میں غرق ہو کر فوت ہو گیا اور جس پولیس افسر نے اپنی اخلاقی و قانونی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا تھا اور کھڑے ہوئے کلوخ اندازی وغیرہ کا تماشہ دیکھا تھا وہ بھی اپنے نوجوان فرزند کو سپرد خاک کر کے سراپا تماشہ بن گیا۔ پھر خدا کی شان کہ جس خیال سے یہ ہڑبونگ مچائی گئی تھی کہ جمعیۃ علماء کی تبلیغ نہ ہو آج بڑے اہتمام سے اسی جگہ جمعیۃ قائم کی جارہی ہے۔ جو لوگ اب تک غنڈے بنے ہوئے تھے وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم کر رہے ہیں اور جس جھنڈے کے تحت میں یہ سب کچھ خرافات کی گئی تھی اسی جھنڈے کی اب علانیہ مخالفت شروع کر دی گئی ہے۔ اللہ رے قدرت کیا برعکس معاملہ ہے۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی ✤ آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

صالح صاحب لکھتے ہیں۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابا جان۔ آپ کا خط موصول ہوا ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ بے فکر ہو کر کام کاج کریں اور ہم لوگوں کے لئے دعا کرتے رہیں۔ جن غنڈوں نے جناب حضرت قبلہ مولانا مدنی کے ساتھ گستاخی کی تھی وہ لوگ ابھی اسکا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ بڑے داروغہ کا بڑا لڑکا دوسرے ہی دن قضا کر گیا۔ یہ بات شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ اس کے بعد جس

شخص نے حضرت کے سر مبارک کی ٹوپی اتاری اور جلادی تھی دوسرے ہی دن وہ بھی تالاب میں ڈوب کر مرگیا۔ سید پور میں ہر طرح گیا۔ شیان ڈاکٹر اور چیتنا سب لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگ ان غنڈوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہم لوگوں سے ایسا ذلیل کام نہیں ہوسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ لیگیوں میں دو فرقے ہوگئے ہیں۔ بہت سے لوگ افسوس کر رہے ہیں کہ ایسا کام کرنا لیگیوں کی غلطی ہوئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ لیگ سے ناراض ہوگئے کل بعد جمعہ قرب وجوار گاؤں کے سردار لوگ ہمارے گھر میں آئے اور تبلیغی جماعت قائم کی اور جمعیۃ علماء ہند کی ایک شاخ قائم کی جس کا صدر آپ کو بنایا گیا ہے اور مرحوم مظہر اللہ منڈل کے لڑکے عبدالکریم منڈل صاحب کو اسسٹنٹ سکرٹری بنایا۔ اور آس پاس کے لوگوں کے نام کی فہرست بھیجی ہے۔ آپ کے گھر آنے پر تمام سردار لوگ آپ کے پاس آئینگے۔ فقط

صالح

آپ نے دیکھا سچے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح سچا ثابت کرتا ہے۔ گو تفصیلات کا ابھی انتظار ہے مگر تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی یہ کیسی زبردست اور کھلی ہوئی کرامت ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ میری ان سطور کو افسانہ گوئی یا خوش اعتقادی پر محمول کرنا چاہیں اس لئے لوگوں سے میں صرف یہی عرض کرسکتا ہوں کہ

وہ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کے صدر محترم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب
داناپوری اور جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رکن جمعیۃ مذکورہ کو آمادہ
کریں کہ یہ دونوں بزرگ میری معیت میں سید پور تشریف لے جائیں اور
تمام واقعات کی تحقیقات و تفتیش از خود فرمائیں۔ مصارف آمد و رفت کی
ذمہ داری مجھ پر ہوگی اور واقعات مذکورہ کی تائید یا تردید بذمہ ان ہر دو
بزرگان ہوگی۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

خادم العلماء محمد کفیل بجنوری رکن جمعیۃ مرکزیہ و صدر جمعیۃ العلماء کلکتہ

مفسر القرآن مسجد کولوٹولہ

سید پور اور بھاگلپور کے واقعات مرعوب کرنے کے لئے کافی تھے۔ مگر جسکو
خداوند عالم نے ہمت و استقلال کا غیر متزلزل پہاڑ بنایا ہو۔ اس کے لئے
ایسے واقعات بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ اس کے
بعد حضرت کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ اور آسام سے پشاور تک پوری شمالی
ہندوستان کا دورہ فرمایا لیگیوں کی طرف سے جگہ جگہ یورش کی گئی۔ بنگال میں
سڑک بھی تقریباً ایک میل تک اکھاڑ دی اس پر درخت کاٹ کر ڈالدیئے
اور اسکول کے تقریباً دو سو طلبہ۔ اور اس اطراف کے اوباش کو سڑک کے
قریب چھپا کر بٹھا دیا گیا کہ حضرت کی جب سواری اس طرف سے گذرے تو

ملہ سی۔ پی اور بمبئی وغیرہ کی طرف جانے کا حضرت کو موقع نہیں مل سکا۔ حضرت
مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور حضرت مولانا عبدالمنان
صاحب۔ مولانا عبدالوحید صاحب صدیقی وغیرہ نے اس خانہ کو پُر کیا۔

حملہ کردیا جائے مگر اس کی اطلاع حضرت کے خدام کو ہو گئی اور راستہ تبدیل کرا کر حضرت کو منزل مقصود تک پہونچا دیا گیا۔

سلہٹ میں حضرت کے جلوس پر حملہ کیا گیا۔ بریلی میں حضرت کے جلسہ پر پتھراؤ کیا گیا۔ پولیس والے کھڑے ہوئے دیکھتے ہی نہیں رہے بلکہ یہ کہا جاتا تھا کہ شہ دیتے رہے۔ مگر خداوند عالم نے ہر جگہ حضرت کی حفاظت فرمائی اور حضرت مدظلہ العالی نے اس قسم کے تمام واقعات کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ بنگال میں غنڈہ گردی کی یہاں تک انتہا ہو گئی تھی کہ چلتی ٹرین میں قوم پرور مسلمانوں کو زدوکوب کیا جاتا تھا۔ پروفیسر ہمایوں کبیر سفر کر رہے تھے کچھ آدمیوں نے زنجیر کھینچ دی اور چند اوباش نے گاڑی میں چڑھ کر ان کو زدوکوب کیا۔ ان شرارتوں کی بنا پر بعض خدام کی رائے تھی کہ حضرت بنگال کا سفر نہ کریں لیکن حضرت نے فرمایا کہ کامیابی یا ناکامی تو خدا کے اختیار ہے۔ جمعیۃ کی آواز پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ ہم اپنے فرض میں کیوں کوتاہی کریں۔

نتیجۂ الیکشن اس قسم کی غنڈہ گردی اور منظم سازشوں نے الیکشن کی کامیابی کو قطعاً ناممکن بنا دیا تھا۔ مگر تاہم

(الف) صوبائی اسمبلیوں میں مجموعی حیثیت سے ۱۶ فیصدی نشستیں قوم پروروں نے حاصل کر لیں۔

(ب) ووٹوں کے اعداد و شمار نے ظاہر کیا کہ تقریباً چالیس فیصدی ووٹ جمعیۃ علماء کے حق میں پڑے۔

(ج) ہندوستان کی سیاست میں جمعیۃ علماء ہند نے ایک آئینی حیثیت حاصل کرلی۔

(د) دہریت اور لادینی کے اس طوفانی دور میں مذہبی طبقہ بھی ہندوستانی سیاست کا ایسا اہم عنصر بن گیا جسکو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(ھ) وہ علماء جن کے اقتدار کو ختم کرنے کا اعلان کردیا گیا تھا۔ خود اعلان کرنے والوں کو ان کے دامن میں پناہ لینی پڑی اور لیگ کے جن زعماء نے ۱۹۳۷ء کے الیکشن کی کامیابی کو اپنے منشور کا کمال گردانا تھا ان کو اس مرتبہ کامیابی کے بعد علماء کرام کا شکریہ ادا کرنا پڑا۔

بیشک یہ شکریہ جمعیۃ علماء اسلام کے اراکین کا ادا کیا گیا مگر دنیا جانتی ہی اور ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے کہ اگر جمعیۃ علماء ہند میدان میں نہ ہوتی تو جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اور مولوی کی حیثیت مسجد کے حجرہ تک محدود ہوکر رہ جاتی۔

ہم آخر میں حضرت مولانا ابوالکلام کا ایک بیان نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ شائع کرایا۔ اس بیان سے ان مشکلات کا اندازہ ہوجاتا ہے جو اس الیکشن میں پیش آئیں۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ اگر رائے دہندگان کو طرح طرح کی غیر آئینی کارروائیوں سے مرعوب نہ کیا جاتا اور ان کو آزادانہ رائے دینے کا موقع ملتا تو جمعیۃ علماء ہند پچاس فیصدی نشستیں ضرور حاصل کرلیتی۔

وزارتی مشن کی آمد ابھی صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات تمام ہندوستان میں مکمل نہ ہونے پائے تھے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو وزارتی مشن کراچی میں صادر ہو گیا۔ لارڈ پیتھک لارنس۔ وزیر ہند۔ سر اسٹیفورڈ کرپس۔ اور جنرل الیگزنڈر وفد کے ارکان تھے۔

ایک ہفتہ آرام کرنے کے بعد یکم اپریل ۱۹۴۶ء سے ارکان مشن نے ہندوستانی لیڈروں سے ملاقات شروع کی۔ کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے صدر کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو بھی ملاقات کی دعوت دی گئی۔ اور چونکہ آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے ساتھ دوسری جماعتیں بھی اشتراک عمل کئے ہوئے تھیں لہٰذا جناب صدر کو اجازت دیگئی کہ وہ مزید تین حضرات کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ چنانچہ عبدالمجید صاحب خواجہ صدر آل انڈیا مسلم مجلس، شیخ حسام الدین صاحب صدر آل انڈیا مجلس احرار اسلام۔ شیخ ظہیر الدین صاحب صدر آل انڈیا مومن کانفرنس۔ اور بحیثیت ترجمان جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یو۔پی۔ حضرت کے ساتھ تشریف لے گئے

۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو ۴ بجے شام سے سوا پانچ بجے تک وزارتی مشن کے ارکان سے ملاقات ہوئی۔ وزارتی مشن کے ارکان نے جمعیۃ علماء کے فارمولے سے خاص دلچسپی لی۔ حتیٰ کہ ملاقات کے مقررہ وقت (یعنی نصف گھنٹہ) سے زائد ۴۵ منٹ تک ارکان مشن فارمولا کے مضمرات اور اس کے مختلف پہلوؤں کے متعلق سوالات کرتے رہے۔ اور ان کے

جوابات پر مسرت و اطمینان ظاہر کرتے رہے۔ اس فارمولے کے ساتھ وزارتی مشن کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ماہ بعد یعنی ۱۶ رمئی ۱۹۴۶ء کو وزارتی مشن نے جو فارمولا پیش کیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بجنسہ جمعیۃ علمار ہند کا فارمولا تھا۔ صرف پیریٹی اور مساوات کی شرط نشنہ تکمیل تھی اور کانگریس اور کیبنٹ مشن نے قولاً اس کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اس فارمولا کے بموجب عارضی حکومت کی تشکیل کی جارہی تھی تو اگر مسلم لیگ کی ناعاقبت اندیشانہ ضد آڑے نہ آتی تو ۱۴ ممبران میں سے ۶ ممبر مسلمان ہوتے یعنی ۵ لیگ کے نامزد اور ایک مسلم ممبر کانگریس کی طرف سے اور اس طرح عارضی گورنمنٹ میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً ۴۵ فیصدی ہوتا۔ اور اس رواج کے قائم ہوجانے کے بعد یقین تھا کہ پیریٹی کا مسئلہ بھی مناسب صورت سے حل ہوجاتا۔ اور اگر بالفرض مسلمانوں کو مرکز میں تینتیس فیصدی نشستیں بھی دی جاتیں تو نقصان صرف اتنا ہی تھا کہ ممبری کے خواہشمند حضرات زیادہ تعداد میں اسمبلی میں نہ پہونچ سکتے۔ اس کے بر مقابل فائدہ یہ تھا کہ

(۱) ہر فرقہ وارانہ مسئلہ میں ان کو حق استرداد دیدیا گیا تھا یعنی آئینی طور پر یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ جس مسئلہ کو مسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت فرقہ وارانہ قرار دیدے وہ اسمبلی یا پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو سکے گا اور اگر پیش ہوچکا ہو تو وہ پاس نہ کیا جائیگا۔

(۲) اگر یہ اختلاف ہوتا کہ یہ مسئلہ فرقہ وارانہ ہے یا نہیں ہے تو ایک فیڈرل

کورٹ مقرر کیا گیا تھا جو اس بحث کا فیصلہ کرتا۔

(۳) اس طرح تمام فرقہ وارانہ امور کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی اور اس طرح اکثریت اقلیت کے تابع ہو کر زندگی بسر کرتی۔

مذکورہ بالا تفصیلات کے علاوہ اس فارمولے کا مفاد یہ تھا کہ

(الف) صوبہ سرحد، صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان۔ اور جب ریاست کشمیر کو یونین کے ایک صوبہ کی حیثیت دیدی جاتی تو پورا صوبہ کشمیر مذہبی معاشی اور کلچرل امور میں قطعاً خود مختار رہوتے۔

(ب) پورا صوبہ پنجاب اور پورا صوبہ بنگال۔ جسکا دار الحکومت (دنیا کا دوسرا بڑا شہر) کلکتہ تھا۔ مسلم اکثریت کے زیر اقتدار رہتا۔ اور

(ج) صوبہ دہلی اور بشمول سلہٹ صوبہ آسام کی سیاست اور حکومت میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً مساوی ہوتا کیونکہ صوبہ دہلی میں مسلمان تقریباً ۴۵ فیصدی تھے۔ اور صوبہ آسام میں تقریباً ۳۵ فیصدی۔

(د) ہندوستان کے باقی صوبوں میں مسلمان لاوارث یتیم کی طرح نہ ہوتے۔ کیونکہ

(۱) ملازمتوں اور اسمبلیوں میں ان کا حصہ کم از کم تیس فیصدی ہوتا۔

(۲) وزارتوں میں ان کی موثر شمولیت ہوتی۔

(۳) وہ ایسے مرکز کے ماتحت ہوتے جن میں ان کی تعداد پیریٹی نہ ملنے کی شکل میں سو فیصدی ہوتی۔ اور فرقہ وارانہ امور کی زمام ان کے ہاتھ میں ہوتی۔

لیکن افسوس مسلمانوں کی اکثریت کا مزاج بگڑ چکا تھا۔ کھرے کھوٹے کی تمیز جاتی رہی تھی۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر دماغ معطل ہو گئے تھے۔ اور وہ چراغ گل ہو گئے تھے جو قلب مومن کے نہا نخانہ میں روشن ہوا کرتے ہیں۔ اور جس کی روشنی سے وہ مستقبل کو حال کی طرح دیکھا کرتا ہے[۵۱]

لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور — مگر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں کے اندر جو دل ہیں انکی آنکھیں ہیں وہ اندھی ہو جاتی ہیں۔

اجلاس بمبئی کی صدارت

جمعیۃ علماء ہند کا پندرہواں اجلاس عام بمبئی میں ہونے والا تھا جمعیۃ علماء ہند اور حضرت شیخ مدظلہ العالی کے بعض با اخلاص مخصوص خدام کی خواہش تھی کہ حضرت والا کی ذات گرامی کو صدارت کی رسمی بندش سے آزاد رکھا جائے۔ اور آپ کا وہ اقتدار اعلیٰ جو لاکھوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ جس کا درجہ منصب صدارت کی سطح سے بہت بلند ہے اس کی عملی تشکیل اس طرح کی جائے کہ صدر جمعیۃ اور اس کی مجلس عاملہ ہر موقع پر آپ کے فیوض سے مستفیض ہو۔ اور ہر مرحلہ میں آپ کا آستانہ اس کا مرجع و مآب ہو۔

مگر چونکہ انقلاب کے بعد آزاد ہندوستان کا یہ پہلا سال تھا اور اگرچہ جمعیۃ علماء ہند سیاسیات[۵۲] سے علیحدگی کی تجویز پر

---

[۵۱] اتقوا فراسۃ المومن فانہ یری بنور اللہ۔ [۵۲] سیاسیات سے علیحدگی کی وجوہات معلوم کرنے کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔ علماء حق جلد دوم۔ اور خطبہ صدارت جمعیۃ علماء ہند اجلاس بمبئی ۱۲

تیسری[۱] خواندگی کی مہر تصدیق ثبت کر رہی تھی لیکن تداخل حکومتین سے کے اس نازک دور میں مذہبی اور ثقافتی امور کے لحاظ سے بھی ایسے بزرگ ہی کی رہنمائی ضروری تھی جس کے پائے استقامت نے انقلاب کی گھاٹیوں کو ایک ایک کرکے طے کیا ہو۔ جو تبدیل شدہ فضا کے مزاج کو پہچانتا ہو۔ اور جادۂ استقلال وحریت کی ان تمام پیچیدگیوں سے واقف ہو جو انقلاب کے بعد پیش آیا کرتی ہیں۔ چونکہ تخمین وقیاس کی یہ معیاری قبا صرف حضرت مدظلہ العالی کے جسد مبارک پر راست آتی تھی لہذا صوبائی جمعیتوں کی اکثریت نے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا اسم گرامی ہی صدارت کے لئے طے کیا

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام ۱۵، ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء یوم دوشنبہ سہ شنبہ کو بمبئی میں ہوا۔ سنٹرل اسٹیشن کے قریب ایک وسیع میدان میں عظیم الشان خوبصورت پنڈال بنایا گیا۔ حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند وزیر تعلیم حکومت ہند نے افتتاح میں ایک پر مغز فصیح وبلیغ تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حکومت ہند کے وزیر اعظم آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو کی مختصر تقریر ہوئی[۲]

۱ـ پہلی خواندگی مجلس عاملہ کے اجلاس میں دوسری خواندگی مجلس منتظمہ کے اجلاس دہلی منعقدہ ماہ مارچ میں تیسری خواندگی اجلاس عام بمبئی میں ۱۲۔

۲ـ جس وقت یہ دونوں جلیل القدر شخصیتیں موجود تھیں فوٹوگرافروں کے جم غفیر نے سب طرف سے اسٹیج کو گھیر لیا اور وہ ان عظیم المرتبت ہستیوں کے ساتھ حضرت مدظلہ العالی کا بھی فوٹو لینے کی کوشش کرنے لگے۔ پہلے تو حضرت شیخ نے رخ بدلکر اور کبھی چہرہ کے سامنے ہاتھ کی آڑ کرکے بچنے کی کوشش کی لیکن...

ان دو تقریروں کے بعد جمعیۃ علماء ہند کا باضابطہ اجلاس عام تلاوت کلام اللہ شریف سے شروع ہوا۔ صدر استقبالیہ کے خطبہ کے بعد حضرت مدظلہ العالی نے جو معرکۃ الآراء خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے چند اقتباسات ہم یہاں پیش کرتے ہیں ان اقتباسات سے ان واقعات پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔ جو تقسیم ہند کے اعلان کے بعد ہندوستان میں پیش آچکے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ انڈین یونین کے مسلمانوں کے متعلق حضرت مدظلہ العالی کی رائے کیا ہے۔ اور وہ مسلمانوں کو کن باتوں کی ہدایت فرماتے ہیں۔

تقسیم ہند کا اعلان

۳؍جون ۴۷ء کو تقسیم ہند کا اعلان کیا گیا۔ اور مسٹر جناح اور ان کے متبعین کو وہ "پاکستان" دیدیا گیا جو ۴۴ء میں مسٹر راجگوپال آچاریہ خود پیش کر رہے تھے۔ اور جس کے لئے چشم ہندوستان اسی بمبئی میں ۱۴ روز تک جناح گاندھی گفتگو کا تماشہ دیکھتی رہی تھی اور جس کو مسٹر جناح نے لنگڑا پاکستان اور چھلکا کہہ کر رد کر دیا تھا۔ غالباً لاکھوں کروڑوں انسانوں کی تباہی اور بربادی۔ اس کی دوسری ٹانگ اور اس چھلکے کے لئے مغز تھی۔ جو آج وجود میں آچکی تھی۔

یہ اعلان بظاہر فیصلہ تھا۔ چنانچہ اس کو تقریباً ایک سال کے قتل و غارت کے بعد۔ امن و اطمینان کا مژدۂ جان فزا سمجھا گیا۔ مگر کیا معلوم تھا کہ انقلاب دشمن۔ شکست خوردہ طاقتیں پسپائی کے وقت سب کچھ تباہ کر دینے کی پالیسی پر عمل کر رہی ہیں۔ اور کچھ ایسے شعبدے ایجاد کر رہی ہیں جو وطن عزیز کے سبزہ زاروں کو قتل و خون کا لالہ زار بنا دیں اور اس کے پر رونق محلوں

اور بازاروں کو آتش زدہ ویرانوں میں تبدیل کر دیں۔

چنانچہ حدود پاکستان اور بالخصوص لاہور کے متعلق کچھ ایسے اصول اور نکات رکھے گئے کہ اعلان تصفیہ ایک ہولناک خانہ جنگی کا الٹی میٹم بن گیا اور ہر فرقہ دوسرے کی تعداد کو زیادہ سے زیادہ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

مزید براں باؤنڈری کمیشن جو اختلافی اور نزاعی حدود کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا بد قسمتی سے وہ ایسے فیصلہ کے تلاش کرنے میں کامیاب ہوا۔ جو مخصوص طور پر مسلمانوں کے لئے اشتعال انگیز تھا۔

پنجاب خفیہ پولیس کے کمشنر "مسٹر" جینکنس نے (Jen Kins) برطانوی خفیہ پولیس کے افسر اعلیٰ کو ۶ اگست ۱۹۴۷ء کو پنجاب کلب لاہور سے ایک خفیہ خط لکھا تھا جو کسی صورت سے لندن میں پکڑ لیا گیا۔ اور اخبارات میں شائع کرا دیا گیا۔

مسٹر جینکنس۔ اس خط میں تحریر فرماتے ہیں "امید یہی ہے کہ حد بندی کمیشن کے فیصلے سے مسلمانوں میں بے چینی بڑھ جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو بھی میرے خیال میں مسلمان برطانوی حفاظت کے زمرہ میں رہنا پسند کریں گے"

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان ٹائمز نے لکھا تھا۔ پنجاب کے سابق گورنر سر ایوان جینکنس کے رویہ پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں اس خط سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری بہت سی مشکلات کا سرچشمہ ہمارے یہ سابق حکمران ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب برطانوی حکام انتقال اختیارات کے سلسلہ میں ہمارے لیڈروں سے بات چیت کر رہے تھے تو یہ برطانوی افسر

ہمارے ملک میں خفیہ ایجنٹوں کا جال بچھا کر سازش کی تیاری کر رہے تھے مسٹر جینکنس کو کس طرح معلوم تھا کہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ مسلمانوں کیلئے بے چینی کا موجب بنے گا۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ حد بندی کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ غیر منصفانہ فیصلہ سے ہی پاکستان اور انڈیا کے درمیان ناخوشگوار تعلقات پیدا کئے جا سکتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ اس لئے ناانصافی کی گئی کہ وہ کمزور پارٹی تھے۔ اور اشتعال کے نتیجہ میں جب دوسری مصیبتوں سے پریشان ہوں تو لامحالہ انگریز کو یاد کریں۔ اور اس کی مدد کے محتاج ہو کر شاطران برطانیہ کے پھندے میں دوبارہ پھنس جائیں (نیا دور انصاری وغیرہ)

۱۵ اگست کی آمد

۳ جون کے بعد پورا ہندوستان ۱۵ اگست کا انتظار بے تابی سے کرنے لگا۔ کیونکہ وہ یوم حریت تھا۔ یوم آزادی تھا۔ ہندوستان کی گلو خلاصی کی تاریخ تھی۔ اور اس روز پاکستان اور ہندوستان میں جشن آزادی منایا جانے والا تھا۔

لیکن ۱۵ اگست کے آفتاب کی کرنیں "پرچم پاکستان" یا "نیشنل فلیگ" سے پہلے ان ہزاروں لاوارث لاشوں۔ ستم رسیدہ عورتوں اور بچوں اور خون میں تڑپتے ہوئے زخمی اور مقتول نوجوانوں پر پڑیں جو انقلاب دشمن۔ سازشوں کے خوں ریز۔ نتائج کا شکار ہو چکے تھے فسادات کی ظاہری نوعیت فرقہ دارانہ تھی، مگر درحقیقت سنگدل اور ملوکیت پرست ٹوریوں کے ہاتھ اس فرقہ پرستی کے پردہ میں کام کر رہے تھے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کے فرستادہ خاص پنڈت سندر لال نے پنجاب کے دورہ کے بعد اپنے طویل بیان میں فرمایا تھا۔

میرا یقین ہے کہ کسی غیر جانب دار عدالت کے سامنے یہ ثابت کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ اسلحہ اور گولی بارود کا زیادہ تر ذخیرہ جو مختلف مقامات پر ہندو مسلمانوں یا سکھوں نے استعمال کیا۔ یا استعمال کیا جانے والا تھا وہ ذمہ دار برطانوی افسروں کی معرفت آیا۔

لائل پور کے مسلم ڈپٹی کمشنر نے وہاں کے ہندو چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ سے کہا کہ اگر اس ضلع کے کرنل فینچ کو ہٹا دیا جائے تو پھر ایک ہندو یا سکھ کبھی نہ لٹے گا۔

راولپنڈی کے تقریباً تمام سربرآوردہ ہندو اور مسلمانوں کی یہ رائے تھی کہ وہاں کے مارچ کے فسادات کی براہ راست ذمہ داری مسٹر سی۔ ایل۔ کوٹس۔ ڈپٹی کمشنر اور ہوم سکریٹری مسٹر میکڈانلڈ پر تھی۔

مشرقی پنجاب کے ایک ضلع میں جب ہندوؤں نے طے کرلیا کہ اقلیت کے لوگوں کو نہ ستایا جائے گا تو ایک برطانوی فوجی افسر نے آگ کو دوبارہ سلگانے کی غرض سے موٹر میں طویل سفر کیا۔ راستہ میں لوگوں پر گولیاں چلائیں اور ان کو ہلاک کر دیا۔

ایک دوسرے ضلع میں جب ایک فرقہ کے لوگ پاس کی چھاونی میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے کمانڈر کے پاس گئے تو اس برطانوی کمانڈر نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو برطانوی گورنمنٹ سے درخواست کرنی چاہیئے کہ وہ ملک کے انتظامات کا پھر چارج لے لے۔ اور اس درخواست پر زیادہ سے زیادہ ہندوستانیوں کے دستخط کرائے جاویں

چنانچہ اس غرض کے لئے ایک فہرست کھولدی گئی۔ اور دستخط بھی کرادیئے گئے لیکن بعد میں اس خیال کو ترک کردیا گیا۔

خود لائل پور میں ایک برطانوی فوجی افسر نے ایک مسلم پولیس افسر سے کہا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم ہندوستان سے جارہے ہیں۔ نہیں۔ ہم ملایا میں چھپ جائیں گے اور جب یہاں کے حالات خراب ہوجائیں گے تو ہم واپس آجائیں گے۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت دی جاسکتی ہیں۔ اور اس سے بھی خراب قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ بااختیار برطانوی افسروں نے اپنے مواقع اور سامان کو فسادات کی آگ لگانے اور جگہ جگہ پہنچانے ہی میں نہیں۔ بلکہ اس کو مسلسل جلتا رکھنے میں بھی استعمال کیا۔ ہم کو شرم کے ساتھ اس امر کا اقبال کرنا پڑتا ہے کہ ہم بُرے ہیں لیکن یقیناً نہ ہندو نہ مسلمان نہ سکھ اتنا بُرا ہے جتنا کہ وہ اپنے فریقِ مخالف کو دکھائی دیتا ہے

(قومی آواز ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء)

ستمبر کا مہینہ جو فسادات کا دورِ شباب تھا۔ اور قتل و غارت کا سلسلہ پنجاب اور دہلی سے گذر کر یو۔ پی اور سی۔ پی کی طرف بڑھنا چاہ رہا تھا اس زمانہ میں جو گرفتاریاں کی گئی ہیں ان کی شہادت یہی ہے کہ برطانوی ٹوریوں کے ایجنٹ۔ نہ صرف یہ کہ فساد کو ابھار رہے تھے۔ بلکہ فسادات کی آگ کو تیز کرنے کے لئے بڑی تعداد میں میگزین سپلائی کررہے تھے چنانچہ صوبہ سی۔ پی میں انگریز افسروں کی گرفتاری کی اطلاع دیتے ہوئے نامہ نگار نے لکھا تھا۔

جس طرح جینکنس۔ میکڈانلڈ جیسے افسروں نے پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی ہے اسی طرح صوبہ متوسط میں بھی بدامنی پھیلانے اور اس صوبہ کو فرقہ وارانہ ہنگاموں کا مرکز بنانے کے لئے بعض انگریز افسروں کی خطرناک سازش پکڑی گئی ہے۔ اور کئی افسروں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

یہ انگریز افسران جبل پور کے اسلحہ خانہ سے باقاعدہ طور پر اسلحہ جات اور گولیاں۔ بارود۔ وغیرہ فتنہ انگیزوں اور مفسدوں کو دے رہے تھے۔ بڑے بڑے برطانوی اور اینگلو انڈین پولیس افسران کو گرفتار کرنے میں صوبائی حکومت بالخصوص پنڈت راوی شنکر شکلا وزیر اعظم نے بڑی جرارت سے کام لیا۔

لفٹننٹ کرنل جونس اور اسپیشل فورس کے "مسٹر بادل" کے گھروں کی تلاشی لئے جانے پر ساٹھ ہزار کارتوس۔ اور بہت سی رائفلیں۔ ریوالور اور بندوق وغیرہ پکڑی گئیں۔

جبل پور کے پولیس انسپکٹر۔ ٹائی منڈیز۔ اور ایک اینگلو انڈین پولیس انسپکٹر کے مکان کی تلاشی لی گئی۔ اور ان کی گرفتاری پر سازش کی دستاویزات اور بہت سے اسلحہ جات برآمد ہوئے۔

میجر جنرل بوگسن کے مکان کی تلاشی لئے جانے پر چھ بیس ہزار کارتوس۔ دو رائفل اور دوسرے جنگی سامان برآمد ہوئے۔

(ہند کلکتہ۔ مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء) بحوالہ سادھو نتا دآرگن کمیونسٹ پارٹی بنگال)

مہاتما گاندھی کے حادثہ قتل کے بعد جب تحقیق کی رفتار زیادہ تیز کردی گئی تو کمیونسٹ اخبار نیا زمانہ بمبئی نے لکھا تھا۔

یہ فسادات ریاستوں میں منظم کئے جاتے اور پھر شہروں اور دیہاتوں میں پھیلتے تھے۔ چنانچہ حکومت ہند نے اس کی روک تھام کے لئے اپنا خاص عملہ مقرر کیا ہے۔ جس نے ریاستوں میں چھاپے مارے ہیں۔ پچھلے مہینہ حکومت ہند نے بھرت پور میں انسپکٹر جنرل آف پولیس کو بھیجا۔ جس نے دو ہی روز میں اسلحہ کے کارخانے اور ہتھیاروں کے بھرپور گودام برآمد کر لئے۔ جب ریاست کے قلعے کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے ایک ہتھیار بنانے کا کارخانہ اور ایک ہتھیار گھر ملا۔ جہاں سے بندوقیں۔ اسٹین گنیں۔ ٹامی گنیں۔ برین گنیں اور سیکڑوں بم اور ریوالور برآمد کئے گئے۔

پولیس کوارٹروں میں اسلحہ بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ملا جس میں ریاست کی بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ہیں اور خود ریاست اس کارخانہ کو چلانے کے لئے بجلی مہیا کرتی ہے۔ جب ہتھیاروں کے گوداموں پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں سے ہزاروں بم برآمد ہوئے اور بم بنانے کی مشنری بھی ملی۔

اس اسلحہ خانہ کی کنجی ہمیشہ مہاراجہ کی تحویل میں رہتی تھی۔ جب راجہ کے شاہی محلوں کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے بھی ہتھیاروں کا وسیع ذخیرہ برآمد کیا گیا۔

اسلحہ کو چھپانے کے لئے ریاست کے تمام محفوظ مقامات بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرب وجوار کے جنگلوں میں وسیع تالاب بنائے گئے ہیں

جہاں تیزاب اور بارود کو محفوظ کیا ہوا ہے۔ معلوم ہوا ہے اس ریاست میں انقلاب کے دشمنوں کو پناہ دی جاتی ہے اور توڑ پھوڑ کی پالیسی کو کامیابی سے چلانے والوں کی بلا اجرت تربیت کی جاتی ہے۔

القصہ۔ واقعات کی شہادت یہ ہے کہ جس زمانہ میں ہندوستان آزادی کی طرف تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا اور ہندوستانی زعماء آئینی اور پر امن طور پر برطانیہ سے حصول اختیارات کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ عین اسی زمانہ میں ٹوری پارٹی کے انگریز کارکن سرزمین ہند میں فسادات کی بارودی سرنگیں بچھا رہے تھے۔ ابھی ۱۵ اگست آیا بھی نہ تھا کہ یہ سرنگیں پھٹنے لگیں۔ اور تقریباً ⅓ ہندوستان کی اقلیتوں کو نذر آتش کرنے لگیں۔ تبادلۂ آبادی کی اسکیم نے اس آگ پر تیل کا کام کیا اور بربریت و وحشت کی وہ مثالیں پیش کر دیں جن کی نظیر سے ہندوستان کی تاریخ خالی تھی۔

تبادلہ آبادی کا گناہِ عظیم ۳ جون یعنی مطالبہ تقسیم کی منظوری کے بعد اگر دونوں ڈومینین اپنے اختلافات کے مطابق اقلیتوں کی حفاظت کا پختہ عزم کر لیتیں تو تبادلہ آبادی کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ اور اگر بالفرض حالات کی انتہائی نزاکت نے تبادلہ آبادی کی اسکیم پر مجبور کر دیا تھا اور اقلیتوں کی حفاظت کی صرف یہی صورت باقی رہ گئی تھی تو لازم تھا کہ جبر و تعدی کے بجائے ترغیب و تحریص کا راستہ اختیار کیا جاتا۔ اس کے فوائد بتائے جاتے اور لوگوں کو اپنی مرضی پر

عمل کرنے کا موقع دیا جاتا مگر جو صورتِ حال پیش آئی وہ اس کے برعکس تھی۔

ابھی ۱۵ اگست کا غلغلہ خاموش نہ ہوا تھا اور جشنِ آزادی کے ترانے فضا میں گونج رہے تھے کہ یکایک اقلیتوں کے دروازوں کو کوٹا جانے لگا۔ حفاظت کی چہار دیواریوں کو مسمار کیا جانے لگا۔ جائدادوں کو تاراج، عزت و آبرو کو برباد کیا جانے لگا۔ اور نہ صرف مجنونانہ بلکہ وحشیانہ انداز میں وہ سب کچھ کیا جانے لگا جس کے سننے کیلئے بھی جگر کو پتھر بنانا پڑتا ہے۔

لاکھوں انسان تہ تیغ کئے گئے۔ تلواروں اور خنجروں کی خون آشامیاں نہ کسی شریف اور واجب الاحترام رہنما یا بزرگ کو معاف کرتی تھیں نہ کسی واجب الرحم ضعیف کمزور کو۔ وحشت و بربریت کے بحران نے نہ صنف نازک پر رحم کیا نہ ماں باپ کی جدائی سے تڑپتے ہوئے بچوں پر ان کو ترس آیا۔ معصوم بچوں کے سینہ و جگر سے انسان نما درندوں کے نیزے تفریح کرتے تھے۔ اور پاکدامن شریف عورتوں کی عصمت دری اور آبرو ریزی ان کا لطف و کرم تھا۔ (معاذ اللہ)

پنڈت سندر لال نے پاکستان، مشرقی پنجاب اور دہلی کے دورہ کے بعد اپنے ایک طویل بیان میں فرمایا تھا۔

"انتقال آبادی کی کارروائی انسانیت کے ساتھ ایک گناہ عظیم ہے۔ شاید اس سے تاریک تر گناہ انسانی تاریخ میں نہ ہوا ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ مجھے تو اکثر خیال آتا ہے کہ کم از کم ہمارے ایک درجن چوٹی کے لیڈر جن میں سب پارٹیوں کے لیڈر شامل ہونے چاہئیں۔ اور برطانوی قوم کے سیاسی لیڈروں

پر اس جرم کا مقدمہ انہیں پناہ گزینوں کے سیدھے اور غیر جانبدار نمائندوں کی عدالت میں چلایا جانا چاہیے۔ جن پر ان مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔" (قومی آواز ۳۰ نومبر ۱۹۴۷ء)

اغوار خواتین تبادلۂ آبادی کے اس گناہ عظیم میں خواتین کا اغوار نفرت انگیز حادثہ ہے۔ بے بس ناتوان بہنوں اور بیٹیوں کو بہیمانہ ہوا پرستیوں کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ شرم و حیا کے دامن کو تار تار اور احساس ناموس کو آخری حد تک پامال و مجروح کیا گیا اور آج جبکہ پاکستان اور ہند میں امن و اطمینان کی فضا روز افزوں ہے۔ یہ درماندۂ صنف نازک وحشی انسانوں کے پنجۂ ظلم و استبداد کا شکار بنی ہوئی ہے اور بہیمانہ ہوا پرستی نے اس کی زندگی کو عذاب بنا رکھا ہے۔ ان ستم رسیدہ مظلوم خواتین کو اس عذاب الیم سے نجات دلانا انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

یہ حقیقت کسی حد تک اطمینان بخش ہے کہ ان مظلوموں کے دردِ دل کی خاموش کراہ پاکستان اور ہند کے ذمہ داران حکومت تک پہنچ چکی ہے اور دونوں حکومتیں ان مظلوموں کو نجات دلانے میں کام کر رہی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عوام کے جذبات میں نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اگر عام ہندو مسلمان ان مظلوموں کو نجات دلانے میں حکومتوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں تو ایک ہی دن میں ان مظلوموں کی زندگی کا جہنم جنت بن سکتا ہے اور ہزاروں بچھڑی ہوئی مائیں اپنے ننھے بچوں سے اور بہنیں اور بیٹیں اپنے بھائیوں اور ماں باپ سے مل سکتی ہیں۔

مسلمانوں سے خطاب

ظلم وستم کو اٹھاتا اور مظلوموں کو نجات دلانا اسلام کے پروگرام کا ایک اہم ترین حصہ ہے اس نصب العین کے لئے جدوجہد فریضۂ مسلم ہے ۔ یہ عورتیں اسیران جنگ کی حیثیت نہیں رکھتیں ۔ یہ گرفتاران بلا لوٹ مار کا شکار ہوئی ہیں ، اس لوٹ مار قتل وغارت کو اسلامی جہاد کہنا اسلام کی ملحدانہ توہین اور اس کی تعلیمات کا استہزاء ہے اسلام کی طرف صرف وہی چیزیں منسوب کی جاسکتی ہیں ، جن کو تفقہ اور صحیح بصیرت اسلامی قرار دے اپنی خواہشات کو اسلام کی طرف منسوب کرنا اور اپنی من مانی چیز کو اسلامی قرار دینا ، اسلام پر ظلم عظیم اور ملت کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہے ۔ سیدھے سادے مسلمان ایک عرصہ تک تحریک پاکستان کو بھی اسلامی تحریک سمجھتے رہے ، لیکن اس سادگی اور غلط رہنمائی کے نتائج بد ہمارے سامنے ہیں اگر ہم چشم بصیرت رکھتے ہیں تو ہمیں سبق لینا چاہیے اور اپنے پروپگینڈے کو اعتدال کی حد میں محدود رکھنا چاہیے ۔

مہاتما گاندھی کا حادثۂ قتل

اس خونی ہنگامہ کا سب سے زیادہ شرمناک اور سنگین واقعہ مہاتما گاندھی کا حادثہ قتل ہے ، گاندھی جی ، تہذیب وانسانیت کے سچے خادم اور ملک کے حقیقی خیر خواہ تھے آپ نے اپنی تمام علمی اور عملی طاقت انسانوں کی خدمت ، ملک کی آزادی اور پست اقوام کو قعر مذلت سے نکالنے کی جدوجہد میں صرف کی اور ۱۶ اگست سنہ ۴۶ء یعنی لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن کی ابتدائی تاریخ کے بعد سے آپ کی تمام جدوجہد اور حیرت انگیز ایثار وفدائیت اس آگ کے

بجھانے اور بربریت کے بحران کو فرو کرنے میں صرف ہوئی جسکو فتنہ انگیز پوشیدہ طاقتوں کی طرف سے بھڑکایا اور ابھارا جارہا تھا۔ آپ نے نواکھالی پہنچکر بگڑے ہوئے تعلقات کو درست کیا۔ ظالم کے دل میں احساس ندامت پیدا کر کے مظلوم کی دستگیری اور امداد پر اس کو آمادہ کیا۔ مظلوم میں جذبہ خود اعتمادی پیدا کیا نواکھالی کے بعد آپ نے بہار پہنچکر مظلوم مسلمانوں کی وہی امداد کی جو نواکھالی میں مظلوم ہندوؤں کی کی تھی۔ پھر آپ پیکر امن بنکر کلکتہ پہنچے اور صرف چند روز قیام کرکے وہ نسخہ شفا عطا فرمایا کہ قتل وغارت کا ایک سالہ جنون دفعتاً ختم ہوگیا اور پریم و محبت نے عداوت ونفرت کی جگہ لے لی۔ کلکتہ کے بعد آپ دہلی پہنچے اور آپ کی راستبازی اور سچائی نے آپ کو مظلوموں کا پشت پناہ بنا دیا۔

گاندھی جی کو یقین تھا کہ فرقہ پرستی مہلک وبا ہے جو اگر باقی رہ گئی تو ملک کو دسیوں حصوں میں تقسیم کردے گی۔ اور وطن عزیز کی بلند پیشانی کو استعمار پسند طاقتوں کے آستانوں پر جھکا دے گی۔ چنانچہ آپ نے پیرانہ سالی کی تمام کمزوریوں کے باوجود جواں مردی سے اس مہلک وبا کا مقابلہ کیا انتہا یہ کہ اس مقابلہ میں اپنی گراں قدر جان کو جو ملک کا بہترین سرمایہ تھی قربان کردیا یہ ایک حقیقت ہے کہ تقریباً تین ماہ سے ہم اپنے اس سچے رفیق اور دنیا کے عظیم ترین انسان کی رفاقت وقیادت سے محروم ہوچکے ہیں مگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ گاندھی جی کی قربانی رائیگاں نہیں گئی۔ آپ کی سچائی اپنی برقی طاقتوں کا آج بھی مظاہرہ کررہی ہے اور مطالبہ کررہی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے تنازعات کو ختم کرنے اور متحدہ قومیت کو ترقی دینے میں جان کی بازی لگاکر

اپنے ملک کو ترقی اور عروج کے بلند مقام پر پہونچائیں۔

گاندھی جی کا حادثہ، آزاد ہندوستان کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے لیکن اطالوی اخبار "یونٹا" کے اس الزام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ سفاکانہ واردات صرف ایک آدمی کی دیوانگی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس میں برطانوی استعمار کا ہاتھ کارفرما ہے۔

ہندوستان میں برطانوی خفیہ سروس کے آدمی موجود ہیں اور وہ اپنا کام کرنا جانتے ہیں اس واردات میں یقیناً ان کا ہاتھ ہے۔

عراق، مصر، فلسطین، موگا ڈیشیو (اٹلی) کے مقتولین اور یہ مقتول مہاتما یہ سب جارج ششم کے تاج کے ہیرے ہیں یہ سب کچھ اس سوشلسٹ کہلانے والے وزیر مسٹر بیون کی کارگذاریوں کا مسرت انگیز نتیجہ ہے۔

(انقلاب مورخہ ۵ رفروری ۱۹۴۸ء بحوالہ ٹائمز لندن ۲ رفروری)

انڈین یونین میں مسلمانوں کا مستقبل

درست ہے کہ ہندوستان کی تقسیم نے وطن عزیز کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا، لیکن اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے لئے یہ تقسیم تباہ کن ثابت ہوئی کہ وطن عزیز کا صرف آٹھواں حصہ کٹ کر جدا ہوا ہے لیکن مسلمانوں کا نصف سے زائد حصہ جدا ہو گیا۔ اور مسلمانوں کا تناسب پہلے سے گھٹ کر تقریباً آدھا رہ گیا ہے۔ اسمبلیوں۔ کونسلوں اور ملازمتوں میں پہلے ۳۰ یا ۳۳ فیصدی حقوق حاصل تھے۔ اب وہ ۱۳۔۱۴ فیصدی رہ گئے ہیں۔ تجارت کے سلسلہ میں جو حیثیت حاصل تھی۔ اس کو ناقابل تلافی نقصان پہونچ چکا ہے لیکن ان تمام نقصانات کے

باوجود امید ہے کہ انڈین یونین کے مسلمانوں کا مستقبل تاریک نہیں ہوگا۔

انڈین یونین کی دستور ساز اسمبلی طے کرچکی ہے کہ ہند کا نظام حکومت جمہوری ہوگا۔ اور اس کی بنیاد کسی خاص فرقہ کے مذہب پر نہیں ہوگی۔ انتخابات میں مسلمانوں کے لئے بقدر تناسب آبادی نشستیں مخصوص کرکے باقی پر مقابلہ کا حق دے چکی ہے۔ ملازمتوں میں ایک تناسب معین کرکے قابلیت کے معیار پر مزید اضافہ کا حق تسلیم کرچکی ہے۔ صوبائی اور مرکزی وزارت میں مسلم وزرا موجود ہیں۔ اور جن صوبوں میں اس وقت مسلم وزرا نہیں ہیں توقع ہے کہ آیندہ انتخابات اس خامی کو دور کردیں گے۔

عام شہری زندگی کے لحاظ سے جو تلخی اس وقت موجود ہے وہ عارضی ہے جو تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تفرقہ انگیز برطانوی پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے اور گذشتہ دس سال کی رجعت پسند اشتعال انگیز تحریک نے اس کو ہوا دی ہے یقین ہے کہ مخلوط انتخاب بہت جلد اس خلیج کو پاٹ دے گا اور یہ تلخی خوشگوار تعلقات کی شیرینی سے بدل جائے گی۔

یہ تمام حالات مستقبل کے متعلق ہمیں امید دلا رہے ہیں۔ البتہ اگر مسلمانوں کی خواہش ہے کہ ان کا مستقبل زیادہ شاندار اور روشن ہو۔ تو ان کا فرض ہے کہ اپنے عمل اور کردار سے اپنی اہمیت اور افادیت کو ثابت کریں۔ انڈین یونین کے لئے جس قدر وہ زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ اتنی ہی ان کی عزت اور وقعت ہوگی جمہوری نظام حکومت میں نسل، مذہب، یا خاندان ترقی کا مدار نہیں ہوتا۔ خدمت اور قابلیت معیار ترقی ہوا کرتی ہے۔ ملک وملت کی خدمت کا صحیح جذبہ پیدا کریں۔

بہتر بن خدمت کی قابلیت پیدا کریں۔ لا محالہ کامیابی اور کامرانی ان کے ہم آغوش ہوگی۔

تقسیم ہندوستان نے مسلم مفادات کو بھی تقسیم کر دیا ہے۔ جس طرح یہ ضروری نہیں کہ جو معاملہ پاکستان کے لئے مفید ہو وہ انڈین یونین کے لئے بھی مفید ہو۔ بلکہ بسا اوقات پاکستان اور ہند کے مفاد میں تضاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جو معاملہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے مفید ہو وہ انڈین یونین کے مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ کوئی معاملہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے مفید ہو اور انڈین یونین کے مسلمانوں کے لئے تباہ کن ہو۔ جب مفادات میں اسطرح تضاد ہو تو سوال یہ ہے کہ ہمیں انڈین یونین کے مسلمانوں کے مفاد کا لحاظ رکھنا ہوگا یا پاکستانی مسلمانوں کے مفاد کا۔

ظاہر ہے کہ ہم پر پاکستانی مسلمانوں کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ خود اپنے ذمہ دار ہیں۔ ہم پر انڈین یونین کے تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ہمیں ہر موقع پر وہ صورت اختیار کرنی ہے جو انڈین یونین کے مسلمانوں کے لئے مفید ہو۔

ہماری خواہش یہی ہے کہ انڈین یونین اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں لیکن اگر کسی موقع پر ان دونوں کے نقطہا نظر میں اختلاف ہو تو ہمیں اسی اصول کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہوگا۔ ہمارا سیاسی فریضہ بھی یہی ہے۔ اور یہی اخلاقی اور مذہبی فرض ہے۔

ہم اسلامی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے جس قدر اس پر صحیح طور سے

عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے۔ اسی قدر ہم وطن عزیز کے لئے بہترین خادم اس کے بہادر محافظ۔ اور اس کے اہم ترین جزو ثابت ہوں گے۔ بیشک پاکستان بن جانے کے بعد مسلمان مجموعی طور پر بھی اور صوبجاتی لحاظ سے بھی غیر مؤثر اقلیت بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن کیا اقلیت کا مستقبل تاریک ہوا کرتا ہے؟ اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان اس سے کہیں کم تھے۔ ۱۸۵۸ء کی مردم شماری میں ہندوستان میں چار کروڑ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عددی اکثریت یا اقلیت پر مستقبل کا مدار نہیں بلکہ مستقبل کا مدار۔ اہل ملت کے کردار، اعمال اور اخلاق پر ہے۔ آج جو کچھ مسلمانوں کی تعداد اور ان کے علمی آثار۔ آپ ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ ان کی اکثریت کے باقیات ہیں۔ یا سیف وسناں کے کارناموں کی یادگار؟

بیشک ہندوستان میں آٹھ سو برس سے زیادہ مسلمانوں نے حکومت کی مگر کثرت تعداد ان کی شوکت وحشمت کا نتیجہ نہیں۔ یہ نتیجہ ہے ان پاکباز بندگان خدا کے اخلاق کا۔ جنھوں نے اسلامی تعلیمات کا نمونہ بن کر دوسروں کے دلوں میں جگہ کی ان ستودہ صفات انسانوں نے دوسروں کی جاگیروں اور ملکیتوں پر قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خصائل وشمائل سے ان کے دلوں کو مسخر کیا۔ دماغوں کو گرویدہ کیا۔ اور ان کے جذبات کو اس درجہ فریفتہ کیا کہ جو پرائے تھے اپنے بن گئے اور جو بیگانہ تھے یگانہ ہو گئے۔ آج اسلامی تعلیمات قرآن حکیم کے حکم ومواعظ ربانی ارشادات آپ کے سامنے ہیں۔ اگر آپ صحیح طور پر ان پر عمل کریں۔ تو تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے۔ اور ایسے پاک نفوس سامنے

آسکتے ہیں۔ جو مرجع خلائق ہوں اور ہر فرقہ اور جماعت کے نیک سیرت انسان ان کی تعظیم و تکریم پر مجبور ہوں۔

آج مسلمانوں کو جہاد کا لفظ یاد رہ گیا ہے۔ مگر یہ یاد نہیں رہا کہ باشندگانِ مکہ جیسے معاندین اسلام اور دشمنان ملت کے مقابلہ میں صبر و استقامت اور ضبط و تحمل کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کے مظاہرہ کو جہاد کبیر فرمایا گیا ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا۔

اور خود اپنے نفس کے غیر صالح جذبات۔ غلط خواہشات اور اخلاق رذیلہ کو پامال کرنے اور ان کے بجائے صالح جذبات اور مکارم اخلاق سے مزین ہونے کو "جہاد اکبر" سے تعبیر کیا گیا تھا۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔

اس جہاد اکبر اور جہاد کبیر میں نہ تیغ و تفنگ ہے نہ خنجر و سناں بلکہ ان میں مضبوطی اور پختگی کے ساتھ عمل ہے۔ ان ارشادات ربانی پر جو تیغ و تفنگ سے بدرجہا مفید۔ اور توپ اور بندوق سے بہت زیادہ زود اثر ثابت ہوتے ہیں اور جن پر عمل پیرا ہونے کے لئے میدان جنگ سے کہیں زیادہ ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ حاضرین کرام ایک طرف اندازہ کیجئے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت۔ رافت اور مہربانی کا جو آپ کو مخلوق خدا کے ساتھ تھی جس کی بنا پر ارحم الراحمین نے آپ کو "رؤف رحیم" کا لقب عطا فرمایا۔ دوسری جانب تصور کیجئے اس ظلم و ستم، جبر و تعدی، وحشت و بربریت بد خلقی اور بہیمیت کا جو آپ کی حق و صداقت، محبت اور ہمدردی کے جواب میں

مشرکین مکہ کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔ پھر غور فرمایئے حضرت حق جل مجدہ کے ارشادات گرامی پر۔ مثلاً اس جبر و قہر وحشت و بربریت کے جواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوئی ہے۔

اصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل وتوکل علی اللہ

صبر کرو۔ جیسے کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور خدا پر بھروسہ کرو۔

دع اذاھم وتوکل علی اللہ

ان کی ایذا رسانی کو نظرانداز کر دو اور خدا پر بھروسہ کرو

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوة کانہ ولی حمیم

سورہ نحل رکوع ۱۶ و سورہ حٰم سجدہ رکوع ۵

اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور پسندیدہ نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دو اور بحث و مباحثہ میں وہ طرز اختیار کرو کہ وہی طرز سب سے بہتر ہو۔ مخالفین کی مدافعت ایسی پسندیدہ صورت سے کرو کہ وہی صورت سب سے بہتر ہو اس طریق عمل کا نتیجہ تم یہ دیکھو گے کہ جس کو تم سے عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا گویا گہرا دوست ہے۔

اقم الصلوٰة وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور۔ سورہ لقمان رکوع ۲

قائم رکھو نماز۔ سکھاؤ بھلی بات۔ منع کرو برائی سے اور برداشت کرو اس کو جو تم پر پڑے۔ بیشک یہ ہیں ہمت کے کام

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم۔ سورہ اعراف رکوع ۲۴

عادت بنالو درگذر کی۔ حکم کرو بھلی بات کا اور کنارہ کرو نادانوں سے۔ اور اگر ابھارے تم کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگو اللہ سے وہی ہے سننے والا۔ جاننے والا۔

اب غور فرمائیے کہ یہ ارشادات ہمیں کس درجہ ضبط و تحمل کی تلقین کرتے ہیں بار بار ہدایت ہو رہی ہے کہ درگذر اور معافی کو اپنی خصلت بنا لیں۔ چھیڑ خوانی کے مقابلہ میں چشم پوشی اختیار کریں۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں۔ اور ہمیشہ جواب دینے کی وہ صورت اختیار کریں جو سب سے بہتر ہو۔ محترم بزرگو اور دوستو ایک طرف غور کیجئے گذشتہ دو سال کے واقعات پر اور پھر تلاوت فرمائیے اس ارشاد کو۔

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین (سورۂ نساء ع ۱۹)	اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر اور گواہی دو اللہ کیطرف کی۔ خدا لگتی (یعنی سچی) اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔
واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ (سورہ انعام ع ۱۹)	جب بات کہو تو حق کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو۔

اس قسم کی بہت سی آیتیں اور احادیث ہیں۔ جو ایک انسان کو سب سے اونچا انسان بنا سکتی ہیں بشرطیکہ ان پر ہر وقت اور ہر حالت میں عمل پیرا...

آج مسلمان مایوس ہیں کہ ان کا اقتدار مٹ رہا ہے۔ وہ حیران ہیں کہ مسلمان ہوتے ہوئے وہ اقتدار سے کیوں محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ کیا خداوندی وعدے زائد المیعاد ہو گئے۔ یا یہ وعدے (معاذ اللہ) خداوندی وعدے نہیں۔ کاش مسلمان سمجھیں اور غور کریں کہ لفظ مسلم کے ساتھ اقتدار کو لازم نہیں کیا گیا۔ بلکہ اقتدار کی شرط اور اس کی غرض و غایت اعمال و اخلاق

ہیں۔ مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ ان کی گئی ہوئی عظمت پھر لوٹے۔ اور ان کی تہذیب جو فنا کے گھاٹ سے زندہ ہو۔ تو شرط اول یہ ہے کہ وہ زندگی کے اخلاق پیدا کریں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب دنیا کا اقتدار عطا فرمایا گیا تھا تو اس کی غرض وغایت یہ بتائی گئی ہے۔

اقاموا الصلوٰۃ۔ و آتو الزکوٰۃ	نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے
وامروا بالمعروف ونھوا عن	بھلی باتوں کی ہدایت کریں گے۔ بری
المنکر۔ (سورہ حج)	باتوں سے روکیں گے۔

کیا اچھا ہو کہ مسلمان اس نکتہ کو سمجھ لیں اور انتقام در انتقام کے افسانوں پر خاک ڈال کر اسلامی اخلاق اسلامی احکام اور اسلامی تعلیمات کو اپنا پروگرام اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں۔ خداوند عالم کی نصرت ان کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ نصرت و امداد درحقیقت ان اصول کی امداد ہوگی جن کی خود خداوند عالم نے تلقین فرمائی ہے۔ اور جن پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کو خداوند عالم نے خود اپنی مدد قرار دی ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ۔ ولینصرن اللہ من ینصرہ۔

(خطبۂ صدارت اجلاس بمبئی)

چند مکاتیب

چند مکاتیب

انسان کے ذاتی خطوط اس کے خیالات و جذبات کے آئینہ دار ہوتے ہیں بہت سی وہ باتیں جو اسٹیج پر نہیں کہی جاتیں جن کو منظر عام سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ شخصی اور ذاتی خطوط ان کی غماضی کر دیا کرتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں کے تذکرہ میں ان کے خطوط کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم بھی اپنے اس رسالہ کا خاتمہ حضرت کے چند مکاتیب[1] پر کرتے ہیں۔

(۱)

تحریک خلافت سنہ ۲۲ء کے بعد جبکہ سنہ ۳۰ء و سنہ ۳۱ء میں جنگ آزادی کا دوسری مرتبہ آغاز ہوا تھا۔ گاندھی جی کی تجویز کردہ تحریک نمک سازی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جاری تھی۔ صوبہ سرحد میں قصہ خوانی بازار کا مشہور حادثہ پیش آچکا تھا جس میں تقریباً آٹھ سو نوجوان پٹھانوں نے برطانیہ

---

[1] وہ تمام خطوط جو ہزاروں متوسلین۔ احباب۔ اقارب اور بزرگوں کو حضرت کے قلم مبارک سے لکھے گئے۔ ان کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ ان تمام کا جمع کرنا بھی ایک اہم خدمت ہے۔ مگر فی الحال اس کو انجام دینا دشوار ہے۔ لہٰذا ہم چند خطوط زیب صفحات کر رہے ہیں جو اگرچہ تحریر کے وقت اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ مگر واقعات اور مقتضیات زمانہ نے ان کو خاص اہمیت دیدی ہے۔ (محمد میاں)

کی مشین گنوں کے سامنے سینہ تان کر مرگ شہادت کو لبیک کہا تھا۔ ہزاروں افغان نوجوان قید خانوں کی سلاخوں کے پیچھے مصیبت کی زندگی گذار رہے تھے۔ پورے ہندوستان میں لاکھوں ہندو اور مسلمان جیل خانہ کی اذیتوں اور تکلیفوں پر اپنا راحت و آرام قربان کر چکے تھے۔ ان کے مال تباہ کئے جا رہے تھے اور جائدادیں ضبط کی جا رہی تھیں۔ بدقسمتی سے خانقاہ تھانہ بھون کے بزرگ اپنی سابق تاریخ کی بموجب اس دور میں بھی کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند کے خلاف فتاوے صادر فرما رہے تھے۔

ان پیچیدہ حالات میں ایک آزاد خیال نوجوان کے لئے زبان اور قلم کو روکنا بہت دشوار تھا۔ ایک طرف اپنی دیانت اور خودداری کا نقشہ سامنے تھا۔ اور دوسری جانب طرح طرح کے بے بنیاد اور غلط الزامات اور ایسے فتاوے تھے جن میں واقعات پر پردہ ڈالکر فرضی سوالات کو بنیاد بنایا جاتا تھا اور اس خانقاہ سے اغراض حکومت کے مطابق جوابات حاصل کر کے لاکھوں کی تعداد میں ان کی اشاعت ملک کے گوشہ گوشہ میں کی جاتی تھی۔ اور اس طرح حریت پسند علمار کے جہاد کو ناکام بنایا جاتا تھا۔

چنانچہ چند مرتبہ بحث و مذاکرہ کے وقت سخت کلمات کاتب حروف کی زبان سے نکلے۔ اور پھر خانقاہ تھانہ بھون کے حضرات بالخصوص حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب کے زہد۔ تقوی۔ تفقہ اور علمی تبحر نے ندامت پر مجبور کر کے مجھے ایک عجیب دماغی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی پرہیزگاری اور ان کی علمی خدمات احترام پر

مجبور کرتی تھیں۔ اور جب غلط سوالات اور ان کے غیر محققانہ جوابات سامنے آتے تھے تو نفرت و حقارت کے جذبات امنڈتے تھے اور کف لسان کے آسان عمل کو بھی زہرہ گداز بنا دیتے تھے۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
دگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

مغز استخواں کو سوز سے بچانے کے لئے جو کلمات سرزد ہوتے تھے میں نے ان کے متعلق حضرت مدظلہ العالی سے استفسار کیا۔

اس عریضہ کا جواب اس درجہ حیرت انگیز اور عجیب و غریب تھا کہ میں نے اس کو حرز جان بنانا اپنے لئے سعادت سمجھا۔ اس وقت اس کو بجنسہ نقل کر کے ارباب ذوق کی خدمت میں گرانقدر ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔

ارشاد ہوا۔

محترم المقام۔ زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔ اسی کے ماتحت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(معرفت خدا تعالیٰ برآں کس حرام ست کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند کیف از کابر دین)

اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہئے۔

ع فَاِنَّكَ تعرف كيف الخصم والحكم

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ

پس جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے افعال واقوال مسائل خاصہ کے سوار مرضی (پسندیدہ) ہیں ان کے ساتھ بداعتقادی وغیرہ بچنا ہے۔ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ ہمارے لئے مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین درس عبرت ہیں۔ ممکن ہے کہ ان حضرات ہی کی آراء صحیح ہوں۔ اگرچہ غلبہ ظن یہی ہے کہ ہمارے آراء اور اعمال بالکل حق بجانب ہوں۔ لہٰذا نہ زبان درازی چاہیے نہ بداعتقادی۔ بلکہ ان کے اور اپنے لئے دعا کرنی چاہیے

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

ذکر سے غافل نہ ہوجیے۔ وقت کو غنیمت جانئے گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ آج کچھ کر لیجیے۔ کل کو کرنا ناممکن ہوگا۔ جفاکش بنئے۔ آرام و راحت کو آخرت کے لئے چھوڑیئے۔

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

من نگردم شما حذر بکنید — واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیجیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

یہ وہی بطل حریت۔ اور کوہ استقلال ہے جو برطانوی قہرمانوں کے سامنے ہر موقع پر بلند آہنگی اور بے باکی کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے۔ لیکن جب خود پسندی اور خود نمائی کا وہم پیدا ہوتا ہے تو تواضع و انکسار کی یہ حالت ہے کہ کافر فرنگ کو بھی اپنے سے بہتر سمجھنے لگتا ہے۔ مالٹا اور مقدمہ کراچی وغیرہ کی تقریریں مطالعہ کرنے کے بعد جب اس مکتوب گرامی کو پڑھا جاتا ہے تو یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

مارچ ۱۹۴۶ء میں رفاقت سفر کی سعادت نصیب ہوئی۔ پنجاب میل تیزی سے چل رہا تھا اور حضرت ایک طویل مکتوب کے تحریر کرنے میں مشغول تھے۔ جب مکتوب پورا ہو گیا تو احقر نے اس کو نقل کر لیا۔

یہ مکتوب جناب مولانا احمد حسین صاحب لاہرپوری کے نام ہے۔ القاب کے بعد حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

ہماری قدیم رشتہ داری سادات یا شیوخ سے چلی آئی ہے اور شیوخ بھی وہ رشتہ دار رہے ہیں جن کا سلسلہ نسب اعلیٰ رہا ہے۔ پرانے کاغذات میں میں نے لفظ سید ضرور لکھا دیکھا ہے والد صاحب مرحوم کے جوابات بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ پرانے لوگوں سے بھی سید ہونا میں نے سن لیا تھا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی والد صاحب مرحوم کو جبکہ وہ بانگرمئو میں ہیڈ ماسٹر تھے اور مولانا سے بیعت ہو چکے تھے۔

ایک مجلس میں فرمایا تھا۔ کہ میاں یہ تو بڑے خاندانی ہیں اور پیرزادے ہیں ان کے جد امجد شاہ نور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات میرے پاس آئے تھے۔ اور مجھ سے درخواست کی کہ حبیب اللہ میری اولاد ہے۔ ان کی طرف خصوصی توجہ کرو اس کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے۔ اور پیرزادے وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بادشاہان دہلی کیطرف سے تقریباً چوبیس گاؤں ہمارے اسلاف کو ملے تھے۔ یا دن گاؤں کی تقسیم تین خاندانوں پر ہوئی تھی۔ جن میں سے یہ مقدار ہمارے اسلاف کو ملی تھی۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یہ گاؤں خانقاہ کے مصارف کے لئے دیئے گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ان میں سے ۲۳ یا ۲۴ گاؤں ہمارے اسلاف کے پاس باقی تھے مگر راجہ بھٹی نے لوٹا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ متعدد وجوہ کی بنا پر ان کا واپس لینا ممکن نہ ہوا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ رجبہر قوم کا یہاں قلعہ تھا۔ اور وہ مسلمانوں کو تنگ کیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ نور الحق صاحب رح نے کرامات سے راجہ کو زیر کیا اور وہ قلعہ چھوڑ کر مع اپنے اراکین دولت بھاگ گیا۔ اس کے قلعہ پر حضرت شاہ نور الحق صاحب مرحوم قابض ہو گئے۔ اسی قلعہ کے نشانات اب بھی ہیں اسی قلعہ میں ان کا مزار ہے۔ اور ہمارے مردے اسی میں دفن ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ نور الحق صاحب رح۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان میں شجرۂ طریقت میں غالباً تین یا چار واسطے پڑتے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ طریقت حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے نہیں ہے۔ اس سلسلۂ طریقت کی نقل میرے پاس موجود ہے جس کو میں نے پرانے کاغذات سے نقل کیا ہے

یہ بھی سننے میں برابر آیا ہے کہ ہمیشہ اس خاندان میں اہل اللہ اور ارباب کرامت موجود رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے شیعوں کے دور حکومت میں اودھ میں تشیع سے یہ خاندان محفوظ رہا۔ آصف الدولہ نے زور ڈالا مگر اس وقت کے موجودہ بزرگوں کی کرامت نے اس کو مجبور کیا۔ والد صاحب مرحوم سے میں نے بارہا سنا ہے کہ آخر میں دو تین پشتیں ایسی گذری تھیں کہ جن میں دنیا داری غالب اور علم و معرفت سے محرومی پیش آئی تھی۔ سلسلۂ طریقت صرف اسمی باقی رہ گیا تھا۔ پیری مریدی بھی کرتے تھے۔ مگر اندرونی کمالات سے خالی تھے۔ اسی بنا پر والد صاحب مرحوم حضرت مولانا گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے اور ہم ناکاروں کو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ نانی صاحبہ مرحومہ صاحب نسبت اور صاحب کشف تھیں انھوں نے والد صاحب کو مجبور کیا کہ جب تک تم کسی کامل سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے نہ کر لو۔ مرید کرنا تمہارے لیئے آخرت میں وبال ہوگا۔ تم اس راہ سے ناواقف ہو تمہارے لیئے یہ سلسلہ جاری کرنا ناجائز ہے۔ کراچی جیل میں ہم نے "جھڑتی"[1] کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ اور نیکل[2] پر بھی اعتراض کیا تھا۔ مگر نیچو نیکل ہمکو بآسانی مل گئے تھے۔ البتہ جھڑتی کی مخالفت کرنے پر ہمکو سزائیں دی گئیں

[1] اخلاقی قیدیوں کے ساتھ یہ طریقہ اب بھی باقی ہے کہ جب اپنی مشقت سے فارغ ہو کر اپنے کپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہیں تو ان کے کپڑوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کبھی ان کو برہنہ بھی کر دیا جاتا ہے [2] یعنی نیکر جو جیلخانہ میں پہنایا جاتا ہے اور گھٹنوں سے اوپر ہوتا ہے

تھیں۔ میں اکیلا اس پروٹسٹ میں نہ تھا۔ بلکہ تین ہندو۔ مسٹر جے رام دولت رام۔ سوامی کرشنا نند وغیرہ بھی تھے۔

ہمکو اولاً سزا میں رات کو ہتکڑیاں لگائی گئی تھیں۔ پھر جب ہم نے نہیں مانا تو بجائے کھانے کے کانجی (نمکین حریرہ جوار کے آٹے کا) دیا جاتا تھا۔ پھر ہم نے جب نہ مانا تو بیروں میں زنجیر دار بیڑیاں ایک مہینہ کے لئے دی گئی تھیں۔ یہ مدت ختم نہ ہونے پائی تھی کہ خبر باہر نکل گئی۔ اور گاندھی جی کے ینگ انڈیا میں مضامین نکلے۔ تو ہم سے سزائیں اٹھالی گئیں اور صورتاً اہل جیل بدن کو ہاتھ لگا کر چلے جاتے تھے۔ حقیقی جھڑتی ہم سے نہیں لی جاتی تھی۔ الٹے لٹکانے کی کبھی نوبت نہیں آئی یہ بالکل غلط ہے۔ اور یہ سزا جیل مینول[1] میں ہے بھی نہیں۔ ہاں یہ سزا ہے کہ ہتکڑی لگا کر اونچی چیز سے ہتھکڑی باندھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے قیدی بیٹھ نہیں سکتا۔ تمام دن کھڑا رہتا ہے۔ مگر بحمداللہ اس کی نوبت ہی نہیں آئی کہ مضامین شائع ہوئے اور سختیاں اٹھالی گئیں۔

اذان کا واقعہ عرصہ کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس میں ہم نے ہنگر اسٹرائیک کیا تھا۔ تین ہندو اور آٹھ مسلمان اس میں شریک تھے۔ اس میں ہمکو فقط کوٹھریوں میں بند کیا گیا تھا۔ چھ دن کے بعد فیصلہ ہوگیا تھا۔ اور بیت آواز سے اذان کی اجازت مل گئی تھی۔ مالٹہ میں کوڑے کا واقعہ بالکل غلط ہے کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا گیا۔

۳ صفر از پنجاب میل قریب ہردوئی۔ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۴۱ء

---

[1] جیل کے دستور العمل اور قواعد و ضوابط کو جیل مینول کہتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام اگرچہ طبیعت کے شاہ اور بہت زیادہ فیاض ہیں دسترخوان کی وسعت کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے جس سے فیاضی کا اندازہ ہوتا ہے مگر ملی اور قومی مفاد کے لئے مراسم قبیحہ کے انسداد اور تقریبات میں کفایت شعاری کو وظیفہ حیات اور زندگی کا اہم پروگرام بنا رکھا ہے۔

آپ کی تمام ملاطفت اس سلسلہ میں درشتی سے بدل جاتی ہے۔ خود بھی پابند ہیں اور اپنے متوسلین سے بھی سختی کے ساتھ پابندی کا مطالبہ کرتے ہیں

مولانا وحید الدین صاحب قاسمی۔ مدیر دفتر جمعیۃ علماء ہند۔ جب عقد کا ارادہ کر رہے تھے تو حضرت محترم نے نینی جیل سے ان کو تحریر فرمایا۔

میرے محترم۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ شادیوں میں زیور۔ جوڑے۔ جہیز۔ بارات۔ ولیمہ۔ بری وغیرہ کے جملہ مصاریف باہضمہ کا میں سخت مخالف ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں میں عموماً نوجوان لڑکے اور لڑکیاں انہیں مصاریف کی وجہ سے نا کتخدا ہیں اور طرح طرح کی اخلاقی اور جسمانی دینی اور دنیاوی خرابیوں میں ہمارے نوجوان مرد و عورت مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ پیدائش بھی کم ہو رہی ہے اور بدکاریاں بڑھتی جاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے علماء کرام اور عوام کی اصلاح کے ذمہ دار حضرات انتہائی بے حسی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات دنیاداروں سے بھی زیادہ ان مزخرفات اور اسرافات میں انہماک کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے سوسائٹی کی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ اسی بنا پر میں . . . .

. . . .

صاحب مرحوم دلبر اور بزرگ ڈاکٹر انصاری صاحب مرحوم) کے یہاں شریک نہیں ہوا۔ اور وہ ناراض ہو گئے۔

اسی وجہ سے میں دیوبند کے عام نکاحوں اور ولیمہ کی دعوتوں میں شریک نہیں ہوتا ہوں۔ اور میں نے التزام کر رکھا ہے کہ اگر مجھکو کہیں نکاح پڑھنے کو کہا جاتا ہے تو اگر مہر فاطمی سے زیادہ ہوتا ہے تو میں نکاح نہیں پڑھتا اور اگر کوئی امر خلاف شرع دیکھتا ہوں تو شریک بھی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے علماء دیوبند سے بھی جھگڑنے کی نوبتیں آئیں۔

میں چاہتا ہوں کہ جس طرح حضرت نانوتوی (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند) قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادگی کے ساتھ بلا مزخرفات و اجتماعات۔ اپنی اولاد کی شادیاں کیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں شادیاں ہوا کریں۔

افسوس! میں اس میں عوام میں کامیاب ہوا مگر اہل علم میں کامیاب نہیں ہوتا۔

باوجودیکہ آپ کے پاس ایک معتدبہ رقم موجود ہے۔ مگر پھر بھی آپ چار پانچ سو زیادہ خرچ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ میں تو ... دو سو روپیہ کے خرچ کرنے کا بھی حامی نہیں۔ اگر وہ محفوظ رہیں اور زوجین کے ضروری مصارف میں عقد کے بعد کام آئیں تو ازبس مفید اور کارآمد ہوں۔ نہ یہ کہ ان کو بھی خرچ کر دیا جائے۔ اور دوسروں کے قرض اور احسانات سر پر رکھے جائیں جن کی بنا پر آئندہ زندگی تلخ ہو۔ ۵ر صفر ۱۳۶۳ھ

جناب محترم اسداللہ خاں صاحب رئیس بگراسی کو اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

شادی میں آپ کا دہلی۔ مراد آباد۔ رڑکی اور دیوبند سے لوگوں کو بلانا کیا یہ اسراف نہیں ہے۔ ان لوگوں کے آنے کا خرچہ۔ جانے کا خرچہ۔ متعدد مہمر و فیتیں کیا یہ چیزیں دقّت طلب نہیں ہیں۔ اگرچہ بعض ایسی ہی تقریبوں میں مجھ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ بہادر گڈھ حاضری کی نوبت آئی تھی۔ مگر میرے محترم یہ تزک اور احتشام ملک میں مسلمانوں کی موجودہ حیثیت اور حالت کے لحاظ سے بالکل ناجائز بن گئے ہیں۔ یہ وجہ نہیں کہ امور غیر مشروعہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔ محتاط حضرات ایسے امور سے تو بچتے ہی ہیں ایک خاص وجہ یہ ہے کہ برادری کے لوگوں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے اور وہ اپنی تقریبات میں قرض اور سودی قرض لینے اور بسا اوقات زمین فروخت کرنے یا رہن رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی جائیدادیں عموماً ان تقریبات اور مقدمہ بازیوں کی وجہ سے مہاجنوں کے قبضہ میں گئی ہیں۔

کاش اہل استطاعت سادگی اختیار کرتے تو برادری کے غریب ان مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوتے۔

(۳ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)

مراد آباد جیل

ایک مکتوب میں اسد اللہ خاں صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

آپ نے جس ہمدردی اور جن عنایات کا مظاہرہ فرمایا ہے میں ان کے شکریہ سے قاصر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکو دونوں جہان میں، فائز المرام فرمائے اور اپنی خوشنودیوں سے نوازے آمین۔ میں بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہوں اور بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں۔ اور افضال خداوندی سے امیدوار ہوں کہ نتائج بہترین پیدا ہوں۔

ملاقات اور اخبار اور ڈاک جب سے کہ نئے لوگ گرفتار ہو رہے ہیں بند ہے۔ میں تنہائی میں جسقدر بھی مل جائے جسقدر مطمئن اور خوش و خرم رہتا ہوں۔ اجتماع میں نہیں رہتا۔

دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

جو فراغت یہاں ملی ہوئی ہے باہر کب نصیب ہوتی تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے اور راضی رہتا ہوا جس حالت میں رکھے اس پر شاکر رہنا فریضۂ عبودیت ہے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے آمین۔ آپ حضرات سے مستدعی ہوں کہ استقامت اور اسلاف کرام (قدس اللہ اسرارہم) کے قدم بقدم چلنے کی دعا فرماتے رہیں گے۔ آپ میری طرف سے

سلہ یعنی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، حافظ محمد ابراہیم صاحب، قاری عبد اللہ صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ۔ جو ۹ اگست سنہ ۴۲ء کی تحریک میں گرفتار ہوئے تھے۔ یہ پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ حضرت مدظلہٗ العالی اس سے پہلے گرفتار ہو چکے تھے ۱۲ محمد میاں

کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ آپ کا بار بار تکلیف کرکے آنا اور اپنے کاروبار میں حرج ڈالنا میری طبیعت پر بہت زیادہ بار ہوتا ہے۔ میں ایک نہایت معمولی اور گنہگار بندہ ہوں جو کہ اسلاف کے لئے ننگ و عار ہی رہا ہے۔ اس کے لئے اسقدر تکلیف اٹھانی بہت بیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے

۲۵ شعبان ۱۳۶۱ھ

مراد آباد جیل

جب نینی جیل میں حکام جیل کی طرف سے گستاخانہ سلوک کیا گیا۔ تو مولانا وحیدالدین صاحب قاسمی کو ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔

عشق میں اُنکے کو غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو

عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

آپ کے اور غلام محمد صاحب کے خط کو پڑھکر بہت افسوس ہوا۔ آپ اس واقعہ کو سنکر روئے۔ تعجب ہوا۔ میرے محترم یہ نانے جی کا گھر نہیں۔ یہ سجن ہے اور ایک ایسی قوم کا جو سات ہزار میل سے یہاں آئی ہے۔ جس سے نہ مذہبی اتحاد ہے۔ نہ لسانی۔ نہ نسلی۔ نہ معاشرتی۔ نہ قومی۔ نہ وطنی۔ کسی قسم کا اتحاد نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قوم کو ہم سے کسی قسم کی کوئی ہمدردی کس طرح ہو سکتی ہے۔ وہ کس ہندوستانی کی عزت و رفعت کس طرح پہچان سکتی ہے۔ صرف انسانیت کا اتحاد ہے۔ مگر آج یوروپین قومیں آپس میں کون سی انسانیت عمل میں لا رہی ہیں۔ جرمن کو روس سے اور روس کو جرمن سے کس قسم کی ترکتاریت ہے؟ ہم ایشیائی اور ہندوستانی تو ان کی نظر میں نیم وحشی ہیں

جو کچھ مراعات وہ کردیتے ہیں صرف اپنی مصلحتوں کی خاطر پھر ایسی قوم سے کوئی امید ایسی ہی ہے جیسے آگ سے پیاس بجھانے کی اور پانی سے جلا دینے کی بہر حال ہمارا اسی میدان میں اترنا اس نصب العین کی بنا پر ہے جو ہمکو سید المرسلین علیہ السلام اور قرآن شریف نے بتایا ہے۔ اور ہر قسم کی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم۔ الآیۃ۔ افضل الجہاد کلمۃ حق۔ الحدیث

جبکہ کوئی ایسے عزائم لیکر کھڑا ہوگا تو کیا طاغوتی قوتیں۔ اس کی طاقت۔ عزت راحت وغیرہ کو صحیح وسالم چھوڑیں گی۔ انبیاء علیہم السلام نہیں چھوٹے۔ ہم اور ہمارے جیسے لاکھوں کروڑوں عوام الناس تو در کنار۔

جو کچھ آپ تک خبریں پہونچی یا جو کچھ مولانا شاہد صاحب (فاخری) نے بنارس میں بیان کیا اس تمام مجموعہ کو ایک پلڑے میں رکھئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکو انتہائی تکالیف اور مشقتیں اٹھانی پڑی ہیں۔ حتیٰ کہ ارشاد ہے۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذ نبیٌ۔ الحدیث) کو دوسرے پلڑے میں رکھئے پھر دیکھئے کونسا پلڑا بھاری رہتا ہے۔

ہم کو آپ وارث انبیاء (علیہم السلام) مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس وراثت میں سے کچھ نہ ملے۔ ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔

بہر حال خود جیل کیا کم بے عزتی اور بے راحتی ہے۔ وہاں پر انسان بے دست و پا ہو ہی جاتا ہے۔ حکام جیل کے مراحم پر اس کی بسر ہوتی ہے۔ وہ اگر مار بھی ڈالیں تو کس کو خبر ہو سکتی ہے۔ ہاتھ پیر توڑ ڈالنا۔ مار پیٹ اور بے

عزتی تو ادنیٰ چیزیں ہیں جب اس راستہ میں چلے تو سب چیزوں کو بھول سمجھنا چاہئے۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈرنا

بھورا بیٹھے پھول پر کلی کلی رس لے
کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

اسد اللہ خاں صاحب کے ایک دوست کے متعلق ازدواجی تعلقات کی خوشگواری کی ہدایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مولوی ...... صاحب کا ...... مستقل طور پر ملازم ہوجانا باعث طمانینت ہے۔ بالخصوص۔ اہلیہ کے ساتھ صلح کرلینا۔ ان کے خسر صاحب کا راضی ہوجانا۔ اور پھر اہلیہ کا ان کے ساتھ روانہ ہوجانا۔ یہ امور بہت زیادہ باعث طمانینت اور خوش وقتی ہوئے۔ آپ ان کو مبارک باد لکھ کر میری طرف سے پرزور تاکید لکھ دیجئے کہ اہلیہ محترمہ کی دلداری اور حسن معاشرت میں کوتاہی ہرگز نہ کریں سخت کلامی اور سخت گیری سے بچیں۔ نماز پنجگانہ باجماعت کے ساتھ ذکر کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ذکر کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیں۔ جبکہ گھٹاسن کی آبادی چار ہزار یا اس کے قریب نفوس پر مشتمل ہے تو جمعہ پڑھنے کے لئے کیوں پالن پور جاتے ہیں۔ وہیں کیوں نہیں پڑھتے۔ تین ہزار یا اس کے قریب کی آبادی یقیناً شہر کے حکم میں ہے۔ خصوصاً جبکہ مکانات کی پختگی اور اہل حرفہ کی موجودگی کی وجہ سے اس نے شہر کی صورت بھی اختیار کرلی ہے اپنے افسران کو راضی رکھیں۔ اور عام لوگوں سے خوش اخلاقی اور ہمدردانہ طریقہ پر ملیں۔ مسائل مختلف فیہا کی وجہ سے لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہونے دیں۔

۳ر ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

خانصاحب موصوف کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

جو چیزیں اور مصاریف میری طلب پر ہوں ان کا لینا یقیناً ضروری ہے اس میں شک نہیں کہ آپ نے نہایت اخلاص اور ہمدردی سے یہ احسان فرمایا ہے۔ مگر قاعدہ یہی ہے کہ طلب پر جو خرچ ہو اس کو ضرور وصول کیا جائے۔ ۱۳ ربیع الثانی ۶۳ھ (نینی جیل)

مولانا وحیدالدین صاحب قاسمی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں

جناب حاجی صاحب کا مرسلہ شربت روح افزا اور چٹنی کی شیشی موصول ہوئی۔ مگر وہ تو چٹنی نہ تھی بلکہ جیلی تھی۔ اب حاجی صاحب موصوف کو اس کی متعلق متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جیلی میں "جلیٹن" کا ڈالنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر اس میں انجماد نہیں پیدا ہوتا۔ جلیٹن۔ جانوروں کے پاؤں ہڈیوں اور رگوں سے نکالا جاتا ہے۔ جس طرح سریش اور گلیسرن نکالی جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ سریش میں کھال اور بال اور ہڈیاں۔ مردار اور مذبوح جانوروں وغیرہ لی ہوتی ہیں۔ اور گندہ اجزاء بھی ہوتے ہیں۔ اور جلیٹن میں صاف چیزیں ہوتی ہیں۔ اور عموماً ساق۔ قدم۔ اور رگیں ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ یورپ میں تمام جانور اسلامی ذبیحہ نہیں ہیں بلکہ شرعی حیثیت سے سب کے سب حرام ہی ہیں۔ اس لئے ان سے نکلا ہوا مادہ کتنا ہی صاف کیوں نہ ہو نجس اور میتہ ہے۔ بالخصوص کھانے کی چیزوں میں۔ لہذا جیلی کے کھانے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے۔ گلیسرن صابن میں استعمال ہوتا ہے۔ سریش جوڑنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں کسی طرح اجازت ہو بھی سکتی ہے

مگر یہاں تو کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

حاجی صاحب خود بھی۔ اور آپ حضرات اس کی تحقیق کریں۔ اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو ضرور اس سے پرہیز کیا جائے۔ ہاں مسلمانوں کے ذبیحہ سے اگر جلیٹن بنایا جائے تو البتہ اس کی اجازت ہوگی۔

ذکر سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو فراموش نہ فرماویں۔ کوشش کریں کہ کم از کم دس بے نمازی آپ کی کوشش سے نماز اور جماعت کے پابند ہو جائیں۔ اپنے احباب سے بھی اس اسکیم کو چلانے کی جدو جہد کریں۔ والسلام

دعا گو چراغ محمد[1] ۲۷ رجب سنہ ۶۳ھ

دوسرے خط میں حاجی صاحب نے اطمینان دلایا کہ وہ جیلی خود ان کے کارخانہ کی ہے اور اس میں ناپاک چیزوں اور غیر مذبوحہ کے جلیٹن سے احتیاط برتی گئی ہے۔

تقریر کی مشق کے سلسلہ میں مولانا وحید الدین صاحب کو تحریر فرمایا۔

تقریر کے متعلق آپ کی جد و جہد بہت مناسب ہے۔ زبان کھلنے کے لئے میں دعا کرتا ہوں۔ آپ عالی ہمتی کے ساتھ شروع کر دیجئے۔ اور چھوٹے مجمعوں میں خود بخود کھڑے ہو جایا کیجئے۔ تقریر سے پہلے سات یا پانچ یا تین دفعہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم اور رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کیجئے

[1] یہ حضرت کا تاریخی نام ہے۔

انشاءاللہ اعانت خداوندی شامل حال ہوگی۔

نیز خالی کمرہ بند کرکے یہ تصور کرتے ہوئے کہ مجمع حاضر ہے تقریر کرنے کی مشق کچھ دنوں کیجئے۔ نواب مہدی علی خاں مرحوم نے اسی طرح مشق کی تھی اور اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے شمار کئے جانے لگے تھے۔ کسی سے اثناء تقریر میں مرعوب نہ ہوا کیجئے۔ خواہ کتنا ہی بڑا ہو۔ البتہ مضامین کو غور سے مطالعہ کیا کیجئے۔ اور جس مضمون پر تقریر کرنی ہو۔ اگر ممکن ہو تو اولاً تنہائی میں اس پر دو تین مرتبہ یا کم از کم ایک دفعہ تقریر کر لیا کیجئے۔ جو چل آج تک ایسا ہی کرتا ہے۔ زبان جہاں تک ہو عام فہم اختیار کیجئے۔ جو لوگ الفاظ کی چمک دمک کی طرف جاتے ہیں میرے خیال میں غلطی میں مبتلا ہیں۔ ہاں نیت کی درستی ضروری ہے جو کہ واقعہ میں مشکل کام ہے۔ اپنی شہرت تقریر لوگوں کی واہ واہ۔ ریاء وسمعہ وغیرہ مقصود نہ ہونی چاہئے۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت۔ فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی۔ اور رضاء باری عزاسمہٗ مقصود ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاءاللہ اعانت ہوگی۔

نیز ایک ضروری امر یہ ہے کہ نوجوانوں کی جماعت تیار ہونی چاہئے جو کہ تقریر وتحریر کی مشق کریں۔ اور ضروری مقامات پر مذہبی اور سیاسی تقریریں کر سکیں۔ مواد کو جمع کریں۔ مباحث اور تاریخیں ایک ہفتہ پہلے متعین ہو جایا کریں۔ اور ضروری مطالعہ کرکے وقت معین پر تقریریں کر دیا کریں۔ اثناء تقریر میں صاحب تقریر اور سامعین تہذیب ومتانت کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اسی طرح مختلف عنوانات پر مضامین لکھیں اور علمی رسائل واخبارات میں شائع کرائے

رہیں۔ آہستہ آہستہ اچھی خاصی قدرت حاصل ہو جائے گی۔ مضامین کی اصلاح کے لئے حضرت مفتی صاحب اور اعلیٰ حضرت وغیرہ موجود ہیں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو خود آپس میں مل کر اصلاح کر لیا کریں۔

ڈرنا اور مرعوب ہو کر پیش قدمی سے جھجکنا سخت غلطی ہے

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

چراغ محمد ۱۲؍جمادی الثانیہ ۶۳ھ

مکتوب تعزیت بنام مولانا وحید الدین صاحب قاسمی

امان توض بقضاء اللہ والا نفتر و حاربہ

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ للہ ما اخذ و اعطی۔ فلتصبر و لتحتسب

محترم المقام۔ زید عنایتکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، مزاج شریف

والا نامجات سے درد انگیز واقعات یعنی خوشدامن صاحبہ مرحومہ اور صاحبزادہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ صدمہ ہونا فطری امر ہے۔ مرحومہ کی مغفرت کے لئے ختم بخاری شریف۔ اور دیگر اوقات میں دعا کی گئی۔ اپکی اہلیہ محترمہ کا بچہ کی جدائیگی میں اور اسی طرح آپ کا اسقدر رنجیدہ ہونا تعجب خیز امر ہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کا یہ صدمہ اور قلق سراسر نادانی ہے۔

(الف) آپ کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث یاد ہو گی کہ حضرت ام سلیم

اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہما کے ایک بچہ تھا۔ ماں باپ کو اس سے دلبستگی اور انتہائی محبت تھی۔ وہ بیمار ہوا۔ ماں باپ نے علاج معالجہ میں پوری کوشش صرف کردی۔ ایک دن جبکہ بچہ کے باپ شام کو کسی کام کے لئے گئے تھے بچہ کا انتقال ہو گیا۔ ماں (ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بچہ کو نہلایا۔ کفنایا۔ اور گھر میں ایک طرف لٹا دیا۔ پھر خود نہائیں۔ کپڑے بدلے خوشبو لگائی۔ اور خاوند کے لئے کھانا تیار کیا۔ رات کو خاوند گھر میں آئے۔ بچہ کو دریافت کیا ماں نے جواب دیا۔ آج وہ سب دنوں سے زیادہ سکون میں ہے۔ باپ کو اطمینان ہوا۔ کھانا کھایا۔ اور ہنسی خوشی رات گذاری۔ صبح کے وقت جب نہا دھو کر نماز کو جانے لگے تو بیوی (ام سلیم) رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک بات سنتے جاؤ ایک پڑوسی کی کچھ امانت میرے پاس ہے۔ وہ اپنی امانت مجھ سے واپس لینا چاہتا ہے۔ مگر مجھے اس امانت سے محبت ہو گئی ہے۔ میرا دل واپس کرنے سے کڑھتا ہے۔ اور مجھے صدمہ ہوتا ہے۔ میں کیا کروں۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے زوردار الفاظ میں نصیحت کی کہ امانت کو جلد واپس کردو۔ ہرگز ہرگز پس و پیش نہ کرو۔ غیر کے مال سے دل لگا کر واپسی میں تامل کرنا سخت گناہ ہے۔ بیوی نے یہ سنکر کہا کہ وہ بچہ جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لیا۔ میں نے نہلا کر کفنا دیا ہے۔ آپ نماز پڑھ کر جلد واپس آئیے۔ اور بچہ کو نماز جنازہ کے بعد دفنا دیجئے۔ اس کو سنتے ہی باپ کے دل و دماغ پر بجلی سی گر گئی۔ بہت زیادہ صدمہ اور قلق ہوا مگر جواب کیا دیسکتے تھے۔ خود ایک اصول تسلیم کر چکے تھے۔ مسجد شریف میں

گئے اور نماز کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ ذکر کرتے ہوئے بیوی کی شکایت کی۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اور ماں کی سمجھداری اور صبر وسکون پر آفرین فرمائی اور دونوں کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ پھر ان کے بچہ پیدا ہوا۔ اور بہت زیادہ برکتیں ظہور پذیر ہوئیں۔

میرے محترم ایک وہ ماں ہیں جنھوں نے اس حقیقت کو سمجھا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چندروزہ نعمت ہے۔ ما بکم من نعمۃٍ فمن اللہ[1]۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان للہ ما اخذ واعطی (خدا ہی کا ہے جو کچھ اس نے واپس لیا اور جو کچھ اس نے دیا)

لہذا امانت رکھنے والا جب اپنی امانت واپس لیتا ہے تو خوش ہونا چاہئے نہ کہ رنجیدہ۔ رنجیدگی تو سراسر خیانت ہے۔

(ب) اگر کوئی نعمت بالکل چھین لی جائے تو رنج والم کی وجہ سمجھ میں بھی آتی ہے۔ اور اگر اس نعمت کو پہلے سے زیادہ مفید اور کارآمد بنا دیا جائے تو نہایت خوشی کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ اور شکرگذاری ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی ہم سے تانبے کے پیسے چھین کر چاندی کے روپیے یا سونے کی اشرفیاں بنا دے تو رنج کرنے والا انتہائی بے وقوف اور دیوانہ سمجھا جائے گا۔ یہی حال یہاں بھی ہے۔

معصوم بچوں کی وفات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے خدا کی طرف سے ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ ماں باپ کے لئے دوزخ سے حجاب اور دیوار ہوجائیں گے
خیال فرمائیے۔ مضمون نہایت صحیح اور قوی حدیث کا ہے۔ بچوں سے محبت اور
اولاد کی نگہداشت ان بنیادی منافع کی بنا پر ہوتی ہے۔ جو اولاد سے دنیاوی
زندگی میں حاصل ہوتے ہیں۔ مگر آخرت کا یہ نفع جو جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ذکر فرمارہے ہیں۔ اس قدر عظیم الشان نفع ہے کہ اس کے سامنے دنیا
کے تمام منافع بالکل ہیچ اور لاشے محض ہیں۔ آپ دونوں میاں بیوی کو دانشمندی
سے کام لینا چاہیے اور صابرانہ۔ بلکہ شاکرانہ زندگی گذارنی چاہیے۔ تاکہ مزید
نعمتوں کے حصول کی صورتیں پیدا ہوں۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔

(ج) موجودہ مصیبت یقیناً دلخراش ہے۔ مگر اللہ کے قبضہ میں ہزاروں لاکھوں
ایسی مصیبتیں ہیں جو اس مصیبت سے بہت سخت اور بدرجہا تکلیف دہ۔ مگر
اللہ تعالیٰ نے ان مصیبتوں سے ہمکو محفوظ رکھا۔ اور اس مصیبت میں مبتلا
کیا۔ یہ بھی اس کا عظیم الشان احسان ہے۔ جس کا شکریہ آپ پر بھی لازم ہے اور
آپ کی اہلیہ محترمہ پر بھی۔

(د) احوال دنیا پر نظر ڈالئے۔ دنیا اور ما فیہا سب فانی ہیں۔ ان سے دل
لگانا ہی غلطی ہے۔

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ اسی پر متنبہ
کرنے کے لئے یہ حادثات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس لئے سمجھئے اور ماسوی اللہ کی

محبت دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ سے رابطہ، محبت قائم کیجئے۔ والسلام۔ ۶ر رمضان ۶۷ھ

جواب تعزیت نامہ برادر زادہ محترم حضرت مولانا وحید احمد صاحب مدنی کی وفات پر مولانا وحیدالدین صاحب قاسمی کے تعزیت نامہ کا جواب پہلے بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ اس موقع پر بھی درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عزیزم مولوی وحید مرحوم کی مفارقت دائمی میرے لئے معمولی تکلیف نہیں ہے۔ وہ میری ہی پرورش میں بچپن سے رہا تھا۔ اس کو اپنے والد مرحوم سے اتنا تعلق نہیں تھا جتنا مجھ سے تھا۔ وہ ننھے ننھے چار بچے چھوڑ کر اپنی اہلیہ کو بیوہ کر کے چلدیا۔ ذلك تقدير العزيز العليم۔

وبي ما بي ودا لكتب عني اقله ولكن قلبي يا ابنة القوم قلب

بہرحال آپ حضرات دعوات صالحہ سے امداد فرماتے رہیں۔

۱۱ر رمضان المبارک ۵۶ھ

از سلہٹ - نئی سڑک

ذیل کے مکاتیب ۱۹۴۴ء میں جبکہ حضرت نینی جیل میں نظر بند تھے۔ اپنے ایک خادم مظفر صاحب دیوبندی کے نام جو کسی دوسرے جیل میں نظر بند تھے تحریر فرمائے۔ یہ مکاتیب اہل ذوق کے لئے خاص طور پر مفید اور درس آموز ہیں اور ان سے یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ اسارت میں حضرت کے روحانی مشاغل کیا تھے اور کس طرح جاری رہے۔

لے مولانا وحید صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت کا مکتوب تعزیت نامہ کے جواب میں نہیں تھا مولانا وحید صاحب نے ؟

ایک خواب دیکھا تھا وہ خواب لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجا اس کے جواب میں حضرت کا یہ مکتوب تھا۔

اما ما ذکرتم من الذکر و مشاهدۃ القلب فمبارك زاد اللہ ھذہ المساعی ۔ والمشاھدات ۔ وینبغی ان لا تلتفتوا الی غیر المقصود و المحبوب الحقیقی ۔ واجتھدوا فی قطع الخطرات واحادیث النفس وادامۃ الذکر مھما امکن ولا تیئسوا من روح اللہ ۔

واما ما ذکرتم من الدعاء فمن امثالی العجزۃ ماذا یمکن غیر ھذا ولنعم ما قال حضرۃ السعدی رح

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع ست
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت ست
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت ست

فعلیك یا اخی بتوجیہ القلب الی الذات البحت مھما امکن فان ذکر اللسان تعلقٌ و ذکر القلب

ذکر اور قلبی مشاہدہ (جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے) مبارک صورت ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان مساعی اور مشاہدات میں زیادتی عطا فرمائے مناسب یہ ہے کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کے سوا ، دوسری طرف التفات نہ کرو اور اسکی پوری کوشش کرو کہ خطرات اور وساوس بالکل بند ہو جائیں ۔ اور جہاں تک ممکن ہو ذکر کے سلسلہ کو ہمیشہ جاری رکھو اور خداوند عالم کی رحمت سے ناامید مت ہو ۔

باقی رہی دعا تو ہم جیسے عاجزوں کے امکان میں دعا کے سوا اور رہ ہی کیا ۔

حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا ۔

دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرتے ہو عمر ضائع کرتے ہو
راز عشق کے سوا جو کچھ پڑھتے ہو بیکار ہے
اسے سعدی غیر خدا کے نقش سے لوح دل کو دھو ڈالو
جو علم ، حق کی راہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے

لہذا برادر من تم پر لازم ہے کہ خاص ذات حق جل مجدہ کی جانب جہاں تک ممکن ہو قلب کو متوجہ کرو کیونکہ زبان سے ذکر کرنا تعلق ہے قلب کا

وسوسة وذکر الروح هو الذکر
رزقنا الله وایاکم ایاه وما
ذلک علی الله بعزیز۔

اذا غامرت فی شرف مروم
فلا تقنع بما دون النجوم
فطعم الموت فی امر حقیر
کطعم الموت فی امر عظیم
واغتنم هذه الفرصة ولا تضیعها

ذکر وسوسہ ہے اور حقیقی ذکر روح کا ذکر
ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ذکر روح
عطا فرمادے۔ خدا کے لئے کچھ مشکل نہیں۔
جب کسی عظیم الشان مقصد کا ارادہ کرو
تو تاروں سے کم پر قناعت مت کرو
کیونکہ کسی حقیر کام میں موت کا مزہ
بڑے کام میں موت کے مزے جیسا ہے۔
اس فرصت کو غنیمت جانو اور اس کو ضائع مت کرو

١٩ ربیع الاول سنہ ٦٣ھ

٢٩ ربیع الثانی سنہ ٦٣ھ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

واما الذکر الروحی فذلک التوجہ
بالقلب الی الذات البحتة
التی متنزهة عن الکم والکیف
وسائر الاعراض۔ جیسا ورد
وهو معکم اینما کنتم وحسب
وفی انفسکم افلا تبصرون
وعلیکم بالجد فی الذکر و
سیکون للذکر الروحی مقام

ذکر روحی قلب کی توجہ کا نام ہے جو
حضرت حق جل مجدہ کی ذات خاص کی جانب ہو
جو کہ مقدار۔ کیفیت اور جملہ اعراض سے منزہ ہے
جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وهو معکم اینما کنتم
یعنی جہاں بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہے اور جیسا کہ
ارشاد ہوا۔ خود تمہارے اندر ہے کیا تم دیکھتے نہیں ضروری
ہے کہ پوری کوشش سے ذکر جاری رکھو۔
عنقریب ذکر روحی کا درجہ بھی حاصل

عن قریب۔ ہو جائے گا۔

(۳)

۱۳ ر رجب ۶۲ھ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

رسالہ امداد السلوک (ترجمہ رسالہ مکیہ۔ مصنفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ ترجمہ از حضرت گنگوہی قدس سرہٗ) مفید رسالہ ہے اس کو زیر مطالعہ رکھیں۔ اگرچہ اس وقت کتب تصوف کا مطالعہ کار آمد کم ہے۔ جد و جہد اور عملی کارروائی سلوک کے ابتدائی منازل میں اشد ضروری ہے۔ اوقات تدریس سے فارغ ہو کر اس میں جد و جہد جاری رکھیے۔

(۴)

۱۲ ر رجب ۶۳ھ کو تحریر فرمایا۔ غالباً اس عرضداشت کے پہونچنے کے وقت آپ بڑے گھر (جیل میں) براج رہے ہوں گے۔

توسیع[1] منظور نہ ہونے کا افسوس ہوا۔ فی سبیل اللہ[2] ما لقیت ذلک[3] بانھم لا یصیبھم ظمأ ولا نصب الآیۃ

---

[1] یعنی پیرول میں اضافہ [2] جو تکلیف تم اٹھا رہے ہو وہ راہ خدا میں ہے۔

[3] سورۂ توبہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ راہ خدا میں جو تکلیف، بھوک، پیاس کی جو پریشانی بھی لاحق ہو جو راہ بھی ایسی اختیار کی جائے جو دشمنان دین و ملت کے لئے غیظ و غضب اور دماغی تکلیف کا باعث ہو اس کے بدلہ میں عمل صالح کا ثواب ملتا ہے۔ الخ

(دیکھو رکوع ۱۵ سورۂ توبہ)

خوشدل، اور مطمئن الخاطر رہ کر ان ایام خلوت کو غنیمت سمجھئے۔ اور کچھ توشۂ معرفت و قربت حاصل کر لیجئے۔ اور اس چلہ کشی کو انعام خداوندی سمجھئے۔ افکار (خیالات) کو تمام جوانب سے پھیر کر ایک ہم[1] آخرت میں صرف کر دیجئے۔

جہاں اے برادر نماند بکس ٭ دل اندر جہاں آفریں بند و بس

صراط مستقیم (ملفوظات حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ اور امداد السلوک مترجمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور رسالہ مکیہ) کو زیر مطالعہ رکھئے۔

ذکر کو طبیعت ثانیہ اور فکر کو صلوٰۃ دائم بنا لیجئے۔ (والذین ہم علی صلوتہم دائمون)

من نہ کردم شما حذر بکنید۔

والد ماجد کی بیماری سے تشویش ہوئی اللہ تعالیٰ شفاء کامل عطا فرمائے۔ آمین۔

من[2] یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ۔ کی بنا پر شکر کا موقع ہے۔ مصائب دنیا آخرت کے مصائب کے سامنے ہیچ ہیں۔

یرید[3] اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا کی تفسیر ان مصائب اور آلام سے بھی کی گئی ہے۔ اس لئے درحقیقت خوشی اور اطمینان کا مقام ہے۔

---

[1] ہم آخرت، فکر آخرت یا مقصود آخرت

[2] خداوند عالم جس کی بہتری کا ارادہ کرتا ہے اس کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

[3] اسے اہل بیت (رسول) (علیہ و علی اہلہ و عیالہ و اصحابہ الصلوۃ والسلام) اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہارے رجس (باطنی کمزوری اور خرابی) کو دور کر دے اور تم کو پوری طرح پاک و صاف کر دے۔

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔
قلب کو ساکن و صابر بلکہ شاکر رکھکر خلاق الکائنات کی طرف متوجہ ہوجے۔
یوفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔
عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔
بہر حال یہ مصائب فی سبیل اللہ ہیں۔ جن پر عظیم الشان وعدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا مصداق کرے۔ اور اخلاص وللہیت ہمارے قول وعمل میں باکمل الوجوہ عطاء فرمائے۔ آمین۔

(۵)

۱۳ شعبان ۶۳ھ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔
آپ کا اپنے مستقر پر پہونچنا معلوم ہوا۔ کیا عجب ہے کہ رؤف رحیم کے یہاں کوئی بڑی خیر مضمر ہو۔ حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
"اگر بلا از طرف حق تعالیٰ نبودے بندگان را طریق الی اللہ نبودے"
ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
"بلاء خدا تعالیٰ محبین را تحفہ و ہدیہ و تحریک سلسلہ مواصلت مضمرہ ہست"

لہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے ان کے درجہ بدرجہ جو افضل ہو اس کی آزمائش بقدر فضیلت ہوتی ہے۔ کہ بہت ممکن ہے تم کسی چیز سے کراہت کرو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔ کہ یعنی جیل۔ کہ اگر خداوند عالم کی جانب سے مصیبت اور آزمائش نہ ہوا کرتی تو خدا تک پہونچنے کا راستہ ہی مفقود ہوجاتا۔ کہ مصیبت و آزمائش محبین اور عاشقان مولا کیلئے تحفہ اور ہدیہ اور پوشیدہ تعلق کی سلسلہ جنبانی ہے۔

رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

از بلا ایشاں را حرکت دادند وایشاں متحرک شدند اگر ساکن ماندے وصل نیافتندے۔[1]

ابو یعقوب نہر پوری فرماتے ہیں۔

عالم از بلار استغاثہ مے کند وصرف ادمے خواہد۔ وعارف ببلا لذت مے گیرد وہر گز کشف او نمے خواہد۔[2]

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"بلار چراغ عارفین وتنبیہ مریدین ست وہلاک غافلین"۔[3]

میرے محترم اس بلا میں اہل عقل وانصاف خوش ہوتے ہیں۔

"ضرب الحبیب ذبیب" مشہور مقالہ ہے۔ بالخصوص اس فراغت اور خلوت کی بنا پر جس کے ذریعہ سے آپ بہت زیادہ مجالست مع الحبیب کر سکتے ہیں

اعز مکان فی الدنے سرج سابح۔ وخیر جلیس فی الوجود الٰہ،۔[4]

انا جلیس من ذکرنی۔ ۵[5]

---

[1] اہل اللہ کو مصیبت میں مبتلا کر کے حرکت دی گئی۔ وہ متحرک ہوئے۔ اگر ساکن رہتے رسائی نہ پاتے۔ [2] دنیا۔ مصیبت سے فریاد کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ہٹ جائے مگر عارف اس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس کے ازالہ کی خواہش نہیں کرتا۔ [3] مصیبت عارفین کے لئے چراغ۔ مریدیں اور راہ سلوک کے راہرو کے لئے تنبیہ ہے اور غافلوں کے لئے ہلاکت ہے۔ [4] تیز رفتار گھوڑے کی زین دنیا میں سب سے زیادہ با عزت جگہ ہے اور بہترین ہمنشین خداوند عالم ہے۔

[5] یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ۵۱ به ازیں کہ چتر شاہی شب و روز ہاؤ ہوئے

فاغتنم ایها الاخ هذه الفرصة۔ ولا تضیعها بقیل وقال وبما لا یعنی فان العمر ۵۲

قصیر۔ والطریق طویل۔ والعوائق کثیرہ۔

کیف الوصول الی سعاد ودونها ۵۳ قُلَلُ الجبال ودونهن حتوف

الرجل حافیة ومالی مرکب والکف صفر والطریق مخوف

فاجتهد قدر ما یمکن فی الذکر وحسن التوجه الی المذکور۔ وداوم

---

۵۱ تھوڑی دیر کے لئے دل کی فراغت کے ساتھ ماہ رو پر نظر ڈالنا۔ چترشاہی اور (چوبداروں اور سنتریوں) کی ہاؤ ہو (ہلٹ) سے بہت بہتر ہے۔ ۵۲ لہذا برادرمن۔ اس فرصت کو غنیمت جانو اس کو قیل وقال اور بے فائدہ باتوں میں ضائع مت کرو۔ کیونکہ عمر کوتاہ ہے راستہ طویل ہے اور موانع بہت ہیں۔ ۵۳ سعاد (محبوبہ کا نام) تک کس طرح رسائی ہو سکتی ہے درانحالیکہ اس کی راہ میں پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں ہیں کہ ان چوٹیوں کو طے کرتے کرتے انسان موت کا شکار ہو جائے

پاؤں برہنہ ہیں۔ کوئی سواری میسر نہیں۔ ہاتھ خالی اور راستہ خطرناک۔

۵۴ لہذا جتنا بھی ممکن ہو۔ ذکر اور مذکور (خداوند عالم جس کی یاد کی جاتی ہے) کی طرف متوجہ اور دھیان رکھنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ اور اس پر مداومت رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو ہمارے بارے میں پوری کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً لازمی طور پر ان کے لئے اپنی راہیں کھولدیں گے۔

برادرمن اس آیۃ کریمہ کی لفظی ترکیب پر نظر ڈالو۔ شرط کی جانب میں یعنی پہلے جملہ میں تو صرف یہ ارشاد ہے کہ جو ہمارے بارے میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ یہاں صرف پوری کوشش کا تذکرہ ہے۔ اور کوئی تعلیق نہیں۔ اور جملہ کے دوسرے حصہ (جزا) کی تاکید اور تقویت کے لئے اولاً لام لایا گیا۔ جو تمہید قسم ہوتا ہے پھر جمع متکلم کا نون لایا گیا۔ اور جملہ فعلیہ لایا گیا جسکو مضارع سے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

علی ذلك فقد قال تعالی۔ والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا
فانظر ایها الاخ لو یات فی جانب الشرط بشیئٍ من الموکدات۔
ومایدل علی طلب الکثرة والشدہ۔ واما فی جانب الجزاء فقد
اتی باللام الموطئة للقسم۔ ونون الجمع۔ بفعلیة الجملة
المبدوءة بالمضارع الدال علی الاستمرار التجددی۔ والنون
الثقیلة۔ وجمع لفظ السبیل واضافته الی ضمیر جمع المتکلم
لتعظیم نفسه۔ ثم ذیلها بقوله۔ ان الله لمع المحسنین۔ ولا
یخفی ما فیه من الموکدات والبشائر۔ فلا ینبغی لاحدٍ ان
ییئس من رافته تعالی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شروع کیا گیا جو استمرار تجددی پر دلالت کیا کرتا ہے۔ نون ثقیلہ لایا گیا لفظ سبیل کو جمع
کے ساتھ بیان کیا گیا اور اسکو جمع متکلم کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا جس سے راستوں کی عظمت کیطرف اشارہ ہے
اسکے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے معنوں کی مزید تقویت کی گئی پھر عربی نحو کے لحاظ سے
ان اللہ لمع المحسنین میں جو موکدات اور بشارتیں ہیں وہ بھی مخفی نہیں۔ لہذا کسی کو بھی خدا کی رحمت سے اس وہم
کی بنا پر مایوس نہ ہونا چاہیے کہ وہ عاجز اور کمزور اور ناچیز ہے۔ اور حضرت حق جل مجدہ کی ذات وراء الوراء
ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ اس کریم کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہو۔ کیونکہ جو دروازے پر دستک دیتا رہے
لامحالہ کھولدیا جاتا ہے۔ اور تم اس سے ہرگز پریشان نہ ہو کہ اثنا ذکر میں کیفیات کا ظہور نہیں ہوتا
یا لذت نہیں محسوس ہوتی۔ کیونکہ یہ مقصود ہی نہیں۔ یہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ راہ طریقت کے بچوں کو ان سے
بہلایا جاتا ہے۔ مقصود حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا فضل ہے۔

بمعاینۃ عجز نفسہ وعلو رفعتہ تعالیٰ - فعلیک بمداومۃ قرع بابہ تعالیٰ فان من داوم قرع الباب لابد ان یفتح لہٗ - ولا یزعجنک عدم ظہور الکیفیات واللذۃ فی اثناء الذکر فانہا لیست بمقصودۃ فانہا امور تربی بہا اطفال الطریقۃ وانما المقصد الوحید رضاءہ تبارک وتعالیٰ وفضلہٗ - ؎

دنیا و آخرت رابگذار حق طلب کن | کایں ہر دو لولیان اُتن خوبے شناسم
فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب | کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

(۶)

مظفر صاحب نے ایک مرتبہ تحریر کیا کہ شیخ اور مرشد کی خدمت اور احترام کے جو آداب امداد السلوک وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں میں ان کی ادائگی سے قاصر رہا۔ اور افسوس ہے کہ عملی طور پر جو تعظیم و تکریم مرشد کی کرنی چاہیے ہیں اس کو انجام نہیں دے سکا۔

اس کے جواب میں حضرت مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا۔

آداب شیخ کے بارے میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے۔ اور جو کچھ امداد السلوک میں تحریر کیا گیا ہے۔ وہ حقیقی مشائخ اور اہل کمال کے لئے ہے۔ ہم جیسے ناکارہ و نالائق بدنام کنندۂ نکو نامان۔ ننگ اسلاف کب مستحق ہیں۔ ہم تو اس شعر کے مصداق ہیں۔

نہارک[۱] یا مغرور سہو و غفلۃ | ولیلک نوم والردی لک لازم
وشغلک فیما لیس یغنیک مشغلہ[۲] | کذلک فی الدنیا تعیش البہائم

لہ اے دھوکے میں پڑے ہوئے تیرا دن سہو اور غفلت میں گذرتا ہے رات سونے میں لہذا تیری تباہی لازمی ہے۔
لہ بیکار اور فضول باتیں تیرا مشغلہ ہیں۔ دنیا میں بہائم اسی طرح رہا کرتے ہیں۔

ہاں آپ حضرات کی ادعیہ صالحہ سے اگر اصلاح ہو جائے اور ہم کسی لائق ہو جائیں جس طرح بڈھے ڈاکو کی اصلاح مریدوں کی دعوایت اور توجہ سے ہو گئی تھی تو مضائقہ نہیں۔

اس کے بعد مظفر صاحب کے لڑکے کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

عزیز موصوف کا دوسری مرتبہ محراب سنانا نہ صرف موجب فرحت وسرور ہے۔ بلکہ موجب ہزارہا تشکرات ہے۔ اور ولد صالح یدعولہ" صدقہ جاریہ اور خیرات دائمہ ہے۔

آج جبکہ بڑے خاندان والے اپنی اولاد کو انگریزی اسکول کی تعلیم دلوا کر ان کو دوزخ کا کندہ بنا رہے ہیں۔ اور دنیا کے لالچ میں ان کو بے دینی اور الحاد کی تعلیم دلوا کر دین سے برگشتہ اور اسلام کے لئے عار بلکہ دشمن بناتے ہوئے اپنی اور ان کی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں کفار کی غلامی کی لعنت کا پٹہ اپنی اولاد کے گلے میں ڈال رہے ہیں۔ آپ کی اولاد کا دیندار۔ حامل قرآن۔ اور حافظ دین متین ہونا لازوال اور عظیم الشان نعمت ہے۔ اللہم زد وبارک۔

پھر بچہ ماشاء اللہ صلاح پذیر اور سعید ہے۔ امید ہے کہ فخر خاندان ہو یہ دعا ہمیشہ ہونی چاہیے۔

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

یقیناً اولاد کا صالح اور دیندار رہکر فاقوں پر گذران کرنا۔ ڈپٹی۔ کمشنری۔ وکالت۔ اور بیرسٹری۔ پولیس وغیرہ کی انسپکٹری وغیرہ عہدہائے غلامی کفار سے ہزارہا

درجہ بہتر ہے۔ دیدۂ عبرت کھولنا چاہئے - ھدانا اللہ وایاکم الی مایحبہ ویرضاہ۔ ویجعل لنا ولھم۔ جمیعاً الآخرۃ خیراً من الاولی۔ امین

۱۲ر شوال ۶۳ھ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین سید المرسلین ورحمۃ للعالمین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون

سید محمد میاں عفی عنہٗ

۱۳ر ربیع الثانی ۶۸ھ - ۱۲ر فروری ۴۹ء

(وارد حال بمبئی)

فہرستِ مضامین